www.qandeel.xyz

تمل ٹائیگرز کی مکمل تباہی

سری لنکا کی طویل جنگ میں دوبارہ فتح"

مصنف: پال مور کرافٹ

ترتیب و تالیف: بی بلوچ

WWW.QANDEEL.XYZ

تمل ٹائیگرز کی مکمل تباہی

سری لنکا کی طویل جنگ میں دوبارہ فتح

مصنف: پال مور کرافٹ

ترتیب و تالیف: بی بلوچ

AZAD MEDIA

آزاد میڈیا پبلیکیشنز

فہرست

مصنف کے بارے میں

تعارف - سری لنکا کی جنگ کیوں اہم ہے

باب 1 - جنگ کا پس منظر

باب 2 - ٹائیگرز کا عروج

باب 3 - جنگ کا آغاز

باب 4 - ایلام جنگ یکم (1983-87)

باب 5 - بڑا بھائی مداخلت کرتا ہے: بھارتی 'امن قائم کرنے والے

باب 6 - ایلام جنگ دوم (1990-95)

باب 7 - ایلام جنگ سوم (1995-2002)

باب 8۔ طویل جنگ بندی

اہم جنگجو

باب9- سری لنکن حکومتی افواج

باب10–ٹائیگرز

عروج

باب 11- پہلے 'امن' کی کوشش

باب12- ایلام جنگ چارم: مکمل جنگ کی طرف

باب13- قید

فائرنگ کے بعد کی جنگ

باب14- طویل پروپیگنڈا جنگ

باب15- امن کی تعمیر

باب16–نتائج

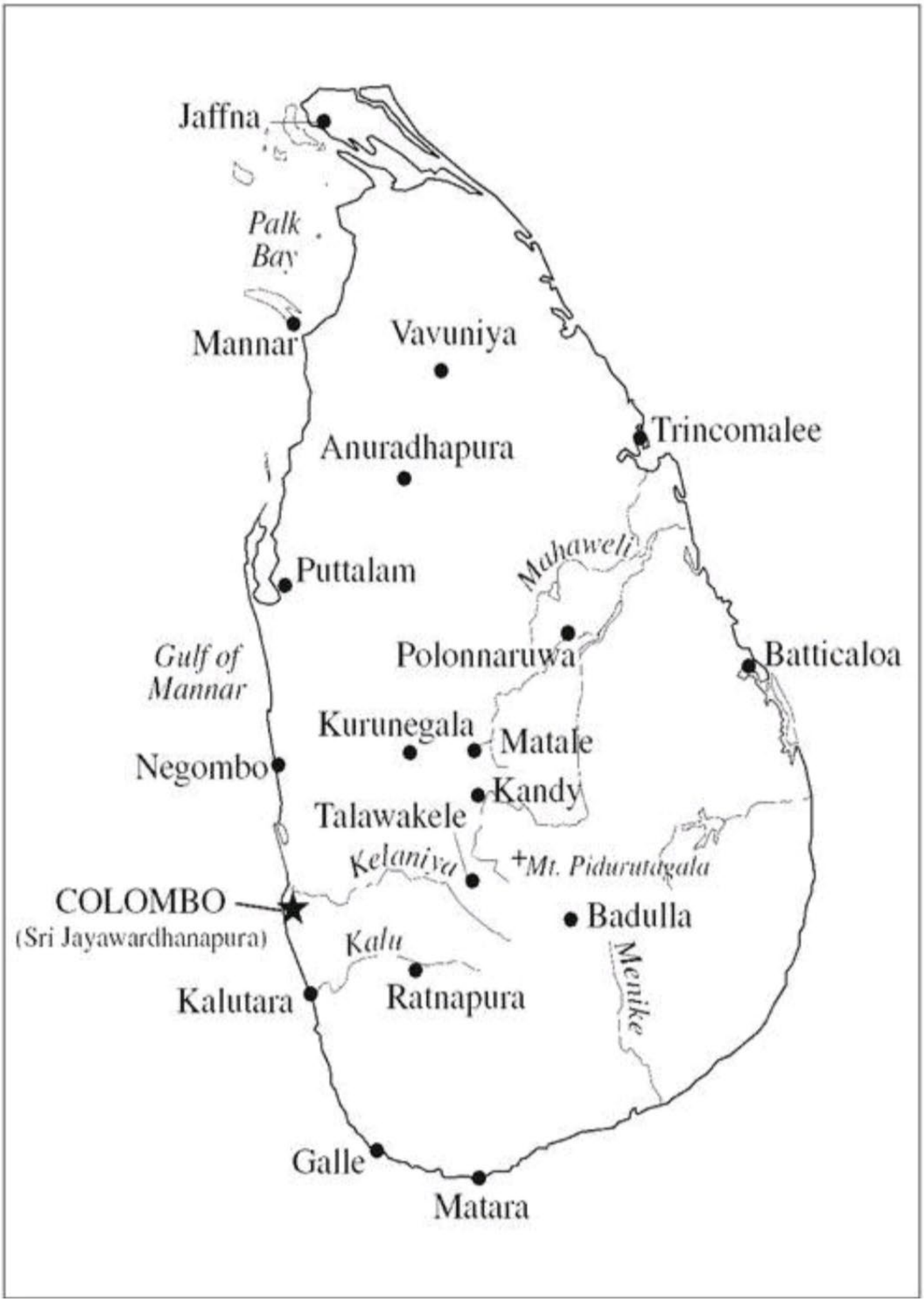
Jaffna
Palk
Bay
Mannar
Vavuniya
Trincomalee
Anuradhapura
Mahaweli
Puttalam
Gulf of
Mannar
Polonnaruwa
Batticaloa
Kurunegala
Matale
Negombo
Kandy
Talawakele
Kelaniya
+Mt. Pidurutagala
COLOMBO
(Sri Jayawardhanapura)
Badulla
Kalu
Menike
Kalutara
Ratnapura
Galle
Matara

کندیل بلوچی کتابجا

WWW.QANDEEL.XYZ

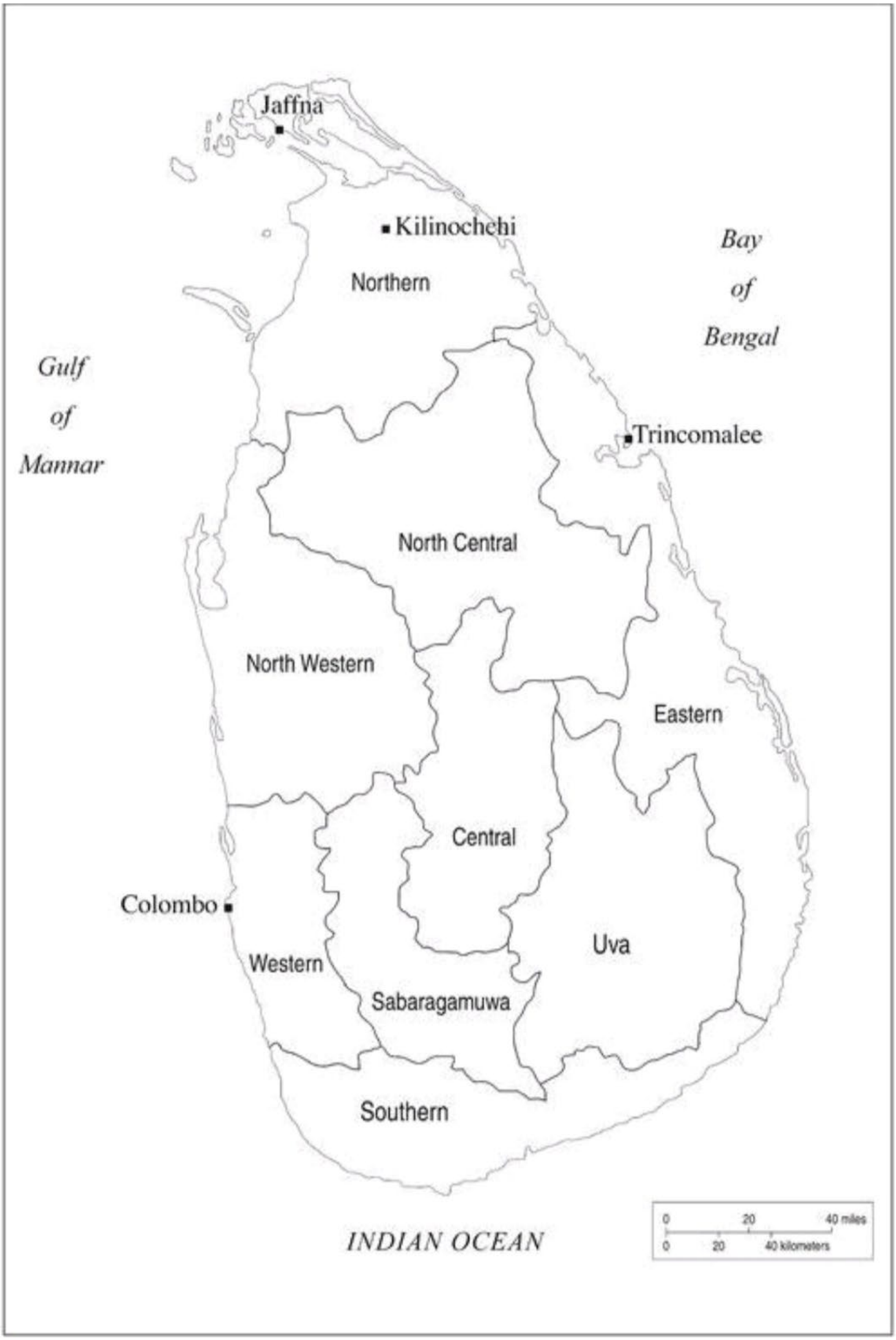
Jaffna
Kilinochchi
Northern
Bay
of
Bengal
Gulf
of
Mannar
Trincomalee
North Central
North Western
Eastern
Central
Colombo
Uva
Western
Sabaragamuwa
Southern
INDIAN OCEAN
0
20
40 miles
0
20
40 kilometers

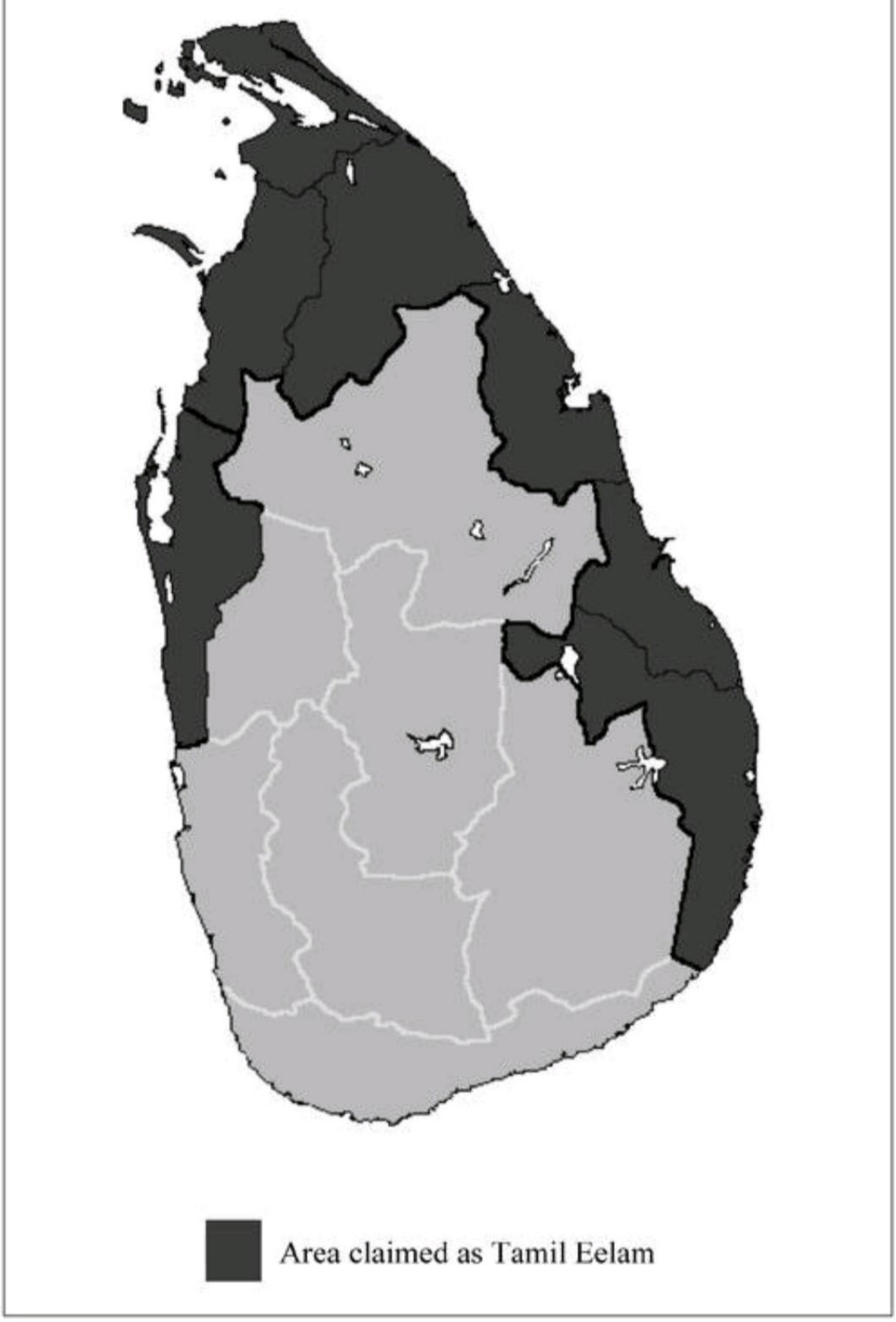
Area claimed as Tamil Eelam

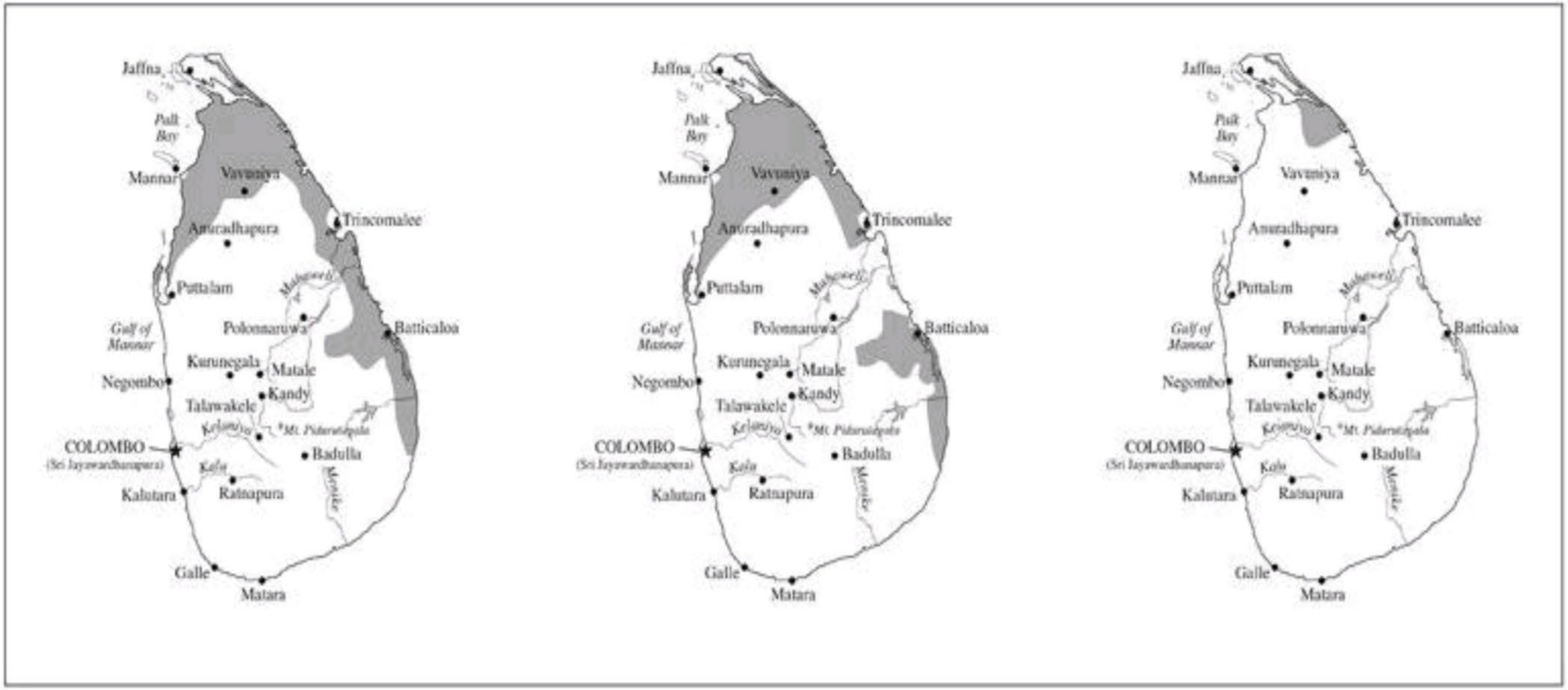

Losing ground. Shaded areas denote:

1. Tiger control in November 2005
2. February 2007
3. January 2009

مصنف کے بارے میں

پروفیسر پال مور کرافٹ نے ایشیا میں غیر ملکی نامہ نگار، لیکچرر اور مصنف کے طور پر وسیع پیمانے پر کام کیا ہے۔ انہوں نے کمبوڈیا، ویتنام، نیپال، پاکستان اور افغانستان میں جنگوں اور سیاسی تنازعات کی کوریج کی، اس کے ساتھ ساتھ چین جیسے بڑے ممالک اور مالدیپ جیسے چھوٹے ممالک میں ٹی وی دستاویزی فلمیں تیار کیں۔ سری لنکا میں انہوں نے جزیرے کے شمالی اور مشرقی علاقوں کے جنگی علاقوں کا سفر کیا۔ انہوں نے جنگ کے دونوں فریقوں کے سینئر سیاسی اور عسکری رہنماؤں، غیر ملکی سفارت کاروں، غیر سرکاری تنظیموں کے اراکین اور صحافیوں کے انٹرویوز کیے ہیں۔ پروفیسر مور کرافٹ نے متعدد سیکیورٹی اور خارجہ پالیسی کے ماہر رسالوں کے ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کیا ہے اور وہ مغربی ٹی وی نیٹ ورکس کے لیے فری لانس پروڈیوسر / جنگی نامہ نگار کے طور پر بھی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ انہوں نے امریکہ، برطانیہ، جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا کی دس بڑی یونیورسٹیوں میں صحافت، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات پر کل وقتی لیکچر بھی دیے ہیں۔ وہ بیلر یونیورسٹی، ٹیکساس میں ممتاز ریڈفورڈ وزٹنگ پروفیسر بھی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے افریقہ، مشرق وسطیٰ اور بلقان کے 30 جنگی علاقوں میں کام کیا ہے۔ اکثر غیر روایتی افواج کے ساتھ حالیہ طور پر افغانستان، عراق،

فلسطین / اسرائیل اور سوڈان کے مختلف علاقائی تنازعات میں انہوں نے 2010 کے قومی انتخابات کے دوران سوڈان میں برطانوی مبصر مشن کی سربراہی کی اور 2011 میں اب جمہوریہ جنوبی سوڈان کے ریفرنڈم کی رپورٹنگ کی۔ ڈاکٹر پال مور کرافٹ سابقہ سینئر انسٹرکٹر ہیں، رائل ملٹری اکیڈمی سینڈہرسٹ، یوکے جوائنٹ سروسز کمانڈ اور اسٹاف کالج میں بھی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ انہوں نے وائٹ ہال میں وزارت دفاع میں کارپوریٹ کمیونیکیشنز میں کام کیا۔ 2003 میں عراق کے دوران انہیں وائٹ ہال میں حکومتی خدمات کے لیے دوبارہ طلب کیا گیا۔ وہ فوجی تاریخ، سیاست، سفر اور جرائم پر مختلف کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایوارڈ یافتہ ناول نگار بھی ہیں۔ پال مور کرافٹ برطانیہ، امریکہ اور جنوبی افریقہ کے اخبارات (سیاسی اسکرین پر واشنگٹن ٹائمز سے لے کر برطانیہ کے گارڈین تک) میں باقاعدگی سے مضامین لکھتے ہیں۔ وہ کارڈف کے ویسٹرن میل اور جوہانسبرگ میں بزنس ڈے کے لیے بھی 35 سال سے لکھ رہے ہیں۔ وہ بی بی سی ٹی وی اور ریڈیو، اسکائی اور الجزیرہ کے لیے براڈکاسٹر اور تجزیہ کار کے طور پر بھی کام کرتے ہیں۔ ان کی مشترکہ تصنیف "Shooting the Messenger: The Politics of War Reporting" 2008 میں شائع ہوئی اور اس کا اپ ڈیٹڈ پیپر بیک 2011 میں آیا۔ ڈاکٹر مور کرافٹ نے "The Rhodesian War: A Military History" بھی شریک مصنف کیا، جو 2008 میں شائع ہوئی (پیپر بیک

(2011)۔ اس کے بعد " Mugabe's War Machine" 2011 میں شائع ہوئی۔ ان کی خودنوشت " Inside the Danger Zones: Travels to Arresting Places" 2010 میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر مور کرافٹ لندن میں سنٹر فار فارن پالیسی اینالیسس کے ڈائریکٹر ہیں اور کارڈف یونیورسٹی کے اسکول آف جرنلزم، میڈیا اور کلچرل اسٹڈیز میں وزٹنگ پروفیسر بھی ہیں۔

باب یکم

جنگ کا پس منظر

سورج، ریت اور سمندر... اور مون سون

رومانوی سامراجی تاثرات کے باوجود جیسے کہ "ہندوستانی سمندر کا موتی" یہ جزیرہ ہزاروں سالوں سے مذہبی، نسلی، ذات پات اور طبقاتی تنازعات کا شکار رہا ہے۔ امن بھی آیا ہے لیکن زیادہ تر نوآبادیاتی دور میں اگرچہ مورخین کو یونین کے قوانین اور پی سی ضوابط کی وجہ سے اس کا ذکر کرنے سے روکا جاتا ہے۔ سری لنکا کے کئی نام تھے، جو اکثر ان لوگوں کی عکاسی کرتے تھے جو جزیرے کے زیادہ یا کم حصے پر قابض ہوتے تھے یا کبھی کبھار صرف مسافروں اور نقشہ سازوں کی لسانی خصوصیات کی وجہ سے ہوتے تھے۔ ابتدائی مہم جوئی کرنے والے سبھی جزیرے کی جسمانی خوبصورتی کا اعتراف کرتے تھے۔ جیسا کہ پرتگال کے قومی شاعر، لوئیس واز ڈی کاموئس، نے (ترجمہ میں) نوٹ کیا:

سیلون اپنی خوشبودار چھاتی اٹھاتی ہے،

اور اپنے جنگلات کو پانی کی وسعت کے اوپر لہراتی ہے۔

یہ پہاڑوں، جنگلات، جھیلوں اور سمندر کے جزیرے کا ایک مناسب خلاصہ ہے۔ اس کا رقبہ 65,610 مربع کلومیٹر (25,332 مربع میل) ہے؛ ساحلی پٹی 1,056 میل پر محیط ہے، جو سمندری حملہ آوروں کے لیے کافی آسان ثابت ہوئی۔ سنسکرت میں اس ملک کو 'تمبپانی' کہا جاتا تھا، جس کی وجہ تانبے جیسے رنگ کی ساحل تھیں۔ بعد میں، یونانیوں اور رومیوں نے اسے 'ٹاپروبانے' کہا، حالانکہ بطلیموس کے مشہور دوسری صدی عیسوی کے نقشے میں اسے 'ٹاپروبانام' کے نام سے درج کیا گیا ہے۔ عرب ملاحوں نے اسے 'سیرنڈیب' کہا، جو کہ سنسکرت کے 'سِنہالا دیویپا' کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ پرتگالیوں نے اسے 'سیلاو' کہا، جو 'سی-لان' (چینی ورژن) سے شروع ہوا اور قرون وسطیٰ کے مسافروں جیسے کہ مارکو پولو نے اسے 'سیلان' بنا دیا۔ انگریزی ورژن - 'سیلون' - جدید سمجھوتہ تھا۔ سنہالی لوگ طویل عرصے سے اپنے ملک کو 'لنکا' کہتے تھے اور 1972 میں ملک کو باضابطہ طور پر 'سری لنکا' کا نام دیا گیا (اس کا مطلب 'مقدس' یا 'خوبصورت' ہے)۔ 1978 میں اس ریاست کا باضابطہ (انگریزی میں) نام 'ڈیموکریٹک سوشلسٹ ریپبلک آف سری لنکا' رکھا گیا۔ اس کے باوجود کہ سری لنکا مختلف مشکلات سے گزرا، غیر ملکی ہمیشہ اس ملک کی طرف متوجہ ہوتے رہے۔ آرتھر سی کلارک یہاں رہے کیونکہ

انہیں اس جزیرے میں عجیب و غریب کشش محسوس ہوئی: ان کا ماننا تھا کہ جزیرے کے کچھ حصوں میں اضافی مضبوط کشش ثقل پائی جاتی ہے۔ اس سائنس فکشن لکھنے والے نے مستقبل کی زیادہ تر پیش گوئیاں ایک ایسے مقام پر کیں جہاں کلارک تقریباً پچاس سال تک رہائش پذیر رہے۔ سری لنکا کے لوگ کلارک کے خیالات کو زیادہ ماننے والے ہو سکتے ہیں، کیونکہ وہ انتہائی توہم پرست ہیں اور اکثر علم نجوم سے متاثر ہوتے ہیں۔ جدید دور کے زیادہ عام مسافر، جنہیں آپ 'سیاح' کہہ سکتے ہیں، سب سے پہلے بظاہر خطرناک ڈرائیونگ کا مشاہدہ کریں گے، خاص طور پر رکشہ چلانے والوں کا۔ ان کے ڈرائیوروں کی ونڈ اسکرینوں سے مختلف قسم کے تعویذ لٹکتے ہوتے ہیں–یسوع، بدھ، گنیش اور کوئی نہ کوئی گرو۔ انہیں تمام الہی تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے جو انہیں مل سکتی ہے۔ سیاحوں کو یہ بھی بتایا جاتا ہے، ہاتھی پاس تنازعہ کے علاقوں میں اندھیرے کے بعد باہر نہ نکلیں۔" جب کلارک بلیک ہولز پر غور کرتے تھے، پچھلی دہائیوں کی بہت سی گائیڈ بکس ملک کے بڑے حصے، خاص طور پر شمالی علاقے اور خاص طور پر رات کے وقت کو خالی چھوڑ دیتی تھیں۔ یہ وہ دائمی لیکن غیر مذکورہ ہاتھی تھا جو کمرے میں موجود تھا–جنگ۔ جزیرے نے بہت سے غیر روایتی زائرین کا سامنا کیا ہے، نہ صرف جنگی سیاحوں کا، حالانکہ زیادہ تر لوگ خزانے کی تلاش میں آیا کرتے تھے۔ ابتدائی مہم جو حضرات تجارتی ہواؤں پر انحصار کرتے تھے–یہ نام درست تھا کیونکہ قدیم سمندری ملاحوں کو یونان، چین یا عرب واپس جانے

کے لیے ہوا کا انتظار کافی طویل عرصے تک کرنا پڑتا تھا۔ وہ مصالحے اور قیمتی جواہرات کی تلاش میں آتے تھے، لیکن اکثر ان کے جہاز ہوا کے بغیر پھنس جاتے اور انہیں مقامی ثقافتوں، خاص طور پر خواتین کے ساتھ میل جول کا موقع مل جاتا۔ اگرچہ زمین کی ساخت نے بحری حملوں کو آسان بنایا، لیکن موسم بھی اندرونی جنگی مہمات پر اثر انداز ہوا۔ کم بلندیاں مون سون کی بارشوں کے لیے ڈمپنگ گراؤنڈ بن جاتی تھیں۔ سری لنکا منفرد ہے کیونکہ یہاں دو مون سون کے موسم ہوتے ہیں، جو مختلف سمتوں سے مختلف اوقات میں آتے ہیں۔ جدید دارالحکومت کولمبو اور جنوب مغربی علاقہ اپریل سے اکتوبر تک بارش سے بھگتے ہیں، جبکہ مشرقی ساحل نومبر سے جنوری تک بھیگتا ہے۔ مون سون ملک کے موسموں کی وضاحت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ خط استوا کے قریب ہے، اس لیے درجہ حرارت سال بھر زیادہ رہتا ہے۔ اوسطاً 27 ڈگری سینٹی گریڈ (80 ڈگری فارن ہائیٹ) ہوتا ہے، حالانکہ اکثر نمی کی وجہ سے یہ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ کبھی کبھار اونچی، اور اکثر جنگلاتی یا جنگل نما زمین اور نمی، گرمی اور پھر طوفانی بارشوں میں سپاہیوں کو لڑنے کی مشکلات کو سمجھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بعض اوقات طویل خانہ جنگی کے دوران جنگ کو زمین اور موسم نے کیوں روک دیا۔ یہ ایک نسبتاً گنجان آباد جزیرہ بھی ہے: اسکاٹ لینڈ کے سائز کا لیکن چار گنا زیادہ آبادی (تقریباً 20 ملین)۔

مقامی پتھر کے دور کی ثقافت کا سراغ 10,000 قبل مسیح تک لگایا جا سکتا ہے؛ اس ویدھا قوم کے چند سو افراد، جو آسٹریلیا کی مقامی قبائل سے بھی تعلق رکھتے ہیں، آج تک بمشکل زندہ ہیں۔ پہلے سنہالی لوگ چھٹی صدی قبل مسیح میں ملک میں پہنچے–غالباً شمالی ہندوستان سے۔ بدھ مت، جو بعد میں ملک میں ایک طاقتور مذہبی اثر بن گیا، تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں آیا۔ ایک عظیم تہذیب انورادھاپورہ (200 قبل مسیح سے 1000 عیسوی تک ایک سلطنت) اور پولونارووا (1070 سے 1200 تک) کے شہروں کے گرد پروان چڑھی۔ چودھویں صدی میں جنوبی ہندوستان کے ایک خاندان نے سری لنکا کے شمالی علاقوں میں، جو بھارتی سرزمین کے قریب ترین ہیں، ایک تامل سلطنت قائم کی۔ پچھلے تین جملے ملک کی تاریخ کے بارے میں سنٹرل انٹیلیجنس ایجنسی کے خلاصے سے لیے گئے ہیں۔ یہ مناسب طور پر غیر جانبدار اور شاید بشریاتی طور پر درست ہو سکتا ہے، لیکن یہ ایک ایسی تاریخ کے لیے کافی نہیں ہو گا جو بنیادوں کے افسانوں سے بھری ہوئی ہو۔ مختصر الفاظ میں، شیر قوم (سِنہا کا مطلب شیر ہے) نے چیتوں کے ساتھ غلبے کے لیے مقابلہ کیا، جو ابتدائی تامل آبادکاروں کی علامت تھے: یہ

دراوڑوں اور آریاؤں کے درمیان ایک مبینہ نسلی تصادم بھی تھا، جس نے بعد میں ان لوگوں کے ہاتھ مضبوط کیے جنہوں نے سنہالی اکثریت کو ابتدائی فاشسٹ کے طور پر پیش کیا۔ بہت کم (عقل مند) مغربی مورخین، جو ملک کی ابتدائی تاریخ کا گہرا علم نہیں رکھتے اور متعلقہ زبانوں پر تفصیلی عبور نہیں رکھتے، سنہالی اور تامل دعوؤں کے تاریخی حوالوں پر کوئی حتمی نتیجہ نکالنے کی کوشش کریں گے۔ دونوں فریقین اپنے دعووں میں جنونی جوش دکھا سکتے ہیں (اور بعض اوقات خیالی جوش بھی، جیسے کہ قرون وسطیٰ کی اڑن مشینوں یا مقدس آثار کی طاقت کے بارے میں) جب یہ ثابت کرنے کی بات آتی ہے کہ پہلے کون آیا اور کس مذہبی اجازت کے ساتھ۔ یہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے 1990 کی دہائی کی بلقان جنگوں میں شامل فریقین - کوئی بھی فوجی مہم کے بارے میں بات نہیں کر سکتا تھا بغیر اس کے کہ سینکڑوں سال پہلے کے واقعات کا حوالہ دیا جائے، اور اکثر رومی سلطنت کی تقسیم کے زمانے کے نقشے کے ساتھ۔ اسی طرح، سری لنکا کے خونی جھگڑوں کا سراغ بھی ان واقعات سے ملتا ہے جو 1948 میں آزادی کے بعد ہوئے، خاص طور پر زبان کے حقوق کے حوالے سے۔ صرف سی آئی اے کے خلاصے پر انحصار کرنا ناکافی ہو گا۔ تامل فوجی رہنما 200 قبل مسیح سے ہی طاقتور تھے، اور 432 عیسوی میں ایک کامیاب تامل حملہ ہوا؛ حالانکہ سری لنکا میں بدھ مت کے دور کا پہلا سال 543 قبل مسیح ہے۔ مہاوامسا ('عظیم تاریخ') میں پہلی اندراجات اسی وقت کی ہیں، اور سنہالیوں کی شہزادہ وجیہ کی قیادت میں آمد کا

ذکر ہے۔ پہلے سنہالی حکمرانوں نے اپنا نسب ایک خوبصورت شیر اور ایک محبت کرنے والی شہزادی کے ملاپ سے جوڑا۔ جدید دور میں ایک اہم تاریخ 1505 تھی، جب پرتگالیوں کی آمد ہوئی، جنہوں نے جلد ہی ساحلی علاقوں کے کچھ حصے پر قبضہ کر لیا۔ تاہم، مقامی سلطنتوں، خاص طور پر کینڈی کی ریاست، نے اس قبضے کی مزاحمت کی۔ 1656 کے بعد ڈچ نے خشکی اور سمندر میں پرتگالیوں کو شکست دی، اور غیر ملکیوں نے جزیرے پر مضبوط گرفت قائم کر لی، حالانکہ کینڈی، جو گھنے جنگل میں چھپا ہوا تھا، اپنے کچھ عجیب رسم و رواج کے ساتھ خود کو حکومت کرتا رہا۔ 1660 میں لندن کا ایک نوجوان ملاح، رابرٹ ناکس، انیس سال تک کینڈی میں قید رہا۔ اس نے اپنی اکثر مثبت آراء کو ایک جریدے میں بیان کیا۔ ایک استثنیٰ اس کا ہاتھیوں کے ذریعے موت کا بیان تھا: یعنی کچل کر یا سینگ مار کر سزائے موت دی جاتی تھی۔ اس کے جریدے کا کچھ حصہ ڈینیل ڈیفو نے 'روبنسن کروسو' کے لیے بنیاد کے طور پر چرا لیا تھا۔ 1796 میں، برطانوی – جو انقلابی فرانس کی امنگوں سے پریشان تھے – نے جزیرے کو ڈچ سے چھین لیا۔ اس کے ساتھ، ترینکومالی کی مطلوبہ قدرتی بندرگاہ برطانوی رائل نیوی کے لیے ایک اہم اسٹیجنگ پوسٹ بن گئی۔ 1802 میں سیلون کو باضابطہ طور پر برطانوی نوآبادی قرار دیا گیا۔ 1815 میں کینڈی کے آخری بادشاہ کو معزول کر کے جلاوطن کر دیا گیا، حالانکہ گوریلا جنگیں جاری رہیں۔ مزاحمت کی آخری سرگوشیاں 1848 میں اس (جھوٹی) افواہ سے پیدا ہوئیں کہ عورتوں سے ان کی

چھاتیوں کے سائز کے مطابق ٹیکس وصول کیا جائے گا– جو شاید برطانوی نوآبادیاتی حکمرانوں کی کم اہم مشغولیات کو ظاہر کرتا تھا۔ ایک مثبت پہلو یہ تھا کہ برطانویوں نے اپنے روایتی 'تہذیبی' کام انجام دیے – کم از کم سڑکیں اور ریلوے بنائے۔ ہندوستان کے مقابلے میں، سیلون کو زیادہ شدت سے نوآباد کیا گیا، جیسا کہ پلانٹیشن معیشت کے قیام سے زمین کی ڈرامائی تبدیلی سے ظاہر ہوتا ہے۔ وسطی پہاڑیاں جنگلات سے کھیتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ہزاروں تاملوں کو جنوبی ہندوستان سے لایا گیا تاکہ وہ پہلے کافی اور پھر کہیں زیادہ کامیاب چائے کے باغات پر کام کریں۔ 'نئے تامل' مقامی تامل اقلیت کے ساتھ اچھی طرح ضم نہیں ہوئے، کم از کم اس لیے کہ آنے والے جلد ہی مقامی تاملوں کی تعداد کے قریب پہنچ گئے۔ 1915 میں، کینڈی کے آخری خودمختار بادشاہ کی دستبرداری کی صدی منائی گئی، جس میں انتہا پسند بدھ مت قوم پرستی کے جوش میں، سنہالی گروہوں نے جنوب مغربی علاقوں میں مسلمان تاجروں پر حملہ کیا۔ اس وقت سے، مسلمان عام طور پر زیادہ جارحانہ تامل اقلیت اور غالب سنہالی اکثریت کے درمیان پھنسے رہے۔ نسلی کشیدگی کے باوجود، تاج برطانیہ کے مختلف محکوم لوگ نوآبادیاتی حکومت کے خاتمے کے لیے متحد ہونے میں اپنا فائدہ دیکھ سکتے تھے، حالانکہ تاملوں کا خیال تھا کہ مستقبل میں اقتدار کی تقسیم 50٪ 50 ہونی چاہیے، سنہالیوں اور دیگر اقلیتوں کے درمیان۔ عظیم جنگ کے بعد سیلون نیشنل کانگریس تشکیل دی گئی؛ یہ تمام بڑی برادریوں پر مشتمل تھی، اگرچہ بعد میں تاملوں نے اس سے

علیحدگی اختیار کر لی۔ برطانویوں نے 1931 میں عمومی حق رائے دہی (عورتوں سمیت) متعارف کرائی اور ہندوستانی ماڈل کی پیروی کرتے ہوئے خود حکومت کی طرف تیزی سے اقدامات کیے۔ سنہالی اکثر برطانویوں پر الزام لگاتے تھے کہ وہ تامل اقلیت کی حمایت کر کے 'تقسیم اور حکومت' کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، خاص طور پر سول سروس میں۔ اس کے باوجود، دونوں فریقین، مسلمانوں جیسی دیگر اقلیتوں کے ساتھ مل کر سیاسی آزادی کے مقصد کے لیے اکثر مل کر کام کرتے تھے۔ دونوں فریقین نے حکومت، عدالتوں اور اعلیٰ تعلیم میں انگریزی کی جگہ دونوں مقامی زبانوں، تامل اور سنہالی، کے مساوی استعمال کا مطالبہ کیا۔ مقامی زبانیں، جن کے الگ الگ رسم الخط تھے، ایک دوسرے کے لیے ناقابل فہم تھیں، حالانکہ زیادہ تر تامل تجارتی وجوہات کی بنا پر سنہالی (اور انگریزی) بھی بولتے تھے۔ جب دوسری جنگ عظیم میں جاپان نے تیزی سے فوجی پیش قدمی کی، اور ہندوستان خود بھی بڑھتے ہوئے خطرے میں نظر آیا، تو سیلون کی اسٹریٹجک پوزیشن نے اسے 'ہندوستانی سمندر کا کلاپھم جنکشن' بنا دیا؛ یہ لارڈ لوئس ماؤنٹ بیٹن کے جنوب مشرقی ایشیائی تھیٹر کمان کا مقام بن گیا۔ ترینکومالی ایک اہم بحری پناہ گاہ تھی، حالانکہ اسے جاپانیوں نے بمباری کا نشانہ بنایا۔ جنگ کے دوران ربڑ کی مانگ اور اتنے زیادہ اتحادی فوجیوں کی موجودگی نے مقامی معیشت کو بڑھانے میں مدد کی۔ فوج نے ملیریا کے خاتمے کے لیے بھی ایک مستقل مہم چلائی۔ اپنی انگریزی سازی کے عمل کے حصے کے طور پر، برطانویوں نے اعلیٰ

ثانوی اسکولوں کی وفاداری کا ایک پائیدار ورثہ چھوڑا۔ انگلش پبلک اسکولوں کے سخت معیارات کو وفاداری کے ساتھ دہرایا گیا۔ جب ایک نیا برطانوی ہیڈ ماسٹر ٹرینیٹی کالج، کینڈی پہنچا، تو اس نے پایا کہ 1,000 لڑکے چھڑی سے مار کھانے کے انتظار میں کھڑے ہیں، جو اس کا پہلا فریضہ تھا۔ اکیسویں صدی کے آخر تک، سنہالی برادری کے حکمران اشرافیہ سیاسی جماعتوں، بیوروکریسی اور خاص طور پر مسلح افواج میں اسکول پر مبنی 'اولڈ بوائے' نیٹ ورک قائم کرتے رہے۔ انہوں نے زندگی بھر اپنی ہی طرح کی 'اومیرتا' کی مشق کی۔ جب جنگ سے تھکے ہوئے برطانوی راج سے دستبردار ہو رہے تھے، اور تقریباً بے بسی سے خون سے رنگی ہوئی تقسیم کو دیکھ رہے تھے جس میں سابقہ سلطنت کے جواہر کو ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کیا جارہا تھا، تو اسی دوران سری لنکا (سابقہ سیلون) نے 1948 میں اپنی قومی آزادی حاصل کی۔ آزادی کے فوراً بعد، مقامی تملوں کے رہنما سنگھالی اکثریتی حکومت کے ساتھ مل کر تقریباً پانچ لاکھ تملوں کو "واپس" بھارت بھیجنے کی سازش میں شامل ہو گئے، جن میں سے بہت سے نسلوں سے سری لنکا میں مقیم تھے۔ بدھ مت کے ماننے والے سنگھالی شاید ملک کی آبادی کا 70 فیصد حصہ بناتے تھے، جبکہ ہندو تمل (جو مقامی بھی تھے اور حالیہ بھارتی آمد کے باقی ماندہ افراد بھی) تقریباً 20 فیصد یا اس سے زائد تھے۔ مسلمان تعداد میں کم لیکن بااثر تھے؛ وہ ملایا یا انڈونیشیا جیسے دور دراز علاقوں سے آئے تھے یا پہلے سے آنے والے عرب تاجروں کی اولاد تھے۔ ان میں سے بہت سے

تمل بولتے تھے۔ اس کے علاوہ آبادی میں مخلوط نسل کی اولادیں بھی شامل تھیں، جن میں عیسائی ڈچ اور پرتگالی بھی شامل تھے، جنہیں کبھی کبھار برگرز کہا جاتا تھا۔ جدید سری لنکن معاشرے میں پرتگالی نام بہت زیادہ پائے جاتے ہیں، اور یہ ورثہ خاص طور پر گریجویشن کی تقریبات میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ کئی دیگر چھوٹی کمیونٹیز بھی پھل پھول رہی تھیں، خاص طور پر برطانوی آبادکار، یہودی اور چھوٹی افریقی کمیونٹیز کے گروہ، جو سب سے پہلے پرتگالیوں کے غلام بن کر آئے تھے۔ آزادی کے وقت سری لنکا مذاہب، نسلوں اور زبانوں کا ایک پیچیدہ مجموعہ تھا، جبکہ ذات پات بھی ایک سخت سماجی معیار تھا۔ علاقائی شناختیں بھی اہم تھیں—جیسے کولمبو اور کینڈی میں ایلیٹ گروہ ابھرے، جو اکثر طبقے اور تعلیم (اکثر برطانوی یونیورسٹیوں میں) پر مبنی تھے، اور تاریخی یا شاہی نسب بھی ان کی بنیاد تھے۔ اس کے بعد پارٹی سیاست کی تقسیم بھی اس میں شامل ہو گئی۔ سیلون نے ہندوستانی راج کی آزادی کے دوران ہونے والے قتل و غارت سے بچاؤ کر لیا، لیکن نسلی سانحات محض تاخیر کا شکار ہوئے۔

آزادی کے ابتدائی سال

آزاد سیلون کے پہلے وزیر اعظم ڈی ایس سینانائیک، جو نو آبادیاتی دور میں وزیر زراعت رہ چکے تھے، آزاد ریاستوں کے مشہور آبپاشی نظاموں کو ترقی دینے اور بہتر بنانے کے خواہاں تھے۔ یہ ان کے مجموعی سنگھالی قوم پرست ایجنڈے سے منسلک تھا، جس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ 'نئے تمل' کے باغات کے مزدور تمل جماعتوں کو ووٹ نہ دیں جو ان کی یونائیٹڈ نیشنل پارٹی (UNP) کی مخالفت کر سکتی تھیں۔ وزیر اعظم نے اپنے بھارتی ہم منصب پنڈت جواہر لال نہرو سے اصرار کیا کہ وہ ان لوگوں کو بھارتی شہری تسلیم کریں جو وطن واپس لوٹنے چاہییں۔ سری لنکن سیاست عموماً خاندانی رہی ہے۔ سینانائیک سینئر کو مختصر مدت کے لیے ان کے بیٹے ڈڈلی نے تبدیل کیا؛ اور پھر ایک سابق جنرل نے حکمراں UNP کی قیادت سنبھال لی۔ ایس ڈبلیو آر ڈی بندرانائیک کی فریڈم پارٹی نے UNP کو اقتدار سے باہر کر دیا۔ بندرانائیک نے زبان کے مسئلے کی حمایت کی - کہ صرف سنگھالی زبان انگریزی کی جگہ لے۔ نئی قیادت کے کئی لوگ آکسبرج سے تعلیم یافتہ تھے، لیکن اب قوم پرستی کا تقاضا تھا کہ پِن سٹرائپڈ سوٹ کی جگہ کمر سے لپٹا ہوا سفید کپڑا اور ڈھیلی آستینوں والی سفید قمیض پہننی چاہیے۔ یہ سری لنکا کا چیئرمین ماؤ کے بٹن والے لباس کا ورژن تھا۔ 1956 میں بندرانائیک کا 'سنگھالی واحد ایکٹ' تملوں کے فسادات کا باعث بنا۔ یہ قانون اس جنگ کا محرک تھا جو آنے والی تھی۔ نسلی فسادات اور کلیدی صنعتوں جیسے ٹرانسپورٹ اور بندرگاہوں کی قومیانے کے بعد معاشی حالات کی تیز گراوٹ نے اعتماد

کے بحران کو جنم دیا۔ کولمبو اور دیگر علاقوں میں رہنے والے تملوں کو نکال دیا گیا اور وہ شمال اور مشرق میں اپنے آبائی علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ بہت سے سنگھالی جنوب کی طرف منتقل ہو گئے۔ یہ اس عمل کا آغاز تھا جو بعد میں 'نسلی صفائی' کے نام سے جانا جانے لگا۔ بندرانائیک نے تملوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی تاکہ اس افراتفری کا خاتمہ کیا جا سکے۔ ایک بدھ بھکشو نے اس کی مخالفت کی: اس نے وزیر اعظم کے قریب جا کر انتہائی قریب سے ان پر ریوالور کی تمام گولیاں خالی کر دیں۔ اس واقعے نے سری لنکا کے پیچیدہ مسئلے میں تمام فریقوں کی جانب سے سیاسی قتل کی ایک لمبی سیریز کی مثال قائم کر دی۔ مختصر عبوری حکومت کے بعد، خاندانی اقتدار کی ہیر پھیر جاری رہی۔ ڈڈلی سینانائیک تین ماہ کے لیے واپس آئے۔ پھر مقتول وزیر اعظم کی بیوہ، مسز سریماؤ بندرانائیک، ہمدردی کی لہر پر سوار ہو کر اقتدار میں آئیں، خاندانی حکمرانی کی روایت کی تصدیق کرتے ہوئے۔ وہ نہ صرف دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظم تھیں، بلکہ ان کے پاس پارلیمنٹ میں کوئی نشست بھی نہیں تھی (جلد ہی انہوں نے سینیٹ میں ایک نشست حاصل کر لی)۔ جب سیاستدان اقتدار کی بندر بانٹ میں مصروف تھے، نسلی تنازعات بدستور جاری رہے۔ مسز بندرانائیک نے اس بات کو یقینی بنایا کہ نصف ملین 'نئے تملوں' کو بھارت بھیج دیا جائے، جبکہ 300,000 کو رہنے کی اجازت دی گئی۔ اگرچہ ان کی صنفی کامیابی بین الاقوامی غیر جانبدار تحریک کے لیے ایک روشن مثال تھی، لیکن ان کا ملکی ریکارڈ بہت خراب تھا۔

مسلح افواج اور پولیس کے کچھ ارکان نے سیاسی گڑبڑ کو درست کرنے کے لیے مداخلت کی منصوبہ بندی کی، جو کہ 1960 کی دہائی میں ایک بین الاقوامی رجحان تھا۔ یہ سازش ناکام رہی، لیکن اس کا فوج اور سیاستدانوں کے درمیان تعلقات پر طویل مدتی اثر پڑا۔

ناکام بغاوت

1961 میں تمل اکثریتی علاقوں میں مہاتما گاندھی سے متاثرہ ستیہ گرہ تحریک کا فروغ ہوا۔ یہ حکومت کی زبان کی پالیسی کے خلاف غیر متشدد احتجاج تھا۔ فوجی دستے جافنا میں تعینات کیے گئے اور پبلک سکیورٹی ایکٹ کے تحت ایمرجنسی نافذ کر دی گئی۔ ایمرجنسی قوانین کے تحت کئی تمل رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ تملوں کے غیر متشدد احتجاج کے ختم ہونے کے بعد بھی ایمرجنسی برقرار رہی۔ حکومت کو ایک فائدہ یہ تھا کہ مسلح افواج کے رضاکار عناصر کو قانونی طور پر متحرک رکھا جا سکتا تھا اور نہ صرف تملوں کی نسلی بدامنی بلکہ ٹریڈ یونین کی قیادت میں ہونے والی ہڑتالوں کے خلاف بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ نومبر 1961 میں کولمبو میں بندرگاہ کے کارکنوں نے ہڑتال کی۔ دیگر صنعتی کارروائیاں بھی ہوئیں اور ٹریڈ یونین رہنماؤں نے جنوری 1962 میں ایک قومی عام ہڑتال کی کال دی۔ مسلح افواج

اور پولیس نے ضروری خدمات کو برقرار رکھنے کے انتظامات کیے۔ بائیں بازو کے رہنماؤں نے اشارہ دیا کہ حکومت فوجی حکمرانی مسلط کرنے والی ہے۔ اضافی میڈیا سنسرشپ متعارف کرائی گئی۔ فوجی سازش کو اُس وقت کی خوفزدہ فضا میں سمجھنا ضروری ہے۔ بغاوت واقعی 27 جنوری 1962 کو منصوبہ بندی کے تحت کی جا رہی تھی۔ یہ سازش چھوٹی مگر منظم تھی اور اس کی وجوہات مختلف تھیں۔ کچھ درمیانے درجے کے پولیس اور فوجی افسران نے مسز بندرانائیک کو حکومت چلانے کے قابل نہیں سمجھا، خاص طور پر ایک ایسے ملک میں جو ان کے مطابق زیادہ بائیں بازو کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا اور جسے ہڑتالوں اور نسلی فسادات سے خطرہ لاحق تھا۔ یہ کئی لحاظ سے ایک "بہت برطانوی" بغاوت ہونی تھی، جس میں 'شریفانہ' رویے کے اصولوں پر زور دیا گیا تھا، حالانکہ اس وقت کا ماڈل 1958 میں پاکستان میں ہونے والی فوجی بغاوت تھا۔ سری لنکن بغاوت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے: سب سے پہلے اسے 'بدھ مت' کی بغاوت کہا گیا کیونکہ "ایک قطرہ خون بھی نہیں بہایا جانا تھا"۔ لیکن اسے زیادہ درست طور پر 'عیسائی' بغاوت کہا جا سکتا ہے کیونکہ آخرکار جن لوگوں پر الزامات لگائے گئے تھے، ان کی اکثریت پروٹسٹنٹ اور کیتھولک تھی، اور وہ سنگھالی، تمل اور برگر کمیونٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ صرف تین سازشی بدھ مت کے ماننے والے تھے۔ فوجی افسران کا عملہ عیسائیوں پر مشتمل تھا جس میں تمل اور برگر اقلیتیں بھی شامل تھیں۔ مسز بندرانائیک نے سنگھالی افسران کو تیزی سے ترقی دی

تھی۔ عیسائی ایلیٹ، جو برطانوی حکومت کے تحت غالب تھی، محسوس کر رہی تھی کہ اس کا مقام کمزور ہو رہا ہے؛ مذہب نسلی تعلقات سے زیادہ سازش میں اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ تاہم، 'کرنلوں کی بغاوت' بھی ایک موزوں وضاحت ہے کیونکہ بہت سے سازشی کرنل یا لیفٹیننٹ کرنل کے رینک یا مساوی عہدے کے تھے۔ تینوں سروس چیف یا پولیس سربراہ اس میں شامل نہیں تھے۔ مذہبی عنصر کو زیادہ اہمیت دینا گمراہ کن ہو گا کیونکہ دیگر عوامل بھی اس میں شامل تھے، جن میں حکومت کے بائیں بازو کے جھکاؤ کے بارے میں تشویش بھی شامل تھی۔ اس بغاوت کا مقصد بے خونریزی، تیز اور درست ہونا تھا۔ اس کا کوڈ نام "آپریشن ہولڈ فاسٹ" رکھا گیا تھا، جس کا منصوبہ یہ تھا کہ کولمبو اور اس کے آس پاس کے اسٹریٹیجک مقامات پر قبضہ کیا جائے، ریڈیو سیلون کی عمارت کو پکڑا جائے (کیونکہ اس وقت ٹیلی ویژن نہیں تھا)، اور سینئر سیاستدانوں، خاص طور پر وزیر اعظم کو گرفتار کیا جائے اور انہیں اقتدار کی 'رضاکارانہ' منتقلی کا اعلان کرنے پر مجبور کیا جائے۔ (بہت سے لحاظ سے، گو کہ چھوٹے پیمانے پر، یہ بغاوت اس کامیاب فوجی-پولیس بغاوت کا پیش خیمہ تھی جو فوری 2012 میں مالدیپ کے جمہوری طور پر منتخب صدر محمد نشید کے خلاف کی گئی تھی۔) آپریشن ہولڈ فاسٹ کا پہلا حصہ ایک فوجی آمریت کا قیام تھا۔ دوسرا مرحلہ 'بالواسطہ جمہوریت' تھا جس میں سابق وزرائے اعظم کی کونسل گورنر جنرل کی مدد سے ملک چلائے گی۔ تیسرا مرحلہ ایک نئے آئین کی بنیاد پر پارلیمانی انتخابات کا انعقاد تھا، جو تمام

نسلوں اور مذاہب کو مساوی حقوق فراہم کرے گا۔ مختصر یہ کہ بغاوت کے کچھ منصوبہ ساز سنگھالی-بدھ متی اشرافیہ کے قیام سے پہلے ہی اسے روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ گرفتار کیے جانے والوں کے ساتھ اچھے سلوک پر خصوصی توجہ دی گئی تھی۔ سازشی اس بات پر فکر مند تھے کہ مسز بندرانائیک اور ان کے بیٹے اور دو 'خوبصورت' بیٹیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ بندرانائیک خاندان کو انگلینڈ میں آرام دہ جلاوطنی میں بھیجا جانا تھا، اور سازشیوں نے حتیٰ کہ سب سے بڑی بیٹی کے آکسفورڈ میں داخلے کے بارے میں بھی سوچ بچار کیا تھا۔ بغاوت کے کچھ پاس ورڈز مزاحیہ فلموں جیسے لگتے تھے (مثال کے طور پر 'ڈوبیگن'، جو برطانوی نوآبادیاتی پولیس کے بانی کے نام سے منسوب تھا)۔ یہ بغاوت ناکام ہو گئی۔ آخری لمحے میں وزیر اعظم نے اتفاقی وجوہات کی بنا پر اپنا سفر نامہ بدل لیا۔ انہیں بغاوت کا شبہ نہیں تھا، لیکن سازشیوں نے سوچا کہ انہیں آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد غلطیوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا جب کچھ سازشیوں نے بغاوت شروع کر دی اور دوسروں نے حکام کو اس کا اعتراف کر لیا۔ 31 افراد کو گرفتار کیا گیا اور دیگر کو چھٹی پر یا جلدی ریٹائرمنٹ پر بھیج دیا گیا۔ عدالتی مقدمہ 'ملکہ بمقابلہ لیانگے' کے عنوان سے چلایا گیا۔ فرد جرم کا ایک حصہ یہ تھا کہ سازشیوں نے 'ملکہ کے خلاف جنگ کرنے کی سازش کی'۔ ڈگلس لیانگے ایک سینئر سرکاری ملازم تھے، لیکن وہ بغاوت کے ماسٹر مائنڈ نہیں تھے۔ اس سازش میں ایک زیادہ نمایاں کردار سابق ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس، سڈنی ڈی زوئسا نے ادا کیا تھا۔

بندرانائیک حکومت کو ڈی زوئسا سے خاص ناپسندیدگی تھی، اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کا نام فرد جرم کی سرخی میں آئے اور یوں اس مقدمے میں برطانوی حکمران کا نام شامل ہو کر انہیں شہرت حاصل ہو۔ سرکاری طور پر، مشتبہ افراد کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا، انہیں وزیر اعظم کے کمپاؤنڈ، ٹیمپل ٹریس، کی دو منزلہ عمارت میں رکھا گیا۔ مسز بندرانائیک کو اچھی کوریج ملی – کہا گیا کہ انہوں نے قیدیوں کی فلاح و بہبود پر خاص توجہ دی، یہاں تک کہ کہا گیا کہ انہوں نے خود بیت الخلاء کی جانچ کی تاکہ سب کچھ درست ہو۔ لیکن حقیقت میں، کچھ مشتبہ افراد کے ساتھ خراب سلوک کیا گیا اور ایک قیدی حراست میں مر گیا۔ چوبیس افراد پر عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور ایک طویل مقدمے کے بعد گیارہ افراد کو مجرم قرار دیا گیا۔ لیکن ڈرامہ اس وقت مزید طول پکڑ گیا جب مقدمہ لندن کی پرائیوی کونسل کو بھیجا گیا۔ تکنیکی وجوہات کی بناء پر گیارہ افراد کی اپیل منظور کر لی گئی اور انہیں بری کر دیا گیا۔

ناکام بغاوت کا ورثہ ایک دیرپا اثرات چھوڑنے والا تھا۔ مسز بندرانائیک کے فوج کے بارے میں شبہات اور اس کی جانب سے سول حکمرانی کے لیے خطرہ ظاہر ہو گئے۔ فوج میں مزید سنگھالی بدھ مت کے ماننے والوں کو تیزی سے ترقی دی گئی، لیکن مسلح افواج کے کردار کو کم کر دیا گیا۔ کچھ یونٹوں کو ضم یا ختم کر دیا گیا، خاص طور پر وہ جو آپریشن ہولڈ فاسٹ کی حمایت کے شبہ میں شامل تھے، بشمول وہ جو حال ہی میں رائل ملٹری اکیڈمی سینڈہرسٹ میں تربیت یافتہ افسران کی قیادت میں تھے۔ فوجی ساز و سامان کے

لیے فنڈنگ کو بہت زیادہ کم کر دیا گیا، خاص طور پر بحریہ میں جو اپنی بلیو واٹر صلاحیت کھو بیٹھی۔ تینوں افواج کے درمیان تعاون، خاص طور پر مشترکہ آپریشنز کی صورت میں، معطل کر دیا گیا۔ فوج اس آنے والی صورتحال کے لیے ناکافی طور پر تیار تھی، جس کا آغاز 1971 کی جناتھا ویمکتی پیرامونا (جے وی پی) کی بغاوت سے ہوا۔ آنے والے وقت میں، تمل بغاوت کے لیے مسلح افواج کو مضبوط کیا جا سکتا تھا، لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا جب ان پر مکمل طور پر سویلین قیادت کا کنٹرول ہوتا۔ 2005/6 کے بعد کے دور کی بہت زیادہ طاقتور مسلح افواج کو متحد تو کیا گیا، لیکن وہ مہندا راجا پاکسا کی انتظامیہ کے تحت انتہائی قریب اور مربوط سول-فوجی قیادت کے تابع تھیں۔ 2009 میں کامیابی کے ایک اہم معمار، جنرل ساراتھ فون سیکا، اور حکومت کے درمیان تعلقات کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب بغاوت کے امکان کا شبہ تھا۔ اپنے استعفے کے خط کے ضمیمے میں، جنرل فون سیکا نے صدر پر فوج کی وفاداری پر شک کرنے اور بغاوت کے بارے میں خدشات رکھنے کا الزام لگایا۔ جنرل فون سیکا سے پہلے، جنہوں نے انتخابات میں صدر راجا پاکسا کو چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا، سینئر دفاعی سربراہان سیاست میں براہ راست مداخلت سے گریز کرتے تھے، اور اس کی ایک وجہ 1962 کی ناکام بغاوت کا ورثہ تھا۔

سیاست معمول کے مطابق

جب 1962 کے بعد فوجی حکومت کا خوف کم ہو گیا تو سویلین سیاست دوبارہ اپنے معمول کے خاندانی چکر میں واپس آ گئی۔ ڈڈلی سینانائیکے 1965 میں دوبارہ اقتدار میں آئے اور اپنے والد کی طرح زرعی ترقی کی کوشش کی۔ پانچ سال بعد مسز بندر نائیکے اسی چکر کے ذریعے دوبارہ اقتدار میں آئیں؛ انہوں نے ملک کا نام سری لنکا رکھنے اور اسے ایک جمہوریہ (دولتِ مشترکہ کے اندر) قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ بدھ مت کو ریاستی مذہب قرار دیا گیا اور سنہالا کو سرکاری زبان مقرر کیا گیا۔ ان کی طرف سے زمینوں کی قومیانے کی پالیسی اور کرپشن کے الزامات نے انہیں انتخابی شکست اور بعد میں پارلیمان سے بے دخلی کا سامنا کروایا۔ تاملوں کی بے چینی بڑھتی گئی، جیسے کہ بائیں بازو کے سنہالیوں میں بھی اضافہ ہوا جو روس اور چین کی حامی مختلف دھڑوں میں منقسم تھے۔ انتہائی بائیں بازو کے گروہوں نے جے وی پی تشکیل دی۔ 1971 میں ایک قومی بغاوت کی کوشش کے دوران 10,000 سے زائد جے وی پی باغیوں، جن میں زیادہ تر نوجوان مرد تھے، کو گرفتار کیا گیا اور کچھ کو قتل یا غائب کر دیا گیا۔ کچھ پولیس اسٹیشن مکمل طور پر باغیوں کے قبضے میں چلے گئے اور ساٹھ سے زائد پولیس اہلکار اور فوجی مارے گئے۔ یہ سرد جنگ کا دور تھا، اس لیے مشرق، مغرب اور غیر وابستہ ممالک مدد کے لیے دوڑے۔ چین نے

جے وی پی کو 'گوا ریسٹ' قرار دے کر اس کی مذمت کی اور کولمبو کو قرضے دیے۔ امریکہ نے اسلحہ فراہم کیا۔ ہندوستانیوں نے مدد کے لیے افرادی قوت اور سامان فراہم کیا۔ تاہم سری لنکا میں خونریزی عالمی میڈیا کی توجہ کا مرکز نہیں بنی کیونکہ اس وقت مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے پر قتل و غارت اور پاک بھارت جنگ کی تیاریوں پر میڈیا کا زیادہ زور تھا۔ حکومت نے جے وی پی کے بائیں بازو کے باغیوں کو جیتنے کی کوشش کی (جن میں بعض تامل اور مسلمان بھی شامل تھے) اور 1972 کے نئے جمہوریہ آئین کے تحت سنہالی نوجوانوں کو قوم پرست بدھ مت کے بیانیے میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ پہلی آئین میں اقلیتوں کے تحفظ کی بہت سی روایات کو چھوڑ دیا گیا۔ (یہ پالیسی کامیاب نہ ہوئی: 1987-89 میں ایک اور زیادہ خونریز جے وی پی بغاوت برپا ہوئی)۔ اس بغاوت نے تامل بغاوت کے لیے ایک نظیر قائم کر دی (اور بعض اوقات تامل انقلابی جے وی پی انقلابیوں کے ساتھ جیلوں میں قید رہے)۔ 1972 کا آئین تاملوں کے لیے ان کی دوسرے درجے کی حیثیت کی تصدیق کے مترادف لگتا تھا۔ تاملوں کے لیے اور بھی بدتر صورتحال یونیورسٹی میں داخلے کے نئے نظام کی وجہ سے ہوئی، جو ان کے خلاف امتیاز برتتا تھا۔ مسز بندر نائیکے نے اپنی داخلی مشکلات میں اضافہ کرتے ہوئے باقی تمام نجی زراعت اور چائے کے باغات کو بھی قومی ملکیت میں لے لیا، جو کہ ملک کی تقریباً واحد کامیاب معاشی شعبے تھے۔ 1977 میں جے آر جے وردھنے نے متحدہ قومی پارٹی کو دوبارہ اقتدار

میں لایا تاکہ اپنی پیش رو کی سخت سوشلسٹ پالیسیوں سے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کیا جا سکے۔ ان کا ماڈل چین نہیں بلکہ سنگاپور تھا۔ جے وردھنے نے زبان کے بحران کو حل کرنے کی بھی کوشش کی۔ تامل اور انگریزی کو 'قومی' زبانوں کا درجہ دیا گیا حالانکہ یہ سنہالی کے مقابلے میں ایک درجہ نیچے تھیں، جو کہ سرکاری زبان تھی۔ انہوں نے اقلیتی جماعتوں کو پارلیمانی نشستیں دینے کے لیے تناسبی نمائندگی کی بھی حمایت کی۔ انہوں نے فرانسیسی طرز کا صدارتی نظام بھی قائم کیا، جو اس صورت میں انتشار کا باعث بن سکتا تھا جب صدر اور وزیر اعظم مختلف (اکثر آپس میں جھگڑنے والی) جماعتوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ جزیرے کی معیشت بہتر ہونے لگی–سیاح اور غیر ملکی سرمایہ کاری کا سلسلہ شروع ہوا۔ خاندانی سیاسی تنازعات اور بدعنوانی کے برسوں کے بعد، ایسا لگ رہا تھا کہ سری لنکا کو کچھ نیا اعتماد حاصل ہو رہا ہے۔ لیکن پھر علیحدگی کی جنگ نے شدت اختیار کر لی۔

باب دوم

ٹائیگرز کا عروج

سری لنکن خانہ جنگی کے اسباب میں کئی پہلو فلسطین بمقابلہ اسرائیل کے تشدد کے دائرے سے مماثلت رکھتے ہیں۔ دو قومیں اور دو قومیتیں، جو مختلف زبانوں، مذاہب اور قدیم تاریخوں سے متاثر تھیں، ایک ہی چھوٹے ٹکڑے کی تقدس یافتہ زمین کے لیے مقابلہ کر رہی تھیں۔ نو آبادیاتی دور میں بہت سے تامل، جو اکثر انگریزی بولنے والے مشن اسکولوں میں تعلیم یافتہ تھے، برطانوی انتظامیہ میں ترقی کرتے رہے۔ اسی وقت بہت سے ہندو تاملوں نے انگریزی اثرات کے خلاف ردعمل کا اظہار کیا اور اپنے اسکول، مندر اور سوسائٹیاں قائم کیں۔ تاملوں نے خود کو زیادہ سے زیادہ ایک الگ اور ممتاز کمیونٹی کے طور پر سمجھنا شروع کر دیا۔ نو آبادیاتی دور میں اور پھر آزادی کے ابتدائی دنوں میں پارلیمانی نمائندگی پر طویل سیاسی بحث نے الگ شناخت کے تصورات کو مضبوط کیا۔ اس کی مزید تقویت اس وقت ہوئی جب سنگھالی اکثریتی علاقوں میں کبھی کبھار تاملوں کے خلاف فسادات ہوئے۔ اس کے علاوہ، ریاست کی حمایت یافتہ آبادکاری سکیموں نے سنگھالیوں کے حق میں علاقائی آبادیاتی توازن کو

تبدیل کر دیا، خاص طور پر مشرقی صوبے میں جسے بہت سے تامل اپنی آبائی سرزمین کا حصہ سمجھتے تھے۔ 1970 کی دہائی میں، تامل زبان کی فلموں، کتابوں اور رسائل کو، جو ہندوستان کی تمل ناڈو ریاست کے ثقافتی مرکز سے آتے تھے، پہلے حوصلہ شکنی کی گئی اور پھر پابندی لگا دی گئی۔ ہندوستان میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے تاملوں کو دی جانے والی غیر ملکی زرمبادلہ کی سہولیات کو بھی محدود کر دیا گیا۔ حکومت نے دلیل دی کہ ان میں سے بہت سے اقدامات معاشی خود انحصاری سے متاثر تھے جو سوشلسٹ ایجنڈے کا حصہ تھا، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ تاملوں کو ایسا لگا کہ انہیں اپنی ثقافتی جڑوں سے کاٹ کر تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگرچہ حکومت کا ماننا تھا کہ اس کی یونیورسٹی اصلاحات کا مقصد جزوی طور پر جغرافیائی طور پر الگ تھلگ سنگھالیوں کی مدد کرنا تھا، لیکن تاملوں نے یہ دلیل دی کہ یہ بھی ان کے خلاف ایک مزید نسل پرستانہ اقدام تھا، خاص طور پر ان کے پسندیدہ تعلیمی شعبوں، جیسے طب اور انجینئرنگ میں۔ تاملوں کو بیوروکریسی سے زیادہ سے زیادہ باہر کر دیا گیا۔ انگریزی میں مڈل کلاس تاملوں کی روانی اب اس وقت فائدہ مند نہیں رہی جب سنگھالا سرکاری زبان بن گئی۔ آبادی کا تقریباً 75 فیصد سنگھالا میں روانی رکھتا تھا، اور باقی 25 فیصد تامل میں ماہر تھے؛ مڈل کلاس کے بہت سے افراد دونوں زبانوں میں اور اکثر انگریزی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شہریت بھی ایک مسئلہ تھا۔ بہت سے نام نہاد 'نئے' یا 'اسٹیٹ' تاملوں کو ان کے وطن واپس بھیج دیا گیا۔ 600,000 افراد میں سے بڑی تعداد

جو واپس بھیجے گئے، رہ گئے، لیکن وہ مؤثر طریقے سے ووٹ دینے، بیرون ملک سفر کرنے یا شہری معاشرت میں سرگرم ہونے سے قاصر تھے۔ (یہ 2003 تک نہیں ہوا تھا کہ 'پہاڑی علاقے' میں مقیم یہ بے ریاست تامل مکمل شہریت حاصل کر سکے۔) ایسی عدم مساوات کا سامنا کرتے ہوئے، وفاقی ماڈل پر علاقائی خود مختاری کا تصور مقبول ہوا۔ فیڈرل پارٹی، جو آل سیلون تامل کانگریس پارٹی سے نکلی تھی، خود مختاری کی حامی تھی۔ کچھ تامل سنگھالیوں کی غالب قومی جماعتوں میں شامل ہو گئے، جب کہ دیگر مکمل طور پر ایک آزاد تامل ریاست کے حق میں جانے لگے۔ انٹن بالا سنگھم، جو ہندو۔کیتھولک والدین کے درمیان پیدا ہوئے تھے، آزادی کے سب سے بڑے نظریہ دان بنے۔ ایک سابق صحافی جو کولمبو میں برطانوی ہائی کمیشن کے لیے مترجم کے طور پر کام کرتے تھے، وہ انگلینڈ منتقل ہو گئے، جہاں ایک بڑی تامل ڈائسپورا موجود تھی۔ انہوں نے پہلے ہزارے کے چولا سلطنت پر مبنی عسکری علیحدگی پسند تحریک کے لیے ایک نیا بانی افسانہ تیار کرنے میں مدد کی؛ چولا ریاست کا نشان شیر تھا۔ تمل یونائیٹڈ لبریشن فرنٹ (TULF) زیادہ شدت پسند تمل گروپوں سے وجود میں آیا۔ اس نے وڈّوکودائی قرارداد کو اپنایا (جس کا نام اس گاؤں کے نام پر رکھا گیا جہاں یہ لوگ ملے تھے) جس میں ایک آزاد تمل ریاست – 'تمل ایلم' کا مطالبہ کیا گیا۔ 1977 کے عام انتخابات میں اس نے شمال اور مشرق میں اٹھارہ نشستیں جیتیں۔ 1983 میں، پارلیمنٹ اور سول سروس میں موجود تملوں کو سری لنکا کی متحدہ

ریاست سے وفاداری کا حلف اٹھانے کی شرط رکھی گئی۔ جو تمل ایک علیحدہ ریاست کی حمایت کر رہے تھے، انہیں مؤثر طریقے سے سرکاری عہدوں سے روک دیا گیا۔ تاہم، فیصلہ اس سے کہیں پہلے ہو چکا تھا جب بہت سے شدت پسند گروہوں نے مسلح جدوجہد کی ضرورت کو فرض کر لیا تھا۔ ابتدائی طور پر تقریباً تیس گروپوں نے انقلابی مقصد کی نمائندگی کا دعویٰ کیا، حالانکہ صرف پانچ — بشمول تمل ایلم لبریشن آرگنائزیشن اور ایلم ریولوشنری آرگنائزیشن آف اسٹوڈنٹس — کسی مؤثر ڈھانچے اور نظریے کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ جلد ہی انہیں یا تو راضی کر کے یا طاقت کے ذریعے ایک غالب آزادی کی تحریک نے نگل لیا: لبریشن ٹائیگرز آف تمل ایلم (LTTE)، جس کی قیادت ویلوپلائی پربھاکرن کر رہے تھے اور جس کی بنیاد 1976 میں رکھی گئی تھی۔ کولمبو حکومت نے تملوں کے کچھ مطالبات کو پورا کرنے کی کوشش کی، خاص طور پر تعلیم میں، لیکن یہ بہت کم اور بہت دیر سے تھا۔ مکمل پیمانے پر جنگ کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ ٹائیگرز شاید اپنے دور کی سب سے زیادہ منظم، مہلک اور مؤثر بغاوت بن گئے۔ ایل ٹی ٹی ای نے 1983 سے 2009 تک چھبیس سال کی جنگ لڑی۔

باب سوم

جنگ کا آغاز

ابتدائی تشدد، خاص طور پر جافنا جزیرہ نما میں، گروہی لڑائیوں سے مشابہ تھا۔ یہ زیادہ تر 1920 کی دہائی کے شکاگو کا ایک استوائی ورژن تھا، بجائے کہ ویتنام کی ٹٹ آفینسو۔ بینک ڈکیتیاں قتل و غارت، ہڑتالوں اور حکومت کی تنصیبات کی تخریب کاری کے لیے فنڈز فراہم کرتی تھیں۔ ٹائیگرز نے معتدل تاملوں کو نشانہ بنایا جو کولمبو حکومت کے ساتھ مذاکرات کی وکالت کرنے پر مذمت کیے گئے تھے۔ پہلا اہم قتل 27 جولائی 1975 کو جافنا کے میئر الفریڈ دورائیئپاہ کا تھا، جسے مبینہ طور پر خود ایل ٹی ٹی ای کے رہنما نے قتل کیا۔ صبح کے وقت، جب میئر ایک مندر کی طرف جا رہا تھا، پربھاکرن نے ایک پرانے زنگ آلود ریوالور سے خود ساختہ گولیوں کا وار کیا۔ ریاست نے اپنے انتقام میں چونتیس سال لگا دیے۔ جب تک کہ ٹائیگر رہنما ملک کا سب سے بدنام آدمی اور ایک جدید دور کا اسکارلٹ پمپرنل نہ بن گیا۔ انہیں 1977 میں ایک تامل ایم پی کے قتل کا بھی ذاتی طور پر ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ ٹائیگرز نے اتنی ہی بے رحمی سے حریف تامل گروہوں کے رہنماؤں کو قتل کیا جتنی کہ سنہالی پولیس اور فوجی اہلکاروں کو۔

1980 کی دہائی کے وسط تک وہ جزیرہ نما میں غالب باغی قوت بن چکے تھے۔ حکومت کی چھوٹی اور نسبتاً غیر تربیت یافتہ مسلح افواج نے یا تو نااہلی کا مظاہرہ کیا یا پھر حد سے زیادہ ظالمانہ ردعمل دیا، اور جلد ہی تاملوں کی نظر میں وہ قابض فوج میں تبدیل ہو گئیں۔ جب دو پولیس والوں کو قتل کیا گیا تو سنہالی پولیس پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے جون 1981 میں مشہور جافنا لائبریری کو آگ لگا دی، جو ایک نہایت خوبصورت عمارت تھی اور اس میں نایاب تامل مخطوطات موجود تھے۔ تاملوں نے اسے ثقافتی نسل کشی کے طور پر دیکھا۔ دو سال بعد سرکاری فوجوں پر اس جزوی طور پر بحال شدہ عمارت اور اس کی نئی جمع شدہ آرکائیوز کو نقصان پہنچانے کا الزام عائد کیا گیا۔ کچھ پولیس تشدد براہِ راست تاملوں کے خلاف نہیں تھا۔ فوج اور پولیس دونوں کا نظم و ضبط اس وقت کہیں بھی اُس معیار کا نہیں تھا جو بعد میں دیکھنے کو ملا۔ مثال کے طور پر، اگر جنوب میں کسی پولیس والے کو قتل کیا جاتا تو اُس کے ساتھی اسے اپنا حق سمجھتے کہ کچھ سنہالیوں کو مار پیٹ کا نشانہ بنائیں اور اس سے بھی زیادہ بدتر اقدامات کریں۔ کبھی کبھار فوج، پولیس اور یہاں تک کہ فضائیہ کے معزز اراکین آپس میں لڑ پڑتے اور کبھی کبھار فوجی ڈائننگ ہالز اور پولیس اسٹیشنوں کو تباہ کر دیتے۔ نظم و ضبط کی ایک کمی کی مثال نام نہاد "راجارتا بغاوت" تھی۔ 18 مئی 1983 کو جافنا میں پولنگ کے دوران ایک سپاہی ہلاک ہوا۔ ایک وقتی یونٹ، جس میں باورچی اور کلرک بھی شامل تھے، مقامی بازار میں ہنگامہ آرائی کی اور مقامی تاملوں پر حملے

کیے۔ بعد میں، چار سارجنٹس کو فوج سے نکالنے کی سزا سنائی گئی اور ساٹھ سے زیادہ فوجیوں نے احتجاجاً فوج چھوڑ دی۔ یونٹ کو دوبارہ تشکیل دیا گیا اور کچھ افسران کو سزا دی گئی۔ شمال میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت کے درمیان مسلح افواج اور پولیس کو زیادہ نظم وضبط کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا، نہ کہ کم۔ تامل ٹی یو ایل ایف پارٹی نے سوگ اور بھوک ہڑتالوں کی کوشش کی، لیکن جنگجو گروپوں میں ناراض نوجوانوں کو گاندھی طرز کے ستیہ گرہ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہڑتالیں کچھ عرصے کے لیے تو مؤثر رہیں، لیکن جلد ہی گوریلا نے مہاتما کی جگہ لے لی۔ جولائی 1983 میں پربھاکرن نے تھیرونیلویلی کے قصبے کے باہر ایک فوجی گشت پر لینڈ مائن سے حملہ کیا۔ فوجی دستہ ایک دن پہلے ہی جافنا پہنچا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای نے دعویٰ کیا کہ یہ حملہ ایک فوجی کیمپ میں تین تامل خواتین پر حملے کا بدلہ تھا، حالانکہ پربھاکرن نے بعد میں اعتراف کیا کہ یہ اس کے قریبی ساتھی چارلس انتھونی کی موت کا بدلہ تھا۔ ایک افسر اور بارہ فوجی ہلاک ہوئے۔ اس کا ردعمل فوری اور شدید تھا۔ جافنا میں بہت سے تاملوں کو ان کے گھروں سے گھسیٹ کر مارا پیٹا گیا؛ چالیس سے زیادہ افراد کو قتل کر دیا گیا۔ فوج نے تسلیم کیا کہ ان کے فوجی "پاگل ہو گئے تھے"۔ کولمبو میں ردعمل اور بھی زیادہ المیہ خیز تھا جب فوج کے تیرہ ہلاک شدہ اہلکاروں کو بوریلا قبرستان میں دفن کرنے کے لیے پہنچایا گیا۔ تدفین کے انتظامات میں تاخیر کے بعد مشتعل ہجوم نے پولیس پر پتھراؤ کیا۔ غصے میں بپھری ہوئی سنہالیوں کی بھیڑوں نے شہر میں ڈنڈے اور

بدترین طور پر ٹائر اور پیٹرول کے ساتھ گھومنا شروع کیا تاکہ سوویٹو طرز کا خوفناک "جلتا ہوا ہار" استعمال کر سکیں جو نسل پرستی مخالف بدامنی میں استعمال ہوتا تھا۔ تاملوں کی دکانیں لوٹی اور جلا دی گئیں۔ بے قصور تاملوں کو ان کے گھروں میں قتل کیا گیا، اگرچہ کبھی کبھار سنہالی پڑوسیوں نے انہیں چھپانے اور بچانے کے لیے غیر معمولی خطرات مول لیے۔ گروہوں نے، جن میں — تامل اور غیر ملکی عینی شاہدین کے مطابق — سیکیورٹی فورسز کے اراکین بھی شامل تھے، شناختی کارڈ چیک کیے اور سڑکوں پر روکنے والوں سے ایسے سنہالی الفاظ ادا کروائے جو مشکل سے بولے جا سکتے تھے۔ جب گھروں کی تلاشی لی گئی تو تاملوں نے دعویٰ کیا کہ حملہ آوروں میں سے کچھ کے پاس ووٹر رجسٹریشن لسٹیں تھیں، جنہیں سرکاری مداخلت کا ثبوت سمجھا گیا۔ حکومت نے مرنے والوں کی تعداد تقریباً 300 بتائی، حالانکہ تاملوں کا دعویٰ تھا کہ یہ تعداد اس سے دس گنا زیادہ تھی۔ ہزاروں افراد زخمی اور ریپ کا شکار ہوئے، اور بے شمار گھر اور دکانیں لوٹی اور جلا دی گئیں۔ یہاں تک کہ جیلوں میں بند تاملوں کو بھی ان کے سنہالی ساتھی قیدیوں نے قتل کر دیا۔ 1983 کے کولمبو حملے، جنہیں تامل "بلیک جولائی" کے نام سے جانتے ہیں، نے خانہ جنگی کو جنم دیا۔ بہت سے تاملوں کے لیے یہ ان کی "کریسٹال ناخٹ" تھی۔ کچھ تامل کسی بھی ذریعے سے شمال کی طرف فرار ہو گئے، کچھ بھارتی جہازوں کے ذریعے بچ کر نکلے، جبکہ دیگر جنوب میں ہی رہے اور سخت کوشش کی کہ معاشرے میں گھل مل جائیں، یہاں

تک کہ پوتو (ہندوؤں کے ماتھے پر لگائی جانے والی چھوٹی سی نشانی) بھی ہٹا دی۔ بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امیر خاندانوں نے بھارت، کینیڈا، انگلینڈ اور آسٹریلیا میں پناہ حاصل کی۔ کچھ نے بڑی دولت کمائی۔ بلیک جولائی کی یادوں نے ان کے وطن سے تعلقات کو شدید کر دیا، اور انہوں نے بے شمار رقم بین الاقوامی مالیاتی نیٹ ورک میں دی، جو ٹائیگرز کی سنگین مہم کو سنبھالی اور مسلم آبادی کے خلاف فنڈ کرنے میں استعمال ہوئی۔ بہت سے پناہ گزینوں کے بھارت میں فرار ہونے سے تمل ناڈو کی ریاستی حکومت اور مرکزی سیاستدانوں میں ہلچل مچ گئی۔ بلیک جولائی اور جافنا لائبریری کی تباہی نے فوجی مداخلت کے لیے زبردست پروپیگنڈا فراہم کیا۔ بھارت نے 1962 میں چین کے ساتھ سرحدی جنگ میں اپنی فوجی طاقت دکھائی تھی، اور 1971 میں پاکستان کے ساتھ جنگ کے بعد بنگلہ دیش کی آزادی کو فروغ دیا تھا۔ بھارت نے مشرقی بنگال کو اس کی مادر ریاست سے الگ کیا تھا؛ کیا ایسا ہی تمل ایلام کے لیے بھی ہو سکتا تھا؟ چونکہ بھارتی فوجی انٹیلی جنس نے سری لنکن تمل علیحدگی پسندوں کو تربیت دی اور اب انہیں ہتھیار فراہم کرنا شروع کر دیے (جبکہ تمل ناڈو میں کسی نقل کی علیحدگی کو روکنے کی کوشش کی)، کولمبو کو خدشہ تھا کہ اس کا اندرونی تنازع جلد ہی علاقائی طاقت کے مداخلت سے بین الاقوامی بن سکتا ہے۔ بھارتیوں نے 1983 کے فسادات کے بعد تین سال تک سری لنکن تمل جنگجوؤں کو تربیت دی۔ تقریباً 5,000 نوجوان ٹائیگرز اور ان کے مقامی حریفوں نے بنیادی تربیت حاصل کی، خاص طور

پر جنگل کی جنگ کے حربوں میں، ساتھ ہی تخریب کاری کی حکمت عملیوں میں بھی۔ جنوبی بھارت سے جافنا جزیرہ نما تک سمگلنگ کے پرانے راستوں سے نسبتاً جدید چھوٹے ہتھیار پہنچائے گئے۔ کچھ تمل پہلے ہی لبنان بھیجے جا چکے تھے تا کہ فلسطینی آزادی تنظیم سے تربیت حاصل کریں۔ زیادہ تر جلد ہی واپس آ گئے، لیکن کچھ نے اسلامی شدت پسندوں کی خودکش حکمت عملی کو اپنایا، جسے جلد ہی سری لنکا میں ڈرامائی انداز میں فروغ دیا گیا۔ سری لنکن مسلح افواج نے نئی بغاوت کے خلاف ردعمل دینے کی کوشش کی، لیکن وہ اس وقت محض ایک رسمی فوج سے زیادہ نہیں تھیں، جزوی طور پر اس وجہ سے کہ سویلین حکومتوں کو 1962 کی ناکام بغاوت کے اعادے کا خوف تھا۔ 11,000 کی تعداد پر مشتمل فوج کو کچھ سخت پولیسنگ اور نرم انسداد بغاوت کا تجربہ تھا، جو کہ پہلی جے وی پی بغاوت کے دوران سامنے آیا تھا اور سنہالی بغاوت کو دبانے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا۔

باب چارم

ایلام جنگ اول (1983–87)

1984/5 سے لے کر 1987 میں بھارتی فوج کی مداخلت تک، نئے تربیت یافتہ تامل باغی زیادہ تر غیر مؤثر ریاستی افواج کا سامنا کر رہے تھے۔ اس دور کو "ایلام جنگ اول" کہا جاتا ہے۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے پر مظالم کے الزامات لگائے گئے۔ ٹائیگرز نے کچھ بڑے واقعات انجام دیے، جیسے کہ 1984 میں کینٹ اور ڈالر فارمز پر سنہالی شہریوں کا قتل عام۔ حکومت پر کمودینی کشتی کے قتل عام کا الزام عائد کیا گیا، جس میں 23 تامل مارے گئے تھے۔ ٹائیگرز نے اپنے اثر ورسوخ کو مضبوط کیا، مقامی مخالفت کو ختم کیا، اور جو کوئی بھی ان کے تامل ایلام کے وژن کی مخالفت کرتا تھا، خواہ وہ تامل ہو یا سنہالی، فوجی ہو یا شہری، اسے قتل کر دیا۔ کولمبو کی حکومت نے ٹائیگرز سے بات کرنے کی کوشش کی، لیکن جنگ جاری رہی۔ حکومتی افواج نے جافنا کے ارد گرد ایل ٹی ٹی ای کے باغیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی، لیکن 1987 تک لڑائی چھوٹے پیمانے کی شورش سے بڑھ کر دونوں طرف سے بڑے آپریشنز کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ مئی-جون 1987 میں حکومت نے "آپریشن لبریشن" کے تحت

جزیرہ نما کو روایتی جنگ کے ذریعے قابو کرنے کی کوشش کی۔ اس آپریشن کی قیادت زیادہ قابل افسران نے کی، جن میں اُس وقت کے میجر گوٹابایا راجاپکسا بھی شامل تھے، جو جنگ کے آخری مراحل میں ایک اہم کردار ادا کرنے والے تھے۔ اس آپریشن میں تقریباً پربھاکرن کو پکڑ لیا گیا تھا، جو ولویٹیترائی میں فوج کے حملے سے بال بال بچا۔ 6 جولائی 1987 کو، رات کے کچھ دیر بعد، دھماکہ خیز مواد سے بھرا ایک ٹرک نیلیڈی گاؤں میں ایک اسکول کے دروازے سے ٹکرا گیا، جو کہ جافنا جزیرہ نما میں ایک عارضی فوجی اڈا تھا۔ ڈرائیور ولی پورم واسنتھن، ایک پرعزم ٹائیگر تھا۔ اس خودکش دھماکے میں 18 فوجی ہلاک اور 21 زخمی ہوئے۔ ٹائیگرز نے باہر سے درجنوں مزید فوجیوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا، اور صبح تک چالیس فوجی مارے جا چکے تھے۔ ٹرک ڈرائیور، جسے زیادہ تر "کیپٹن ملر" کے نام سے جانا جاتا تھا، ایل ٹی ٹی ای کی مشہور خودکش سکواڈ "بلیک ٹائیگرز" کا پہلا رکن تھا۔ فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کے تجربات کو سنجیدگی سے اپنایا جا رہا تھا۔ اکتوبر 1983 میں بیروت میں ایک فلسطینی خودکش حملہ آور نے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر امریکی فوجیوں کو ہلاک کیا تھا۔ اس ٹرک بم حملے کے بعد امریکی فوجیوں نے لبنان سے جلدی سے انخلا کیا۔ تاہم، کیپٹن ملر کے اس حملے کا ایک حکومت پر اتنا اثر نہیں ہو سکتا تھا جو اپنے ہی علاقے میں لڑ رہی تھی۔ حکومتی حملے نے ٹائیگرز کو جنوب کی طرف وانی کے جنگلات میں دھکیل دیا، اور پھر جافنا تک پہنچا، جہاں گوریلے جافنا شہر کے آس پاس کے علاقے

میں محصور تھے۔ کولمبو کو امید تھی کہ وہ ٹائیگرز کو ختم کر دے گا، لیکن بڑے پیمانے پر شہری لڑائی اور تامل شہریوں کی بڑے پیمانے پر ہلاکتوں کے امکان نے بھارت، خاص طور پر تامل ناڈو میں شدید غم و غصہ پیدا کیا۔ راجیو گاندھی کی حکومت نے جون 1987 میں محصور جنگجوؤں کو خوراک اور ادویات فراہم کرنے کے لیے ہوائی مدد بھیجی۔ سری لنکا کی خود مختاری کھلے عام توڑی گئی۔ بھارتی مرکزی حکومت اور تامل ناڈو کی ریاستی حکومت نے سری لنکا کی جنگ میں اکثر متضاد کردار ادا کیے۔ نئی دہلی ہمیشہ علاقائی طاقت بننے کی خواہش رکھتا تھا اور بھارت کے اپنے ممکنہ اور موجودہ باغیوں پر علیحدگی پسند اثرات سے بھی پریشان تھا، جن میں تامل ناڈو بھی شامل تھا، جہاں 60 ملین تامل رہتے تھے۔ اس ریاست میں نسلی رشتہ بھارت کی پالیسی میں اہم کردار ادا کرتا تھا۔ بھارتی خفیہ ایجنسی، ریسرچ اینڈ اینالیسس ونگ (RAW)، ان خطرات کے پیچھے پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی (Inter-Service Intelligence) کو دیکھتی تھی۔ اس سے پہلے، بھارتی انٹیلیجنس کو پاکستان اور چین کے ساتھ جنگوں میں ناکامیوں کے لیے تنقید کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور اس لیے ایک نئی RAW قائم کی گئی تھی تاکہ خارجی انٹیلیجنس کے معاملات کو بہتر طور پر سنبھالا جا سکے۔ سری لنکا میں تامل عنصر کے علاوہ بھی بھارتی انٹیلیجنس کی خاص دلچسپی تھی۔ 1971 میں بنگلہ دیش کی جنگ کے دوران سری لنکا کی جانب سے پاکستان کی مبینہ حمایت نے بھارتی تشویش کو بڑھا دیا تھا۔ پاکستانی بحری جہازوں کو سری لنکا کی

بندر گاہوں پر ایندھن فراہم کیا گیا تھا، حالانکہ نئی دہلی نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ را نے خفیہ طور پر سری لنکا کے مختلف تامل گروہوں کو تربیت دی تھی تاکہ ایلام کی تحریک کو کنٹرول اور تقسیم کے ذریعے قابو کیا جا سکے۔ جافنا میں فضائی امداد ایک بہت ہی کھلی مداخلت تھی۔ سری لنکن فوج کا ارادہ تھا کہ وہ اپنا کام مکمل کرے کیونکہ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ ایل ٹی ٹی ای شکست کے قریب ہے۔ نئی دہلی نے فیصلہ کیا کہ ٹائیگرز کی شکست اس کے مفاد میں نہیں ہے۔ سری لنکا کی بحریہ نے بھارتی شہری جہازوں کو ٹائیگرز تک سامان پہنچانے سے روک دیا تھا، اور اس لیے فضائی امداد (ان-32 کارگو طیاروں کے ذریعے، جن کی حفاظت بھارتی میراج لڑاکا طیارے کر رہے تھے) فوری حل تھا۔ صدر جے وردھنے بہت ہچکچاتے تھے کہ بڑے ہمسایہ ملک کے ساتھ کھلی جنگ میں جائیں۔ فوجی حملہ روک دیا گیا اور مذاکرات شروع ہو گئے۔ جے وردھنے اور راجیو گاندھی نے 29 جولائی 1987 کو انڈو-سری لنکن امن معاہدے پر دستخط کیے۔ گاندھی کولمبو میں اس معاہدے کو طے کرنے کے لیے آئے تھے، حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ بھارت مخالف جذبات بڑھ رہے ہیں۔ گاندھی کو اس وقت جھکنا پڑا جب سری لنکا کی بحریہ کے ایک اہلکار نے ان کے سر پر رائفل کی بٹ سے وار کرنے کی کوشش کی۔ بھارتی بحری بیڑا کولمبو میں بھارتی ہائی کمیشن کے عملے کو نکالنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ نئی دہلی کے دباؤ پر کولمبو نے تاملوں کے مطالبات کے حوالے سے کئی رعایتیں دیں۔ تامل زبان کو سرکاری حیثیت دی گئی اور

کچھ طاقت شمالی اور مشرقی صوبوں کو منتقل کی گئی، جو بعد میں ریفرنڈم کے بعد ضم ہو سکتے تھے۔ بھارتیوں نے وعدہ کیا کہ وہ کسی بھی تامل باغی گروہ کی حمایت نہیں کریں گے اور اپنے ہی فوجیوں کو بھیج کر امن کو یقینی بنائیں گے۔بھارتی امن دستہ (IPKF) عارضی طور پر تامل علاقوں میں امن و امان کے قیام کے لیے بھیجا گیا۔ اعلی سطحی مذاکرات میں تامل جنگجوؤں کو شامل نہیں کیا گیا۔ لہذا ایل ٹی ٹی ای اس معاہدے سے محتاط تھا لیکن ابتدائی طور پر جنگ بندی کے ساتھ چلا۔ کچھ چھوٹے مخالفین نے ہتھیار ڈال دیے، لیکن ایل ٹی ٹی ای نے اپنی طاقت برقرار رکھی۔

باب پنجم

بڑا بھائی مداخلت کرتا ہے: بھارتی 'امن فوج'

اس کے بعد ایک المیہ پیش آیا، جب ایک بغاوت کے ساتھ ساتھ ایک اور بغاوت شروع ہوئی۔ بھارتیوں نے زبردستی تامل ٹائیگرز کو غیر مسلح کرنے کا فیصلہ کیا۔ آئی پی کے ایف اپنی حیثیت پر حد سے زیادہ پراعتماد تھی – ان کی تربیت یافتہ اور بڑی فوج کو چند بکھرے ہوئے جنگجوؤں کو غیر مسلح کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آنی چاہیے تھی، جن میں سے بہت سے وہ پہلے ہی تربیت دے چکے تھے اور ماضی میں ساتھ کام کر چکے تھے۔ یا کم از کم بھارتی قیادت نے ایسا سوچا۔ اس کے برعکس، تامل ٹائیگرز نے غیر معمولی مہارت کے ساتھ مسلح مزاحمت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے نتیجے میں تین سال تک شدید لڑائی جاری رہی۔ بالآخر، بھارتی فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ناکامی کی حالت میں سری لنکا سے واپس لوٹ گئی۔ کچھ سینیئر سری لنکن افسران اس بات پر خاموشی سے مطمئن تھے کہ ان کا بڑا بھائی تامل ٹائیگرز کے ہاتھوں مات کھا رہا ہے، حالانکہ بھارتی فوج کی کارکردگی ان کے انخلا کے قریب کافی بہتر ہو گئی تھی۔ لیکن اس سے زیادہ اہم سبق جو سری لنکن فوجی قیادت نے سیکھا وہ یہ تھا کہ اگر

دوبارہ تامل ٹائیگرز شکست کے قریب ہوں، تو کولمبو غیر ملکی مداخلت کی اجازت نہیں دے گا تاکہ پربھاکرن اور ایل ٹی ٹی ای کی قیادت کو بچایا جاسکے۔ اس دوران، زیادہ تر سنہالی عوامی رائے اس بات پر ناراض تھی کہ وہ اپنے ملک میں غیر ملکی قابض فوجوں کو دیکھ رہی تھی۔ آئی پی کے ایف کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے "معصوم لوگوں کو قتل کرنے والی فوج" کہا گیا۔ یہ حالات جے وی پی کی بحالی کے لیے سازگار ثابت ہوئے۔ صدر جے وردھنے پر ایک ناکام قتل کی کوشش کے بعد، دو سال تک قتل و غارت، بدنظمی اور عام ہڑتالیں جاری رہیں۔ مزید شرمناک بات یہ تھی کہ بغاوت کے آغاز پر بھارتی فضائیہ کو شمال سے سری لنکن فوجیوں کو جنوبی بغاوت سے نمٹنے کے لیے فضائی طور پر منتقل کرنا پڑا۔ آخر کار، جے وی پی کے رہنما، روہاناوِجے ویرا کو کینڈی کے قریب ایک پہاڑی اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا۔ اسے اس وقت پکڑا گیا جب وہ اپنی مشہور داڑھی مونڈنے کی کوشش کر رہا تھا، اور وہ اپنے خاندان کے ساتھ ایک چائے کے باغبان کے بھیس میں رہ رہا تھا۔ نومبر 1989 میں اسے کولمبو لے جایا گیا اور پوچھ گچھ کے بعد اسے فلم پر اپنے پیروکاروں کو لڑائی روکنے کا حکم دینے پر 'قائل' کیا گیا۔ کچھ ہی عرصے بعد، اسے کولمبو گالف کلب کے میدان میں ’فرار کی کوشش‘ کے دوران گولی مار دی گئی۔ اسے ایک فوجی سارجنٹ نے مارا، جو چی گویرا کی زندگی سے متاثر ہونے والے شخص کے لیے ایک دلچسپ انجام تھا۔ 1990 کے اوائل تک، جے وی پی کی قیادت اور رکنیت کو کچل دیا گیا–شاید 7,000 جے وی

پی ارکان کو 'ختم' کر دیا گیا۔ اس دوران مقامی جھگڑوں نے اس افراتفری کا فائدہ اٹھایا۔ لوگوں کو جلا کر مارنا اور ان کے سروں کو نیزوں پر لگا کر دکھانا عام بات تھی۔ کولمبو کو غیر قانونی طریقوں کے استعمال پر وسیع پیمانے پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا، حالانکہ بیک وقت جاری جنگوں، مختلف وردی پوش جنگجوؤں اور شہری ملیشیا کی موجودگی کے باعث حقیقت اکثر جان بوجھ کر یا غیر ارادی طور پر دھندلا دی جاتی تھی۔

شمال میں، بھارتی فوج کو میدان جنگ میں بھی اور بین الاقوامی رائے عامہ میں بھی تنقید کا سامنا کرنا پڑا، جہاں بھارتی فوجیوں پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا الزام لگایا گیا۔ ان بتیس مہینوں میں جو جنگ بندی نہیں بلکہ حقیقی جنگ کی حیثیت رکھتے تھے، تقریباً 1,200 بھارتی فوجی اور شاید 5,000 سری لنکن مارے گئے، حالانکہ سری لنکن ہلاکتوں کی تعداد کے تخمینے مختلف ہیں۔ کولمبو حکومت بھارتیوں کو ملک سے نکالنا چاہتی تھی، خاص طور پر جب جنوبی سنہالی بغاوت پر قابو پا لیا گیا تھا۔ کولمبو پر یہاں تک الزام لگایا گیا کہ وہ اپنے پرانے دشمن، تامل ٹائیگرز کو ہتھیار فراہم کر رہی ہے تاکہ بھارتی فوج کو جلدی نکالا جا سکے، جو کہ سچ تھا۔ راجیو گاندھی نے انکار کیا، لیکن دسمبر 1989 کے انتخابات میں ان کی شکست کے بعد نئی حکومت نے اپنی فوجوں کو واپس بلانے کا حکم دیا۔ آخری بھارتی فوجی 24 مارچ 1990 کو سری لنکا سے روانہ ہوا۔ یہ مداخلت ایک بڑی طاقت کے لیے انتہائی ذلت آمیز ثابت ہوئی، جس کے پاس دنیا کی سب سے بڑی افواج میں سے ایک تھی۔ یہ محض امن قائم کرنے کی کارروائی

نہیں تھی، بلکہ طاقت کا مظاہرہ کرنے کی ایک کوشش تھی، جو کہ بیرون ملک پہلی بڑی فوجی مہم تھی۔ بھارت کولمبو سے صرف مقامی تاملوں کے سلوک پر ہی نہیں بلکہ بہت سے دیگر مسائل پر بھی ناراض تھا۔ پاکستان، جو کہ ہمیشہ کا دشمن تھا، سری لنکن معاملات میں بہت زیادہ سرگرم رہا تھا، خصوصاً ہتھیاروں اور تربیت کے حوالے سے۔ اور نئی دہلی، جو اُس وقت واشنگٹن سے اختلافات رکھتا تھا، اس بات سے بھی پریشان تھا کہ امریکی بحریہ ٹرنکومالی پر نظر ڈال سکتی ہے۔ بھارت کے لیے ضروری تھا کہ کولمبو کو یہ باور کرایا جائے کہ یہاں کون طاقتور ہے؛ یہی اس مداخلت کا بنیادی سیاسی پیغام تھا۔ اپنی فوجی شکست کے بعد، بھارتی افسران نے 'حاصل کیے گئے سبق' پر غور کیا، جو کہ فوجی اصطلاح میں عام طور پر استعمال ہونے والا ایک فرسودہ جملہ ہے۔ ان کا فیصلہ بے حد صاف گوئی پر مبنی تھا: "ایک غیر ضروری طور پر پیچیدہ اور ناقص طور پر انجام دی گئی مہم۔" کہا جاتا ہے کہ شوقیہ لوگ جنگی حکمت عملیوں پر بات کرتے ہیں، جبکہ پیشہ ور لوگ رسد کے معاملات پر۔ بھارتی آپریشن پاون، جو کہ اس مداخلت کا سرکاری نام تھا، میں ہر جگہ خراب منصوبہ بندی اور ناکافی مدد شامل تھی۔ سیاستدانوں نے اپنی فوجی افواج کو موردِ الزام ٹھہرایا، جبکہ فوجی قیادت آپس میں جھگڑتی رہی اور پھر ناقص انٹیلی جنس کو الزام دیا۔ ہر سطح پر، چاہے وہ سیاسی قیادت کی حکمتِ عملی کی ناکامی ہو یا پیدل فوج کی گشت کے دوران نااہلی، بھارتی فوجی ماہرین نے باقاعدگی سے نارمن ڈکسن کی مشہور کتاب "فوجی ناکامی کی نفسیات" کا

حوالہ دینا شروع کر دیا۔ بھارتی سیاسی قیادت نے ایک واضح مقصد اور انخلا کی حکمت عملی فراہم نہیں کی، جو کہ کلازووٹز کا ایک کلاسک اصول ہے۔ شروع میں یہ خیال تھا کہ بھارتی افواج کو سری لنکن فوج سے لڑنا پڑے گا، پھر یہ معاملہ تاملوں کو غیر مسلح کرنے اور ان کی فوج بندی کو کنٹرول کرنے کا بن گیا۔ لیکن سب کچھ بہت بُری طرح ناکام ہو گیا۔ دو سینیئر بھارتی افسران نے نوٹ کیا: "آئی پی کے ایف کو سری لنکا کا نجات دہندہ ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ اُس کے بدلے میں ان لوگوں کی نفرت کا شکار ہو گئی جنہیں بچانے کے لیے آئی تھی۔ نفرت اور مذمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے خود بھی بہت نقصان اٹھایا۔ ایک اجنبی سرزمین میں شدید مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے، ایک ایسے دشمن سے لڑا جو عوام کی مکمل حمایت یافتہ تھا، اور ایسی جنگ لڑی جو اس کی اپنی نہیں تھی۔ اس نے ہزاروں لوگوں کو مارا، ہزاروں کا نقصان اٹھایا، اور واپس گھر اس طرح آیا کہ اس پر ایک سیاہ بادل چھایا ہوا تھا، جو دنیا کی چوتھی سب سے بڑی فوج پر ایک مستقل سایہ ڈال گیا۔ بالکل غیر تیار اور ناقص سازوسامان کے ساتھ، یہی تھا آئی پی کے ایف۔" کچھ بھارتی ناقدین نے اسے بھارت کا 'ویتنام' قرار دیا، حالانکہ یہ موازنہ زیادہ گہرے تجزیے کا سامنا نہیں کر سکتا۔ خصوصاً اس لیے کہ دونوں ممالک کے درمیان صرف پینتیس کلومیٹر کا فاصلہ تھا، اور بھارتی امن فوجیوں میں بہت سے تامل شامل تھے، جو زبان اور ثقافت کو سمجھتے تھے۔ بھارت کے پاس طاقت اور جنگی صلاحیتوں کے لحاظ سے زبردست برتری تھی، لیکن یہ مہم

ابتدا سے ہی ناکام تھی۔ کچھ بہترین تربیت یافتہ انسدادِ بغاوت کے دستے بھارت-پاکستان سرحد پر تعینات تھے، جو نئی دہلی کی اولین ترجیح تھی۔ وہ یونٹس جو سری لنکا بھیجے گئے، وہ ناکافی اور غیر تربیت یافتہ تھے۔ جب بالآخر بھارتیوں کے پاس گولیاں تو کافی ہو گئیں، لیکن ان کی بندوقیں ناکافی ثابت ہوئیں۔ بھارتی فوج نے اپنی جنگ کے دوران چین کے ساتھ 1962 کی شکست کے بعد ایس ایل آر (سیلف لوڈنگ رائفل) متعارف کرائی تھی۔ یہ کھلی پہاڑی علاقوں میں شاید مفید ہو سکتی تھی، لیکن شہری اور جنگل کی تنگ جگہوں پر چھوٹی اور ہلکی خودکار اے کے-47 اور امریکی ایم-16 بندوقیں زیادہ موزوں تھیں۔ ہلکی اور چھوٹی گولیوں کا مطلب تھا کہ گوریلا فوج زیادہ گولیاں ساتھ لے جا سکتی تھی۔ مختصر یہ کہ بھارتی فوجیوں کے مقابلے میں تامل ٹائیگرز زیادہ فائرنگ کر سکتے تھے۔ بھارتی فوج کا سازوسامان پرانا تھا—دوسری عالمی جنگ سے پہلے کے برطانوی ڈیزائن پر مبنی تھا، اور ان کے بڑے فوجی بستے 1914 سے پہلے کے ڈیزائن کے تھے۔ کچھ بھارتی افسران اکثر کہا کرتے تھے کہ وہ برطانوی فوج سے زیادہ برطانوی ہیں، لیکن یہ فوجی ورثے کو بہت زیادہ سنجیدگی سے لینا تھا۔ بھارتی جرنیلوں نے اپنی ہی فوج پر شدید تنقید کی کہ ان کے جوانوں میں فائر ڈسپلن کی کمی تھی، فائر اور حرکت کی حکمت عملی ناقص تھی، کمپنی سطح (اور اس سے نیچے) پر پہل کرنے کی صلاحیت کا فقدان تھا، اور وہ بارودی سرنگوں سے بچنے کے لیے سڑکوں پر چلنے کی عادت میں مبتلا تھے، اور بڑے گروہوں کی شکل میں اعصابی حالت

میں گشت کرتے تھے، حالانکہ انہیں چھوٹے تین سے پانچ آدمیوں کے گروہوں میں پھیلنا چاہیے تھا۔ یہاں تک کہ جب بھارتی فوج کو میدان جنگ میں کوئی حکمت عملی کی برتری حاصل ہوتی، تو ان کی نشانہ بازی عام طور پر خراب ہوتی۔ ان کی جنگی مہارت، جو ٹائیگرز کے مقابلے میں تھی، جو اپنے علاقے کا اچھی طرح دفاع کر رہے تھے، خطرناک حد تک ناقص تھی۔ ان کے جوابی گھات لگانے کی مہارت اکثر موجود ہی نہیں ہوتی تھی۔ بھارتی فوج کے مواصلاتی نظام ناکافی تھے، خاص طور پر جب ان کا موازنہ ان کے مخالفین سے کیا جاتا تھا۔ کمزوریوں کی فہرست اتنی طویل تھی کہ اس کتاب کے ایک پورے باب کو بھر سکتی تھی۔ خوش قسمتی سے بھارتی فوجیوں کی تعداد شروع میں 80,000 سے زیادہ تھی، جو بعد میں دگنی ہو گئی، اور انہیں فضائی برتری بھی حاصل تھی۔ اس معاملے میں، یہ ویتنام کے ساتھ موازنہ صحیح ثابت ہوتا تھا۔ بھارتی حکمت عملی بنانے والوں نے اس مہم کا موازنہ برطانوی فوج کی فالکنڈ جزائر تک کامیاب مہم سے کیا، جو '13,000 کلومیٹر دور سرد اور دشمن سمندر کے پار، تین ہفتے کا یک طرفہ سفر' تھا، جبکہ بھارت کو محض 35 کلومیٹر سمندر عبور کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ بھارتی میڈیا کو بھی مورد الزام ٹھہرایا گیا، خاص طور پر ان خبروں کے لیے جن میں یہ الزام لگایا گیا تھا کہ تامل فوجی تامل ٹائیگرز کے ساتھ نرم رویہ رکھتے ہیں، اور تامل ناڈو کی پولیس زخمی ٹائیگرز کو بھارتی ہسپتالوں تک پہنچانے میں مدد کرتی ہے، تاکہ وہ واپس آ کر بھارتی فوج سے دوبارہ لڑ سکیں۔ فوج نے اپنے قائدین پر بھی الزام لگایا کہ

بھارتیوں نے نئی دہلی میں ایک مؤثر اور متحد جنگی کونسل نہیں بنائی، اور تینوں مسلح افواج نے سری لنکا میں ایک مؤثر مشترکہ آپریشنل کمانڈ قائم کرنے کے بجائے اپنے اپنے دائرے میں جھگڑتے رہے۔ کولمبو کی فوجی قیادت نے بھارتی غلطیوں، خاص طور پر کمانڈ کی کمی کا بڑی احتیاط سے نوٹ لیا۔ سری لنکن فوج نے اپنی اگلی جنگ کی منصوبہ بندی شروع کر دی، کیونکہ اب تامل ٹائیگرز زیادہ مضبوط ہو چکے تھے۔ تامل باغیوں کا خیال تھا کہ انہوں نے ایک سپر پاور کو شکست دی ہے، اور انہیں لگا کہ سری لنکا کی کمزور فوج کو شکست دینا اب آسان ہو گا۔ تامل ایلام کا خواب اب اور قریب نظر آنے لگا۔ بھارتی فوج نے بھی ناکامی کا سارا ملبہ انٹیلی جنس ادارے، خاص طور پر را (RAW)، پر ڈالنے کا انتخاب کیا۔ جیسے کہ اکثر ناکام مہمات میں ہوتا ہے، فوج نے ناقص انٹیلی جنس کو موردِ الزام ٹھہرایا، اور انٹیلی جنس افسران نے فوج پر الزام لگایا کہ وہ ان کی بات صحیح طریقے سے نہیں سنتے۔ اس خراب تعلق کا ایک تباہ کن مظہر آپریشن پاون کے ابتدائی مراحل میں یونیورسٹی آف جافنا کے کیمپس میں ٹائیگر ہیڈ کوارٹر پر ہونے والا ہیلی بورن حملہ تھا۔ را (RAW) کا کہنا تھا کہ فوج نے ان سے مشورہ کیے بغیر ہی کارروائی شروع کر دی تھی۔ بھارتی پیراٹروپرز ٹائیگرز کے ماہر نشانہ بازوں کے لیے آسان ہدف بن گئے۔ ایک سال بعد، را (RAW) نے اپنی تباہ شدہ ساکھ کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ نومبر 1988 میں، تامل ایلام کی پیپلز لبریشن آرگنائزیشن (PLOTE) کے تقریباً 200 ارکان نے مالدیپ پر ایک عجیب

بغاوت کی کوشش کی۔ مالدیپ کی حکومت ایک طویل عرصے سے ایشیا کے ایک مستحکم آمر عبد القیوم کے ہاتھ میں تھی، لیکن باہر کی دنیا ان کی جابرانہ حکمرانی میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ مالدیپ میں ہنی مون منانے والے سیاح ملک کے سیاسی حالات کے بجائے ایک دوسرے کو دریافت کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ قیوم نے بھارت سے مدد کی درخواست کی۔ اس بار بھارتی فوج نے 2,000 کلومیٹر کے فاصلے پر فضائی کارروائی کی۔ بھارتی پیراٹروپرز نے چند گھنٹوں میں قیوم کی آمریت کو بحال کر دیا۔ تیز رفتاری، درستگی اور صحیح انٹیلی جنس نے یہاں تمام فرق پیدا کیا۔ را (RAW) مالدیپ میں اپنی معمولی کامیابی پر زیادہ دیر تک فخر نہیں کر سکتا تھا۔ بھارتی انٹیلی جنس افسران نے شاید سوچا ہوگا، "سری لنکا کی ناکامی سے بدتر اور کیا ہو سکتا ہے؟" اس کا جواب 21 مئی 1991 کو رات 10:20 بجے ملا۔ راجیو گاندھی تمل ناڈو میں انتخابی مہم چلا رہے تھے، شاید یہ محسوس کرتے ہوئے کہ انہوں نے تملوں کے لیے اپنا کردار ادا کر دیا ہے۔ وہ دوبارہ انتخابات کے لیے اپنی مہم کے جنوبی مرحلے پر تھے۔ وہ چنئی سے تقریباً بیس کلومیٹر دور سری پیرمبدور کے قصبے میں پارٹی کے وفادار کارکنوں سے ایک کھلی فضا میں ملاقات کرنے گئے تھے۔ پولیس نے احتیاط سے پارٹی کارکنوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں کی جانچ پڑتال کی تھی جو بھارتی رہنما کے قریب جانے کی اجازت رکھتے تھے۔ دو پولیس والوں کے پاس دھات کی جانچ کے آلات تھے، لیکن خواتین افسران، جنہیں خواتین کی تلاشی لینی تھی، کے پاس نہیں تھے۔

انہوں نے اس خاتون کو نظر انداز کر دیا جو بال بیر نگز سے بھری خود کش جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ ایک عینک والی نوجوان عورت، جو سبز اور نارنجی شلوار قمیض میں ملبوس تھی، سرکاری مہمانوں کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھنے لگی تاکہ راجیو گاندھی کو سلام کر سکے، ان کی پارٹی کی ایک خاتون منتظم نے اسے پیچھے دھکیل دیا، لیکن گاندھی نے اسے اشارہ کیا کہ وہ آگے آئے۔ عینک والی تمل عورت کو کانگریس پارٹی کے ارکان نے گاندھی کے قریب آنے دیا۔ اس نے ان کے گلے میں چن کی مالا ڈالی اور پھر جھک کر ان کے پاؤں چھونے کا اشارہ کیا؛ بھارت میں یہ عام رواج ہے کہ نوجوان اپنے بزرگوں کے پاؤں چھوتے ہیں تاکہ احترام کا اظہار کر سکیں۔ کرشماتی رہنما، جس کے کندھے زرد گیندے کے پھولوں اور چنٔن کی مالا سے سجے تھے، اس چھوٹی عورت کے اشارے کو تسلیم کرنے کے لیے رکا، جو اس کے قدموں میں جھکی ہوئی تھی۔ ابھی وہ گاندھی کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی کہ اس نے خود کش جیکٹ کا دھماکہ کر دیا، جس سے بھارتی رہنما اور سولہ دیگر افراد ہلاک ہو گئے، اور اس کا اپنا سر بھی اڑ گیا۔ آگ اور دھوئیں کے درمیان بچ جانے والے پولیس اہلکاروں نے اس کی لاش تلاش کرنے کی کوشش کی، جو اس کے منفرد لوٹو جوتوں سے پہچانی گئی۔ قاتلہ کا نام دھانو تھا، جو تمل ٹائیگرز میں اس کا جنگی نام تھا۔ ان کے رہنما، پربھاکرن، نے ذاتی طور پر گاندھی کو اپنے ساتھ دھوکہ دہی کا مرتکب سمجھا تھا۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے رہنما کا قتل تمل ٹائیگرز کی رسائی کا واضح

ثبوت تھا۔ یہ "پروپیگنڈہ آف دی ڈیڈ" کی ایک ڈرامائی مثال تھی، ایک اصطلاح جو مغرب میں آئرش ریپبلکن آرمی (IRA) اور مشرق وسطیٰ میں اسلامی انتہا پسندوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ بھارت کی پہلے کی فوجی حمایت نے تمل ٹائیگرز کی صورت میں ایک ایسا "فرینکنسٹائن" جنم دیا تھا، جو اب نئی دہلی کے مفادات کے لیے ایک مسئلہ بن چکا تھا۔ سری لنکا میں "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی کا مقصد اپنے ہی سیاسی رہنما کی موت کا سبب بننا نہیں تھا۔ را (RAW) کو ایک بار پھر ناکامی پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا، خاص طور پر انٹیلی جنس کی کمی کے باعث۔ لیکن یہ تمل ٹائیگرز کی قیادت کے لیے بھی ایک ڈرامائی خود ساختہ نقصان ثابت ہوا۔ جزوی طور پر راجیو گاندھی کے قتل کے نتیجے میں، ایل ٹی ٹی ای کو 1997 میں امریکہ اور 2001 میں برطانیہ میں دہشت گرد تنظیم قرار دے دیا گیا، جس کی وجہ سے ان ممالک میں ٹائیگرز کے لیے فنڈ ریزنگ غیر قانونی ہو گئی۔ اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ بھارت نے بعد میں کولمبو پر اپنی سیاسی گرفت ڈھیلی کر دی۔ بھارتی فوجیوں کے انخلا کے بعد، ٹائیگرز نے ان علاقوں میں قدم جما لیے اور اپنی انتظامی ڈھانچے قائم کر لیے۔ ایک عارضی جنگ بندی قائم رہی تاکہ سیاست کو موقع دیا جا سکے۔ تمل ٹائیگرز، جو بھارتیوں کو شکست دینے پر فخر محسوس کر رہے تھے- جسے پربھاکرن نے "شیطانی قوت" قرار دیا تھا- ایک نئی خود اعتمادی سے بھرپور تھے۔ بچ جانے والے چند مخالف تمل عسکریت پسند گروپوں کو بھی ختم یا ضم کر دیا گیا۔ اب صرف ٹائیگرز کو ہی تمل

ایلام کے لیے جدوجہد کی اجازت تھی۔ حکومت کی افواج نے جے وی پی بغاوت کی بچی کچھی چنگاریوں کو بجھادیا تھا۔ دونوں فریق دوبارہ جنگ کے لیے تیار تھے جب حکومت نے جافنا پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے ایک حملہ شروع کیا۔ اس تصادم کے دوسرے مرحلے، جسے ایلام جنگ دوم کہا جاتا ہے، کو بے مثال بربریت سے نشان زد کیا جانا تھا۔

باب ششم

ایلام جنگ دوم (1990–1995)

1990 میں ٹائیگرز نے محسوس کیا کہ انہوں نے بھارت، جو کہ ایک علاقائی سپر پاور ہے، کو شکست دے دی ہے، اور یہ ستم ظریفی ہے کہ انہوں نے یہ کامیابی کمزور کولمبو حکومت کی مدد سے حاصل کی۔ باغیوں کا حوصلہ شاید روسیوں کی شکست کے بعد افغان جہادیوں کی طرح تھا، جو 1989 میں افغانستان سے نکل گئے تھے۔ القاعدہ نے یہ یقین کر لیا تھا کہ ایک اور سپر پاور، یعنی امریکہ، کو بھی شکست دی جا سکتی ہے۔ یقیناً 1990 میں بہت زیادہ مضبوط ایل ٹی ٹی ای خود کو سری لنکن فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار محسوس کر رہا تھا۔ پربھاکرن نے لڑائی کے دوسرے مرحلے میں اندرون اور بیرون ملک، زمین اور سمندر دونوں محاذوں پر کافی کامیابیاں حاصل کیں۔ ایل ٹی ٹی ای نے مسلمانوں اور سنہالیوں کو نسلی صفایا کا نشانہ بنایا اور کئی فوجی چوکیوں اور پولیس کیمپوں کو الگ تھلگ کر کے شکست دی۔ سی ٹائیگرز نے کھلے عام بحریہ کا مقابلہ کرنا شروع کیا اور کبھی کبھار ان پر برتری حاصل کر لی۔ 11 جون 1990 کو بٹیکلو میں جنگی کارروائیاں دوبارہ شروع ہوئیں جب ایک مسلمان نوجوان، جو ایل ٹی ٹی ای کا

حامی بھی تھا، کو پولیس نے ایک سنہالی شخص کے ساتھ جھگڑے پر گرفتار کیا۔ بٹیکلو پولیس اسٹیشن کو ایل ٹی ٹی ای کے ارکان نے گھیر لیا۔ علاقے کے دیگر پولیس کیمپوں اور اسٹیشنوں کو بھی محاصرے میں لے لیا گیا۔ جلد ہی فوجی کیمپوں پر بھی اسی طرح حملے کیے گئے۔ جب پولیس اسٹیشنز ایل ٹی ٹی ای کے قبضے میں آ گئے، تو پولیس افسران کو قیدی بنایا گیا اور بعد میں ان میں سے بہت سے افسران کو بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ 600 سے زیادہ پولیس اہلکاروں کو قتل کر دیا گیا۔ پھر شمالی پولیس اسٹیشنز کو بھی ایل ٹی ٹی ای نے قبضے میں لے لیا، جن میں جافنا بھی شامل تھا۔ بٹیکلو کے علاقے میں پولیس اہلکاروں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایل ٹی ٹی ای کا مقابلہ کرنے سے گریز کریں۔ کچھ پولیس افسران لڑنا چاہتے تھے، لیکن پریماداسا حکومت ایک اور بڑی خانہ جنگی سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی، حالانکہ اس کو یقین نہیں تھا کہ باغی اتنی بڑی تعداد میں ہتھیار ڈالنے والے پولیس اہلکاروں کو قتل کر دیں گے۔ کلمونائی ڈویژن میں 324 افسران، جن کی قیادت ایکٹنگ سپرنٹنڈنٹ ایون بوتھیجو کر رہے تھے، ایل ٹی ٹی ای کے بے شمار جنگجوؤں کے محاصرے میں آ گئے۔ اس نے مدد کے لیے درخواست کی۔ ایک سینئر پولیس افسر کو صدر پریماداسا کے مخصوص احکامات کے ساتھ بھیجا گیا کہ وہ اپنے ہتھیار ڈال دیں۔ ہتھیار ڈالنے والے کسی بھی پولیس اہلکار کا بعد میں کوئی سراغ نہیں ملا، حالانکہ بعد میں تمل ذرائع نے اشارہ دیا کہ ان کو زمین پر لیٹنے کا حکم دیا گیا، ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، اور پھر انہیں مشین گن سے مارا گیا۔ ان کی لاشوں

کو اکٹھا کیا گیا، پیٹرول میں بھگویا گیا اور جلا دیا گیا۔ ان کی جلی ہوئی باقیات کو خفیہ طور پر دفن کر دیا گیا۔ پولیس اہلکاروں کا یہ قتل عام پوری جنگ کا ایک بدترین ظلم تھا۔ تعجب کی بات نہیں کہ پولیس کا حوصلہ پست ہو گیا، لیکن جلد ہی فوج کا حوصلہ بھی گرنے لگا۔ کلینوچی میں بڑے فوجی اڈے پر 14 جون 1990 کو حملہ ہوا، اور فوج نے شمال کے کئی دیگر کیمپوں کو چھوڑ دیا۔ بٹیکلو سے بیس کلومیٹر جنوب میں واقع کالوانچکڈی فوجی اڈے کا محاصرہ کیا گیا۔ اسے کچھ پولیس اہلکاروں نے قریبی پولیس اسٹیشن سے آ کر مدد فراہم کی۔ 61 فوجی اور پولیس اہلکاروں نے 300 ایل ٹی ٹی ای جنگجوؤں کے خلاف چار دن تک مقابلہ کیا، یہاں تک کہ فوج کی ریپڈ ڈپلائمنٹ فورس انہیں بچانے میں کامیاب ہوئی۔ ایک اور کیمپ، کوکاویل، جسے بھارتی امن فوجیوں نے خالی کر دیا تھا، کو تھرڈ 3 سنہا (رضاکار) بٹالین کے 48 فوجیوں نے سنبھالا ہوا تھا۔ جب ان کے پاس خوراک اور پانی ختم ہو گیا، اور ان کے زیادہ تر آدمی زخمی ہو گئے، تو انچارج لیفٹیننٹ کو پیدل پیچھے ہٹنے کا حکم دیا گیا۔ ہیلی کاپٹر کے ذریعے سپلائی ممکن نہیں تھی کیونکہ چاروں طرف سے گھیراؤ کیا ہوا تھا۔ نوجوان کمانڈنگ افسر نے انکار کر دیا، کہا کہ اس کے زخمی آدمی اس حالت میں نہیں ہیں کہ وہ نکل سکیں۔ ایک ماہ کے بعد، جب کہ کچھ سپلائیز فضاء سے گرائی گئیں، ایل ٹی ٹی ای نے اپنے بکتر بند بلڈوزروں کے ساتھ حتمی حملہ کیا؛ صرف ایک باورچی اور دو سپاہی زندہ بچ سکے۔ شمال میں زیادہ تر کیمپوں کو رضاکار فورسز چلا رہی تھیں اور پھر وہ بھی کم تعداد میں کیونکہ

باقاعدہ فوج کو جے وی پی بغاوت کی وجہ سے جنوب میں مصروف رکھا گیا تھا۔ ایک بڑے محاصرے کی قیادت ایک ہیڈ ماسٹر کر رہا تھا جو اصل میں ایک عام شہری تھا۔ شمال اور مشرق میں ایسے واقعات عام تھے، جن میں زیادہ تر ایل ٹی ٹی ای کامیاب رہا۔ کشتیوں نے تین کلومیٹر طویل جھیل عبور کی۔ ایک طرف کی قیادت کرنل گوٹابایا راجا پاکسا نے کی جبکہ دوسری طرف کی قیادت سارتھ فونیسکا نے کی، جو بعد میں آرمی کمانڈر بنے۔ جانی نقصان بہت زیادہ ہوا— صرف راجا پاکسا کی بٹالین سے نوے سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ فونیسکا کی یونٹ میں بھی تقریباً اتنے ہی افراد مارے گئے۔ امدادی فوجیوں نے قلعے میں داخل ہونے میں کامیابی حاصل کی، لیکن دوسرے مقاصد، جیسے کہ جافنا کا قبضہ، حاصل نہ ہو سکے۔ اکتوبر 1990 میں قلعہ خالی کر دیا گیا لیکن دو جزیرے کی چھاؤنیاں برقرار رکھی گئیں۔ مانکولم کیمپ بھی خطرے میں تھا۔ یہ وانی کے مرکز میں واقع تھا اور اسٹریٹجک ایلیفینٹ پاس کیمپ اٹھائیس کلومیٹر شمال میں تھا۔ مانکولم، جہاں 200 آدمی تھے، فضائی سپلائی پر انحصار کرتا تھا۔ ہیلی کاپٹرز کو شدید فائرنگ کے درمیان بھیجا گیا تاکہ کچھ فوجیوں کی لاشوں کو نکالا جا سکے، جو اکثر حالتِ سڑن میں ہوتی تھیں۔ لاشوں کی نکاسی اور تدفین کو فوج کے حوصلے کو برقرار رکھنے کے لیے اہم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ہیلی کاپٹرز کے کھلے دروازوں پر روٹر بلیڈز کی قوت سے، بعض اوقات لاشوں (جو باڈی بیگ میں نہیں تھیں) کا کچھ گوشت اتر کر ہیلی کاپٹر کے ونڈ سکرین پر آ گرتا۔ جب لاشوں کو اتارا جاتا تو ان کی حالت فضائی عملے کے

حوصلے پر برا اثر ڈالتی۔ مانکولم کے فوجیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ پیدل جنوب کی طرف واک کر کے واونیہ میں واقع بیس تک پہنچیں، جو تیس کلومیٹر دور تھا۔ 200 رکنی گارڈ سے تقریباً 150 افراد شدید بارشوں اور جنگل کو عبور کرتے ہوئے بیس تک پہنچے۔ کچھ پیچھے رہ جانے والوں کو بیل 212 ہیلی کاپٹر زنے بچایا، صرف اس وقت جب انہیں اپنے ہتھیار پھینکنے، ہاتھ اوپر اٹھانے اور اپنی شناختی کارڈز دکھانے کا حکم دیا گیا۔ ایل ٹی ٹی ای آسانی سے فوجی وردیوں میں بھیس بدل سکتی تھی۔ مانکولم کے زوال کے بعد فوج کو ایک اور بڑا دھچکا لگا۔ فوج کے سب سے مقبول افسران میں سے ایک، بریگیڈیئر لکی وجے رتنے، جو ضلع ترنکومالی کے علاقائی کمانڈر تھے، اپنے نام کے برعکس ایک بڑے بارودی سرنگ کے دھماکے میں مارے گئے۔ چند مہینے بعد کرشماتی نائب وزیر دفاع، رنجن وجے رتنے، ایک اور بڑے بم دھماکے میں اپنے گھر سے چند میٹر کے فاصلے پر کولمبو کے وسط میں ہلاک ہو گئے۔ ایل ٹی ٹی ای کہیں بھی حملہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ فوج مکمل طور پر اپنی حدود سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس کی فرنٹ لائن فورسز کو ایک شکست سے دوسری شکست تک پہنچایا جا رہا تھا، اور ایک کے بعد دوسری محاصرے میں پھنسی ہوئی چھاؤنی کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اگر فوج کسی علاقے پر دوبارہ قبضہ کر لیتی، تو اسے کہیں اور لڑنے کے لیے واپس بلانا پڑتا، اور پھر ایل ٹی ٹی ای واپس آ جاتی۔ یہ ایک بے سود "whack-a-mole" حکمت عملی تھی جس کے خلاف کرنل راجا پاکسا نے شدید احتجاج کیا۔ مایوسی

میں انہوں نے فوج چھوڑ دی۔ اس وقت کے بارے میں انہوں نے کہا: "بہت سے اچھے افسران نے اس لیے فوج چھوڑ دی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جنگ ایک بے معنی مشق بن گئی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای کو ایک جگہ سے نکال دیا جاتا، اور جیسے ہی فوج واپس جاتی، وہ دوبارہ آ جاتے۔ رہنے کا کوئی محرک نہیں تھا کیونکہ کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہو رہی تھی۔" نئے شادی شدہ کرنل کو ان کی بیوی نے فوج چھوڑنے کی ترغیب دی اور پھر امریکہ جا کر آئی ٹی انڈسٹری میں کام کرنے کی ہدایت دی۔ تاہم، گوٹابایا راجاپاکسا نے فوجی ناکامیوں پر بہت غور و فکر کیا اور بعد میں سری لنکا واپس آ کر وزارت دفاع میں مستقل سیکرٹری کے طور پر عہدہ سنبھالنے اور پچھلی دہائی کی غلطیوں کو درست کرنے کا مشن اپنایا۔ دریں اثناء، حکومت کے لیے جنگ مزید خراب ہوتی گئی۔ سمندر میں، ٹائیگرز نے بحریہ پر حملے کرنا شروع کر دیے، بجائے اس کے کہ وہ فرار ہوتے۔ انہوں نے تیز رفتار اور بہتر ہتھیاروں سے لیس کشتیوں کے ساتھ ساتھ خودکش کشتیاں بھی استعمال کیں۔ فضاء میں، کولمبو زمین پر حملہ کرنے والے طیارے خریدنے اور بعد میں پائلٹ کی تربیت کا انتظام کرنے میں مشکلات کا سامنا کر رہا تھا۔ زمین پر، ایل ٹی ٹی ای فوج کی جافنا قلعے سے زبردستی واپسی جیسی ایک اور بڑی شکست دینے والی تھی۔ اپریل 1991 تک ایل ٹی ٹی ای کے شدید مارٹر حملوں نے ایلیفینٹ پاس کے ہیلی کاپٹر لینڈنگ سائٹ کو نشانہ بنایا، جس سے فضائیہ کے پائلٹ مزید خطرات مول لینے پر تیار نہ تھے، خاص طور پر اس وقت جب

گوریلوں نے اینٹی ایئر کرافٹ ہتھیار بھی تعینات کرنے شروع کر دیے۔ جون تک یہ بیس 3,000 باغیوں کے گھیرے میں تھی اور صرف فضائی سپلائی کے ذریعے ہی اس کی مدد ممکن تھی۔ پانی برف کے بلاکس گرا کر فراہم کیا جاتا تھا، اور خوراک کی سپلائی اکثر قریب واقع جھیل میں جا گرتی، جہاں سے فوجی انہیں نکال کر لے آتے۔ بیس کی حفاظت سنہار جمنٹ کے 600 سے زائد فوجیوں نے کی، جن کی قیادت میجر سانتھ کرونار تنے کر رہے تھے۔ 10 جولائی 1991 کو ایل ٹی ٹی ای نے بھاری مارٹروں اور آر پی جیز کے ساتھ فیصلہ کن حملہ کیا۔ تین دن بعد، ایل ٹی ٹی ای نے ایک بکتر بند بلڈوزر کے ساتھ قلعے کے اندرونی دفاع کو توڑ دیا، جس کے پیچھے جنگجو بھی تھے۔ قریب لڑائی میں ایک سپاہی، گامنی کولاراتنے، اسٹیل کی سیڑھی پر چڑھا اور بلڈوزر کے کھلے سوراخ میں دو دستی بم پھینک دیے۔ کولاراتنے مارے گئے، لیکن بلڈوزر کی تباہی نے ایل ٹی ٹی ای کو آدھی رات تک پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ ایلیفینٹ پاس بیس کو بچانے کے لیے آپریشن "بالاویگایا" شروع کیا گیا۔ اب تک کی سب سے بڑی سمندری کارروائی میں، فوج نے کیمپ کے مشرق میں ایک ساحل پر اترنے کا عمل شروع کیا۔ ابتدائی لینڈنگ کے لیے تقریباً پینتالیس کشتیاں تیار کی گئیں۔ ہر کشتی میں بارہ فوجی تھے اور چاہے دشمن کی گولہ باری کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو، کوئی کشتی اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی جب تک کہ چھ سے زیادہ آدمی زخمی نہ ہو جائیں۔ ابتدائی طور پر ساحل پر پہنچنے والی پندرہ کشتیوں میں سے آٹھ بھاری

فائرنگ کے باوجود ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہوئیں۔ جب ساحل محفوظ ہو گیا تو دیگر کشتیاں اور بکتر بند گاڑیاں بھی اتریں۔ ساحل سے کیمپ کا فاصلہ اٹھارہ کلومیٹر سے کم تھا، لیکن دو پیدل بٹالینز کو وہاں پہنچنے میں تقریباً تین ہفتے لگے، وہ کبھی رینگتے ہوئے آگے بڑھتے اور کبھی اپنے ہیلمٹ سے ریت میں گڑھے کھود کر خود کو چھپاتے۔ باغیوں نے ویت کانگ کی طرز پر ایک آدمی کے بلوں میں چھپ کر حملہ کیا اور سست رفتاری سے آگے بڑھتے ہوئے فوجیوں کے پیچھے سے نمودار ہوتے۔ تقریباً تین ہفتوں کی سخت جدوجہد کے بعد، امدادی فورس 3 اگست کو ایلیفینٹ پاس بیس تک پہنچ گئی، حالانکہ لڑائی 9 اگست تک جاری رہی، جب ایل ٹی ٹی ای نے منظم انداز میں پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ گوریلوں نے تسلیم کیا کہ 573 ٹائیگرز مارے گئے (کولمبو نے یہ تعداد تقریباً ایک ہزار بتائی)، جبکہ فوج نے اعتراف کیا کہ اس کے 212 فوجی ہلاک ہوئے، لیکن ایل ٹی ٹی ای نے دعویٰ کیا کہ اس نے 400 سے زیادہ فوجیوں کو ہلاک کیا۔ بعد میں آزاد ذرائع نے مجموعی ہلاکتوں کی تعداد 2,000 بتائی۔ سری لنکن صدر نے اعتراف کیا کہ یہ "تمام جنگوں کی ماں" تھی، ایک جملہ جو اس وقت صدام حسین کے ذریعے مشہور ہوا تھا۔ ایلیفینٹ پاس بیس انتہائی اسٹریٹجک اہمیت کا حامل تھا کیونکہ یہ جزیرہ نما جافنا کی طرف جانے والی سڑک اور ریل کا داخلی دروازہ تھا۔ یہ بیس عملی طور پر ناقابل تسخیر سمجھی جاتی تھی، لیکن ایل ٹی ٹی ای نے تقریباً اسے فتح کر لیا تھا۔ عام طور پر حملہ اور دفاع کا تناسب 3:1 ہوتا ہے، لیکن زیادہ سے زیادہ

5,000 باغیوں نے تقریباً 10,000 دفاعی فوجیوں کو شکست دے دی تھی، جو کسی بھی طرح سے معمولی کامیابی نہیں تھی۔ تاہم، ایل ٹی ٹی ای نے آخر کار اس بیس کو آٹھ سال بعد فتح کیا، اور آٹھ سال بعد، جنگ کے آخری حملوں میں اسے دوبارہ کھو دیا۔ حکومت نے 1991 کی جنگ کو بڑی فتح قرار دیا؛ گوریلوں کے خلاف، جن کے پاس فضائی قوت بھی نہیں تھی، ایک بڑی روایتی فوج کی طرف سے ایک دفاعی جنگ جیتنے پر اس قدر خوشی، کولمبو کی کم معیاروں کی عکاسی کرتی تھی۔ جب لیفٹیننٹ جنرل سیسل ویدیاراٹنے نے 16 نومبر 1991 کو فوج کی کمان سنبھالی، تو وہ پائی جانے والی صورتحال سے مایوس تھے۔ انہوں نے بعد میں اپنی غیر مطبوعہ یادداشتوں میں اعتراف کیا، "مجھے ایسی صورتحال کا سامنا تھا جہاں دہشت گرد شمال اور مشرق میں غالب تھے اور فوج کا حوصلہ پست تھا۔" فوج کو نئے ساز و سامان کی ضرورت تھی، جس میں ٹریک گاڑیاں، ریڈیو اور فلیک جیکٹ شامل تھیں۔ یہ ایک بے مقصد جنگ بن چکی تھی، جسے ایک پست حوصلہ فوج لڑ رہی تھی جو تعداد میں بہت کم اور اکثر ناقص قیادت کے تحت تھی۔ دوسری طرف، ایل ٹی ٹی ای کامیاب انقلابی جنگ لڑ رہی تھی اور بین الاقوامی سطح پر پروپیگنڈے میں کامیاب ہو رہی تھی، خاص طور پر فوج اور پولیس کی حقیقی اور من گھڑت مظالم کو بڑھا چڑھا کر پیش کر کے۔ نئے آرمی کمانڈر نے اپنی زوال پذیر فوج کو بہتر بنانے کا عمل شروع کیا۔ اسٹریٹجک سطح پر، پہلے مشرق کو صاف کرنے کے مقابلے میں پہلے شمال کو صاف کرنے کا مباحثہ پندرہ

سال تک جاری رہا۔ عملی سطح پر، فوج کو تربیت میں کئی پہلوؤں میں بہتری کی ضرورت تھی۔ سینئر کمانڈروں کی شکایات کو پڑھنے سے ایک غیر منظم فوج کا اشارہ ملتا تھا۔ فوجی اور افسران لڑائی سے بھاگ رہے تھے، اکثر مختلف سمتوں میں، چوکیوں کے قیام میں ناکامی، یا کھلے میدان میں گروہ بندی، اور اس کے برعکس، بند علاقوں میں بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ چمٹے رہنا۔ ایل ٹی ٹی ای رات کی لڑائی میں ماہر تھی، جبکہ فوج کے چوکی دار اکثر تھکے ہوئے ہوتے تھے۔ باغی اکثر بڑے فوجی دستوں کے ارد گرد سے گزر کر فوج کے عقب میں گھس جاتے تھے، اور عقب سے اچانک جوابی حملے ایل ٹی ٹی ای کا بڑا ہتھیار تھے۔ اصلاحات کی کوششوں کے باوجود، فوج کے حالات مزید خراب ہو گئے۔ ایل ٹی ٹی ای نے 'بلیک جولائی' 1983 کے قتل عام کی برسی منانے کے لیے انتقامی کارروائی کا آغاز کرنے کا فیصلہ کیا۔ گوریلوں نے جاناکاپورا کیمپ اور اس کے قریب واقع سیٹلائٹ کیمپوں پر حملہ کیا۔ 23 فوجی مارے گئے اور تقریباً تیس لاپتہ ہو گئے۔ ایک بڑی مقدار میں ہتھیار اور گولہ بارود قبضے میں لے لیا گیا۔ اور توہین میں اضافہ کرنے کے لیے باغیوں نے فوج کے اپنے بلڈوزروں کا استعمال کرتے ہوئے مرکزی کیمپ کو تباہ کر دیا۔ نومبر 1993 میں پونیریں کیمپ پر شدید حملہ ہوا۔ یہ کیمپ ایک لمبے ساحلی پٹی پر واقع تھا جو تقریباً جافنا شہر تک پہنچتی تھی، مغرب میں سمندر اور مشرق میں جافنا جھیل تھی۔ سیکڑوں ایل ٹی ٹی ای جنگجوؤں نے جھاگ کے فلوٹس اور پلاسٹک بیگز کا استعمال کرتے ہوئے ہتھیاروں کو خشک رکھتے

ہوئے جھیل سے دراندازی کی۔ کیمپ میں 1,000 فوجی موجود تھے، لیکن اتنے بڑے دو بائی چھ کلومیٹر کے رقبے کو محفوظ رکھنے کے لیے اس تعداد سے دوگنی فوج درکار تھی۔ یہ اچانک حملہ بہت کامیاب رہا: 500 فوجی ہلاک ہوئے اور بڑی تعداد میں ساز و سامان قبضے میں لے لیا گیا۔ سب سے زیادہ شرمندگی کی بات یہ تھی کہ جنگجو دو T-55 ٹینک لے کر فرار ہو گئے۔ یہ واضح نہیں کہ انہوں نے ٹینکوں کو لڑائی میں کیوں استعمال نہیں کیا۔ کیمپ پر مکمل قبضہ نہیں ہو سکا کیونکہ کچھ دفاعی فوجی دوبارہ گروپ بنانے میں کامیاب ہو گئے اور مرکزی ہیڈکوارٹر کے ارد گرد دفاع قائم کر لیا۔ گارڈ کا تقریباً نصف حصہ بچ گیا اور آخری مضبوط مورچے کا دفاع کیا، جسے فضائی سپلائی کی مدد حاصل تھی، حالانکہ چھوٹے دائرے کی وجہ سے فضاء سے گرنے والا بہت سا سامان ایک بار پھر باغیوں کے ہاتھ لگ گیا۔ چار دن کی شدید لڑائی کے بعد کمک پہنچی، حالانکہ کیمپ کو ایل ٹی ٹی ای سے مکمل طور پر صاف کرنے میں مزید ایک ہفتہ لگا۔ فوج نے 500 سے زیادہ فوجی کھو دیے اور دعویٰ کیا کہ اتنی ہی تعداد میں ایل ٹی ٹی ای کے جنگجو مارے گئے۔ یہ حقیقت کہ کیمپ مکمل طور پر نہیں گرا، ایک چھوٹی سی فتح سمجھی گئی، لیکن قریب ہی بحریہ کی چوکیوں پر ایل ٹی ٹی ای کے حملے کولمبو کے لیے بھی ایک شرمناک شکست ثابت ہوئے۔ جافنا جھیل کی نگرانی کے لیے تعینات پانچ بحری گشتی کشتیاں تباہ ہو گئیں اور 105 بحری اہلکار مارے گئے، جو جنگ کے دوران کسی ایک مقابلے میں ہونے والا سب سے بڑا نقصان تھا۔ جنگ کے بیشتر عرصے میں غیر ملکی

ماہرین کا یہ عام خیال تھا کہ ایل ٹی ٹی ای کو شکست دینا ممکن نہیں، لیکن 1994 تک ایسا لگ رہا تھا کہ حکومت جنگ ہار سکتی ہے۔ اگست 1994 کے انتخابات میں پیپلز الائنس کے بینر تلے ایک نئی حکومت اقتدار میں آئی، جس کی قیادت چندریکا کمارا ٹنگا نے کی، حالانکہ اصل قیادت فریڈم پارٹی کے پاس تھی۔ کولمبو نے شمال میں کچھ سامان کی رسائی پر پابندی ختم کر دی۔ امن مذاکرات ہوئے اور جنوری 1995 میں جنگ بندی کا آغاز ہوا۔ کولمبو نے جنگ بندی کو برقرار رکھنے کے لیے بے حد کوشش کی، یہاں تک کہ فوجی کیمپوں پر مسلح حملوں کو بھی چھپایا۔ دوسری طرف، ایل ٹی ٹی ای نے تامل ماہی گیری کے حقوق پر پابندیوں اور یہ شکایت کی کہ فوج اب بھی چیک پوسٹوں پر خوراک اور دیگر سامان کو روکے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود، کولمبو نے وسیع پیمانے پر سیاسی خود مختاری کی پیشکش کی، حالانکہ پارلیمنٹ میں سخت گیر عناصر شاید یونٹری اسٹیٹ کے خاتمے کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ ایل ٹی ٹی ای بھی ایک آزاد ایلم کے قیام پر قائم رہی۔ جنگ بندی مختصر ثابت ہوئی۔ ایل ٹی ٹی ای اپنی بڑی کامیابیوں پر نظر ڈال سکتی تھی۔ باغیوں نے بیرون ملک موجود تنظیموں کے نیٹ ورک کے ذریعے مالی وسائل اور ہتھیار جمع کر لیے تھے۔ جنگجوؤں نے اکثر سمندر اور زمین پر ریاست کی افواج کو شکست دی تھی۔ انہوں نے کئی سینئر افسران اور دفاعی اہلکاروں کو قتل کیا تھا۔ لیکن شاید دو بڑے سیاسی قتل طویل مدتی میں ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئے۔ 1991 میں راجیو گاندھی کے قتل نے ہندوستانی حمایت، حتیٰ

کہ تامل ناڈو میں بھی، متاثر کی۔ اور 1993 میں کولمبو میں ایک یوم مئی ریلی کے دوران صدر پریماداسا کے قتل نے سری لنکا کے سخت گیر عناصر کو مضبوط کیا جو کسی بھی قسم کی خود مختاری کے معاہدے کے مخالف تھے۔ پریماداسا شاید ایل ٹی ٹی ای کو ملنے والا سب سے زیادہ لچکدار رہنما تھا—ان کا قتل ایک اور اسٹریٹجک غلطی تھی۔ جنگ دوبارہ شروع ہوئی۔ ٹائیگرز ایلم کے لیے لڑ رہے تھے اور حکومت اسے 'امن کے لیے جنگ' کہہ رہی تھی۔

باب ہفتم

ایلام جنگ سوم (1995–2002)

19 اپریل 1995 کو سمندری ٹائیگرز کے چار خودکش غوطہ خوروں نے ترنکومالی کی بندرگاہ میں لنگر انداز چار حملہ آور جہازوں کے نیچے بڑے سی-4 دھماکہ خیز مواد نصب کیے۔ دو جہاز مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔ بارہ بحری اہلکار ہلاک ہوئے اور چاروں غوطہ خوروں کی لاشیں بھی برآمد ہوئیں۔ اس سے صرف ایک ہفتے سے زیادہ بعد، ایل ٹی ٹی ای نے دو فضائیہ کے جہازوں کو زمین سے ہوا میں مار کرنے والے میزائلوں سے نشانہ بنایا۔ اس سے فضائیہ میں خوف و ہراس پھیل گیا کیونکہ ان کے پاس مؤثر جوابی اقدامات نہیں تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ، فوجی چوکیوں کو فضائی راستے سے رسد پہنچانا بھی ممکن نہیں رہا۔ حکومت نے اپنی عسکری کمزوری کے باوجود جافنا کو دوبارہ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ جولائی 1995 کے اوائل میں فوج نے جزیرہ نما میں اپنی تعداد میں اضافہ کیا، جس کے ساتھ ہی شدید فضائی بمباری شروع ہو گئی۔ فضائیہ نے پہلے ہی شہریوں کو عبادت گاہوں میں پناہ لینے کی ہدایت دیتے ہوئے پمفلٹ گرائے تھے۔ جیٹ طیاروں نے جافنا کے شمال میں ناوالی کے مقام پر سینٹ پیٹر اور سینٹ پال

کے چرچ پر بمباری کی۔ اس وقت ریڈ کراس کی بین الاقوامی کمیٹی نے رپورٹ کیا کہ پینسٹھ شہری ہلاک اور 150 زخمی ہوئے۔ حکومت نے ایل ٹی ٹی ای کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا، لیکن بعد میں اپنا موقف تبدیل کیا۔ سات ہفتوں کی شدید لڑائی کے بعد، جسے آپریشن ریویریسا کا نام دیا گیا، حکومت نے تقریباً ایک دہائی کے بعد پہلی بار جافنا شہر پر کنٹرول حاصل کیا۔ اس دوران بہت سے شہریوں کے ساتھ ساتھ دونوں جانب سے تقریباً 2,500 جنگجو بھی مارے گئے۔ تاہم، جافنا کے قلعے پر ایک بار پھر قومی پرچم لہرایا گیا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے، ایل ٹی ٹی ای نے ہزاروں شہریوں کو جافنا کے علاقے سے نکلنے پر مجبور کیا، اکثر صرف چند گھنٹوں کی اطلاع پر۔ اگرچہ بعد کے مہینوں میں کچھ کو واپس آنے کی اجازت دی گئی، بہت سے لوگ وانی کے علاقے میں ہی مقیم رہے جو ٹائیگرز کے کنٹرول میں تھا۔ آپریشن ریویریسا کے بعد کے مراحل میں فوج نے جزیرہ نما پر اپنا کنٹرول بڑھا لیا، جیسے کہ پوائنٹ پیڈرو-ویلوٹیتورائی کے علاقے کو دوبارہ حاصل کیا جس میں صرف دس فوجی ہلاک ہوئے۔ پرابھاکرن کا آبائی شہر بہت کم ایل ٹی ٹی ای مزاحمت کے ساتھ فوج کے قبضے میں آ گیا۔ ایل ٹی ٹی ای نے جولائی 1996 میں اپنی جارحانہ کارروائی 'مسلسل لہریں' (Unceasing Waves) کے ساتھ جوابی حملہ کیا، جس میں 18 جولائی 1996 کو مولایتھیو میں حکومت کے اچھی طرح مسلح اور مکمل طور پر مہیا کردہ فوجی اڈے پر حملہ کیا گیا۔ دو اہم ترین افسران کیمپ میں موجود نہیں تھے اور ایک فوجی ذریعے کے مطابق دفاع 'ایک غیر

منظم ہجوم' کی طرح کیا گیا۔ 1st اسپیشل فورسز بٹالین کے 100 افراد کیمپ کی مدد کے لیے روانہ کیے گئے تھے، لیکن کیمپ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی سات گھنٹے کی رات کی جنگ میں تباہ ہو گیا۔ بعد کی لڑائی فتح یافتہ ایل ٹی ٹی ای اور اسپیشل فورسز کے سپاہیوں کے درمیان لڑی گئی، جنہیں Mi-24 ہیلی کاپٹروں کی مدد حاصل تھی۔ سمندری ٹائیگرز نے ساحل پر ایک جنگ بھی لڑی تاکہ 450 فوجیوں کو کمک کے طور پر اترنے سے روکا جا سکے۔ خودکش کشتیوں نے اترنے کی کارروائی کو ناکام بنا دیا؛ آخرکار بحریہ صرف یہ کر سکی کہ مرکزی کیمپ کی جنگ سے کچھ زندہ بچ جانے والوں کو بچا سکے۔ اس خوفناک لڑائی میں کولمبو کے مطابق تقریباً 1,200 فوجی ہلاک ہوئے، جن میں سے 200 نے ہتھیار ڈالنے کے بعد جان گنوائی۔ جافنا کی شکست کے بعد ایل ٹی ٹی ای کی جانب سے ایک جوابی حملہ متوقع تھا، خاص طور پر اس لیے کہ بہت سے ایل ٹی ٹی ای کے جنگجو شمال سے پیچھے ہٹ چکے تھے اور اس علاقے میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ اگلے مہینے فوج نے جوابی حملہ کیا جس کے نتیجے میں ہزاروں شہری لڑائی سے بچنے کے لیے فرار ہو گئے۔ اگست 1996 کے آخر تک کلینوچی کو فوج نے قبضے میں لے لیا۔ اس قصبے کا نقصان، جو ایل ٹی ٹی ای کا مرکزی انتظامی مرکز تھا، مولائیتھیو میں ہونے والی فوجی تباہی کے بدلے میں شاید کچھ حد تک تسلی بخش تھا۔ ایل ٹی ٹی ای نے اپنی کارروائیوں کو شہری جنگ تک وسعت دی۔ جنوری 1996 میں کولمبو کے سنٹرل بینک پر خودکش بم حملے میں نوے افراد ہلاک اور 1,000 سے زائد زخمی

ہوئے۔ اکتوبر 1997 میں ایل ٹی ٹی ای نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کو بم سے نشانہ بنایا۔ جنوری 1998 میں ایک ٹرک بم نے کینڈی کے 'ٹمپل آف دی ٹوتھ' کو نقصان پہنچایا، جو بدھ مت کے مقدس ترین مزارات میں سے ایک اور سنگھالی فخر کی سب سے قیمتی علامت ہے۔ اس کے رد عمل میں ایل ٹی ٹی ای کو غیر قانونی قرار دیا گیا اور کولمبو نے بیرون ملک سخت محنت کی تاکہ باغیوں کو دہشت گرد تنظیم کے طور پر درج کیا جا سکے، جس کے نتیجے میں ان کی بیرون ملک فنڈنگ پر ملی جلی کامیابی ملی۔ ستمبر 1998 میں ایل ٹی ٹی ای نے 'مسلسل لہریں دوم' (Unceasing Waves II) کا آغاز کیا، جس کی قیادت کمانڈر کرونا امان نے کی۔ ان کی بہادر قیادت میں، کلینوچی شدید ہاتھا پائی کے بعد گر گیا، حالانکہ اسی وقت فوج نے مانکولم کا قصبہ دوبارہ حاصل کر لیا۔ کولمبو کی اسٹریٹجک کوشش یہ تھی کہ A9 ہائی وے کو صاف کیا جائے جو وسطی سری لنکا کو جافنا کے جزیرہ نما سے ملاتی ہے۔ فوجیوں نے اس راستے کا نام 'موت کی شاہراہ' رکھا۔ فوج آگے بڑھتی اور پھر ایل ٹی ٹی ای کے جوابی حملوں میں میدان کھو دیتی، اس عمل میں مسلسل دونوں فریق ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے رہے۔ 1999 میں 'مسلسل لہریں سوم' میں ایل ٹی ٹی ای نے تقریباً پورے وانی کے اہم علاقے پر دوبارہ قبضہ کر لیا، جس سے ایلیفنٹ پاس کے مرکزی اڈے اور جافنا میں موجود فوجی چھاؤنی کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ دسمبر 1999 میں ایل ٹی ٹی ای نے صدر چندریکا کمارا ٹنگا کو تقریباً قتل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ مختلف زخموں کے علاوہ

انہوں نے ایک آنکھ بھی کھو دی، لیکن اپنی صدارتی مہم جاری رکھی اور دوسری مدت کے لیے دوبارہ منتخب ہو گئیں۔ صدر، جو دو سابق وزرائے اعظم کی بیٹی ہیں، نے 1988 میں اپنے شوہر وجیا، جو ایک فلمی ستارہ اور سیاست دان بنے تھے، کے قتل کا بھی مشاہدہ کیا۔ اس حملے کی ذمہ داری جے وی پی نے لی تھی۔ یہ خاندان سری لنکا کی سیاست کی خاندانی نوعیت اور اس کے تشدد، دونوں کی مثال پیش کرتا ہے۔ صدر کمارا ٹنگا نے ذاتی طور پر بے پناہ ہمت کا مظاہرہ کیا لیکن اسٹریٹجک محاذ پر ان کی فوج اپنی کم ترین حالت میں تھی۔ پربھاکرن کی 26 نومبر 1999 کی سالانہ تقریر فتح مندانہ تھی: "ہمارے بڑے پیمانے پر وانی میں چلنے والے آپریشن، جس کا کوڈ نام 'مسلسل لہریں سوم' ہے، نے دنیا کو جدید جنگی فنون میں ٹائیگر جنگی افواج کی غیر معمولی ترقی اور مہارت کا عملی مظاہرہ کیا ہے۔ ہماری کارروائیوں کی رفتار، تیز رفتار تعیناتی کی صلاحیت، متحدہ کمان، اعلیٰ نظم و ضبط، شاندار جارحانہ حکمت عملی اور ہمارے جنگی دستوں کے ذریعہ دکھایا جانے والا بے پناہ حوصلہ دنیا کے فوجی ماہرین کو حیران کر گیا ہے۔" دسمبر 1999 سے ایل ٹی ٹی ای نے ایلیفینٹ پاس کے ارد گرد وسیع دفاعی خطوط پر حملے شروع کیے۔ باغیوں نے تین محاذوں سے حملہ کیا، جن میں سمندر بھی شامل تھا، اور رات کے وقت سرنگ لگاتے ہوئے کبھی کبھی سری لنکن فوج کی وردیوں میں ملبوس اور سنہالی زبان بولتے ہوئے آئے۔ فوج نے آہستہ آہستہ مرکزی کمپلیکس کی طرف پیچھے ہٹنا شروع کر دیا، اکثر اپنی یونٹس میں 80 فیصد ہلاکتیں برداشت

کرنے کے بعد۔ ایل ٹی ٹی ای کی توپوں کے حملے انتہائی درست تھے۔ بالآخر ایل ٹی ٹی ای کے جنگجو وہ کنویں قبضے میں لینے میں کامیاب ہو گئے جو ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کو پانی فراہم کرتے تھے۔ 9ویں گاجابا بٹالین اور st1 سنہا بٹالین کے کچھ دستوں کے 800 ناتجربہ کار سپاہیوں پر مشتمل ایک امدادی پارٹی کو گوریلوں نے گھیر لیا۔ دو دن سے بھی کم لڑائی کے بعد، امدادی فورسز، جو اب 100 افراد تک کم ہو چکی تھیں، خود بھی مدد کی محتاج ہو گئیں۔ ایلیفینٹ پاس کے اڈے کے اندر سکڑتے ہوئے دفاعی علاقے میں بد نظمی اور مایوسی کا عالم تھا۔ فوجی اپنے پیروں پر گولیاں مار رہے تھے اس امید میں کہ انہیں فضائی راستے سے نکالا جاسکے اور سینئر افسران بھی بیمار ہونے کی رپورٹ دے رہے تھے۔ اپریل کے وسط تک فیصلہ کیا گیا کہ پیچھے ہٹا جائے اور وہ تمام سامان تباہ کر دیا جائے جو ساتھ نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ تاہم، افسران کے ایک چھوٹے سے گروپ نے ایک چھوٹے قافلے کی قیادت کا فیصلہ کیا تاکہ رات کے وقت توپ خانہ کو حکومت کی جافنا لائنوں کی طرف شمال میں لے جایا جائے، لیکن ایل ٹی ٹی ای نے توپیں قبضے میں لے لیں۔ 20 اپریل 2000 کو ٹائیگرز نے ایلیفینٹ پاس کے فوجی کمپلیکس کے باقیات پر حملہ کر دیا۔ حکومت کے جافنا جزیرہ نما کے اس اہم جنوبی قلعے میں 5,000 سے زیادہ فوجی تعینات تھے۔ بہت سے فوجی اڈے کے ارد گرد چار ماہ کی لڑائی میں مارے جا چکے تھے۔ فوج نے دشمن کے علاقے سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا تھا۔ کچھ بکتر بند کور کی موجودگی کے باوجود، فوجی مارٹر گولوں اور گھات لگا کر کیے

گئے حملوں کا نشانہ بنے؛ 300 فوجی مارے گئے اور 500 زخمی ہوئے۔ جو فوجی بچ کر دوست لائنوں تک پہنچے وہ نفسیاتی طور پر ٹوٹ چکے تھے۔ ایک درمیانی درجے کے افسر جس نے بچ کر نکلنے میں کامیابی حاصل کی، نے بس اتنا کہا، "یہ میری زندگی کا بدترین تجربہ تھا۔" ایل ٹی ٹی ای نے زمین پر اور جافنا کے سمندر کے راستے شمال کی طرف پیش قدمی کی۔ ان کے کچھ قابل ترین رہنما، کمانڈر تھیپان اور کمانڈر سورنم، حملوں کی قیادت کر رہے تھے۔ فوج منتشر ہو چکی تھی: ایل ٹی ٹی ای نے چھوٹی چھوٹی خواتین کی یونٹوں کو فوج کی یونٹوں کو بھگاتے ہوئے ریکارڈ کیا، جن کی تعداد ان سے دس گنا زیادہ تھی۔ جافنا چھاؤنی میں موجود 34,000 فوجیوں کو اب خطرہ لاحق تھا۔ اس کا سقوط ایل ٹی ٹی ای کے حق میں جنگ کا خاتمہ کر دیتا۔ مئی میں، میجر جنرل سرتھ فونسیکا، جو سری لنکن فوج کے سب سے قابل کمانڈروں میں سے ایک تھے، نے جافنا سے لڑتے ہوئے پیچھے ہٹنے کا ایک منصوبہ بادل ناخواستہ تیار کیا۔ انہوں نے خفیہ طور پر چار دفاعی لائنوں کا خاکہ پیش کیا، جو ایک کے بعد ایک ختم ہوتی جاتی تھیں۔ لیکن اگر یہ سب ختم ہو جاتیں تو بچ جانے والے فوجیوں کو قتل عام یا فضائی یا سمندری راستے سے فرار کا سامنا کرنا پڑتا، جس کے لیے کوئی مناسب لوجسٹک سہولت موجود نہیں تھی۔ بے بسی کے عالم میں کولمبو نے بھارتی فوجی مدد کے لیے بھی کوششیں کیں، لیکن امن بحال کرنے کی ناکامی کے بعد، نئی دہلی کی حکومت نے دوبارہ مداخلت کرنے سے معذرت کر لی۔ بڑے پیمانے پر لوجسٹک چیلنجز کے باوجود، فوج

نے جافنا کو رسد فراہم کی اور قابض رہنے میں کامیاب رہی۔ جب ان کے پاس سمندر تھا، تو کئی اعلیٰ افسران نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ اگلے مورچوں میں بہادری سے لڑائی لڑی۔ اس کے علاوہ، پاکستان سے ملٹی بیرل راکٹ لانچرز بھی پہنچے، جنہوں نے اضافی فائر پاور فراہم کی۔ بظاہر ناقابل شکست ایل ٹی ٹی ای کو پیچھے دھکیل دیا گیا اور فوج نے کچھ کھوئی ہوئی زمین بھی واپس حاصل کی۔ 2000 کے وسط کو شاید ٹائیگرز کی کامیابی کا عروج اور فوج کے کنٹرول کی کم ترین سطح سمجھا جاتا ہے۔ باغیوں نے دعویٰ کیا کہ وہ 70 فیصد نامزد خود مختار وطن پر مکمل کنٹرول حاصل کر چکے ہیں۔ ٹائیگرز زمینی جنگوں سے لے کر دہشت گردی کی حکمت عملیوں تک، شاندار کارروائیوں اور 'عمل کے ذریعے پروپیگنڈا' کے طور پر آگے پیچھے ہوتے رہے۔ جولائی 2001 میں، شاید پوری جنگ کا سب سے ڈرامائی باغیانہ حملہ ہوا، جب ایل ٹی ٹی ای کے 20 جنگجوؤں نے کولمبو کے بین الاقوامی ہوائی اڈے کے علاقے پر حملہ کیا، جسے کمزور طور پر محفوظ کیا گیا تھا، اور فضائیہ کے اگلے مورچوں کے طیاروں کے ساتھ ساتھ سویلین ہوائی جہازوں کو بھی تباہ کر دیا۔ فوج کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا اور معیشت کو شدید دھچکا لگا کیونکہ سیاحوں نے آنا چھوڑ دیا اور سرمایہ کاروں نے اپنی توجہ ہٹالی۔

باب ہشتم

طویل جنگ بندی

القاعدہ کے 9/11 کے حملے نے ایل ٹی ٹی ای کے لیے بین الاقوامی حمایت کو ڈرامائی طور پر متاثر کیا، کیونکہ امریکہ نے اپنی عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ کا آغاز کیا۔ باغی نہیں چاہتے تھے کہ واشنگٹن مکمل طور پر کولمبو کی حمایت کرے۔ ایل ٹی ٹی ای کا تعلق بین الاقوامی دہشت گرد گروپوں سے تھا جن میں پاکستان کے جہادی بھی شامل تھے۔ ٹائیگرز نے خود کو اریٹیریا میں موجود ہتھیاروں اور دہشت گردی کے نیٹ ورکوں میں بھی شامل کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ پربھاکرن کے ارد گرد موجود سخت گیر لوگ بھی جانتے تھے کہ حکمت عملی کا از سر نو جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ کولمبو کی حکومت ایک ٹوٹتی ہوئی معیشت اور ایک ایسی عوامی رائے کا سامنا کر رہی تھی جو 'امن کے لیے جنگ' کے جواز سے کوئی فائدہ نہیں دیکھ رہی تھی۔ 9 دسمبر 2001 کو یونائیٹڈ نیشنل فرنٹ پارٹی، جس کی قیادت رانیل وکرما سنگھے کر رہے تھے، امن اور مذاکرات کے حل کے منشور پر کامیاب ہوئی۔ ایل ٹی ٹی ای نے جنگ بندی کا اعلان کیا۔ جنگ بندی کے خلاف شدید فوجی مخالفت کے باوجود، حکومت نے جوابی

اقدام کیا اور ایل ٹی ٹی ای کے علاقوں کو غیر فوجی سامان پر عائد طویل پابندی کو ختم کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ جنگ بندی کے خلاف خفیہ اداروں کی قیادت کی دشمنی کی ایک وجہ یہ تھی کہ پربھاکرن پر ایک خفیہ اور طویل منصوبہ بند حملہ کرنے والا تھا۔ ایک امن معاہدے کے لیے حساس مذاکرات کے دوران، جس کی قیادت ناروے کر رہا تھا، فوجی انٹیلیجنس نے جلدی میں مشن کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔ 20 دسمبر کو ایک خصوصی فورسز کی ٹیم وانی جنگل میں موجود تھی۔ پہلی بار، انہیں یقین تھا کہ وہ ٹائیگر رہنما کہاں ہے۔ کرسمس کی شام کو قتل کی ٹیم نے حملہ کرنا تھا۔ ٹیم کے رہنما حملہ شروع کرنے کے لیے تیار تھے، لیکن انہیں روک دیا گیا، حالانکہ انٹیلیجنس اس بات پر زور دے رہی تھی کہ پربھاکرن کی موت سے جنگ ختم ہو جائے گی۔ لیکن نئی حکومت کو جنگ بندی مذاکرات کے ٹوٹنے کا خدشہ تھا۔ موت کی ٹیم کو تحلیل نہیں کیا گیا - بلکہ واپس بلا لیا گیا۔ خصوصی فورسز کے اہلکاروں کو عارضی طور پر کولمبو کے ایک محفوظ مکان میں رکھا گیا۔ جنگ کی ایک بڑی خفیہ ناکامیوں میں سے ایک یہ ہوئی کہ کینڈی کی اسپیشل برانچ پولیس نے اس مکان پر چھاپہ مارا۔ انتہائی خفیہ آپریشن بے نقاب ہو گیا۔ یہ صرف زیادہ جوشیلی پولیس کا معاملہ نہیں تھا؛ نئی حکومت کے ایک سینئر وزیر کو اس بے باک حملے کی بھنک لگ گئی تھی۔ فوجی اور قومی انٹیلیجنس کے سربراہوں کو اس وقت نظر انداز کر دیا گیا جب پولیس نے اہلکاروں کو گرفتار کر کے انہیں کینڈی جیل میں ڈال دیا۔ انہیں دو ہفتوں کے بعد رہا کیا

گیا اور ایک درمیانے درجے کے پولیس افسر کو قربانی کا بکرا بنایا گیا، جسے عارضی طور پر معطل کر دیا گیا۔ یہیں بات ختم نہیں ہوئی: خفیہ ادارے کی قیادت پر الزام لگایا گیا کہ وہ وزیر اعظم کو قتل کرنے کے لیے اس محفوظ مکان کو استعمال کر رہے تھے۔ ایک بار پھر، ٹائیگر رہنما کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اور ایک بار پھر ناروے نے دونوں فریقوں کو امن کی میز پر لانے میں پردے کے پیچھے فعال کردار ادا کیا۔ 22 فروری 2002 کو ایک مستقل جنگ بندی معاہدے (سی ایف اے) کا اعلان کیا گیا۔ ناروے دیگر نورڈک ممالک کے ساتھ مل کر ایک رسمی مشن کے ذریعے جنگ بندی کی نگرانی کرے گا: سری لنکا مانیٹرنگ مشن (ایس ایل ایم ایم)۔ سڑکیں دوبارہ کھول دی گئیں، خاص طور پر اے 9 ہائی وے، اور شمال اور جنوب کے درمیان ٹریفک چلنا شروع ہو گئی، حالانکہ ایل ٹی ٹی ای کو ٹیکس ادا کرنے کے بعد۔ غیر ملکی امداد اور این جی اوز کا آنا شروع ہو گیا، اور کئی سری لنکنز نے پہلی بار کئی سالوں میں پر امیدی کا خطرہ مول لیا۔ پر امیدی انٹیلی جنس قیادت کے زیادہ شکی دلوں تک نہیں پہنچی۔ ابھی تک اپنی حالیہ خفت کا سامنا کرتے ہوئے، جو ان کے سب سے خفیہ آپریشن کی ناکامی کی وجہ سے ہوئی، وہ غیر ملکی مداخلت کے بارے میں بھی گہرے شکوک و شبہات رکھتے تھے۔ نئی دہلی کی طرف سے مسلسل مداخلت کافی تھی، لیکن فوجی اور انٹیلی جنس قیادت کے ذاتی اور پیشہ ورانہ روابط طویل عرصے سے ہندوستانیوں کے ساتھ تھے، جنہیں وہ سمجھتے تھے۔ ناروے جیسی 'انسانی ہمدردی کی بڑی طاقت' کی

اخلاقی مداخلت انہیں ہضم کرنا مشکل تھی۔ کچھ لوگوں کا ماننا تھا کہ ناروے کی نسبتاً حالیہ علیحدگی پسند تاریخ (یہ 1905 میں سویڈن سے الگ ہوا) ایک وجہ تھی جس نے انہیں ایل ٹی ٹی ای کی حمایت کی طرف مائل کیا۔ ان کے نیک رویے اور پالیسی چلانے کی کوششوں کے بجائے اس میں مہارت کی کمی دوسرے جھنجھلاہٹ کا باعث تھیں۔ سخت گیر لوگ 1993 کے اوسلو معاہدے کے مبینہ کامیابیوں کو سننے سے بھی تنگ تھے جو عرب اسرائیل تنازع کو 'حل' کرنے کے لیے تھا۔ 'نمایاں عالمی امن ساز' محض مصیبت پیدا کرنے والے تھے، جو پربھاکرن کو اس کا دو ریاستی حل دلانے میں مدد کریں گے۔ اور اسی دوران ناروے کی مداخلت کولمبو کے خیال میں این جی او سامراجیت کی مزید خوراکیں متعارف کرائے گی۔ جب جنگ بندی کو باضابطہ بنایا گیا، تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ایل ٹی ٹی ای کو کولمبو حکومت کے ساتھ ایک مساوی قانونی فریق کے طور پر تسلیم کیا گیا، جبکہ دیگر تملوں کے خیالات کو نظر انداز کیا گیا، اور ایل ٹی ٹی ای کو اس کے زیر کنٹرول علاقوں میں تمام سری لنکن باشندوں پر مؤثر کنٹرول دے دیا گیا۔ برطانوی قدامت پسند اخبارات نے اسے "تاریخ کا سب سے بڑا تحفہ" قرار دیا۔ کولمبو نے خود مختاری اور علاقہ چھوڑ دیا اور اس کے بدلے میں بہت کم حاصل کیا، سوائے ایک عارضی اور اکثر منقطع ہونے والے امن کے۔ تھائی لینڈ، ناروے، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں چھ براہ راست مذاکرات ہوئے۔ حکومت نے وفاقی حل کی طرف قدم بڑھایا، اور ایل ٹی ٹی ای نے الگ ریاست کے مطالبے

سے ہٹنے کے آثار ظاہر کیے۔ دونوں فریقوں نے جنگی قیدیوں کا تبادلہ کیا۔ بین الاقوامی تنازعہ حل کرنے کے ماہرین نے یہاں تک کہا کہ کوسوو مستقبل کے تمل ایلم کے لیے ایک ماڈل بن سکتا ہے۔ تاہم، جنگ بندی کے انتظامیہ کا رنگ بلقان نہیں بلکہ کافی حد تک نورڈک تھا۔ ایک اہم شخصیت ناروے کے سری لنکا کے لیے خصوصی ایلچی، ایرک سولہیم تھے، جو ناروے کی بائیں بازو کی سیاست سے تعلق رکھنے والے ایک لمبے قد کے سیاستدان تھے۔ اوسلو نے ایک ٹرائیکا تشکیل دی جس میں سولہیم، ناروے کی وزارت خارجہ کی کیرسٹی ٹرومسڈال، اور نائب وزیر خارجہ ویدر ہیلسن شامل تھے۔ یہ سفارتی تین رکنی ٹیم کولمبو میں حکومت اور لندن میں مقیم ایل ٹی ٹی ای کے اہم مذاکرات کار انتون بالاسنگھم کے درمیان مذاکرات کرتی رہی۔ جنگ بندی کے اعلان کے بعد، ایس ایل ایم ایم–مانیٹرنگ مشن–بنایا گیا، جس میں پانچ نورڈک ممالک، ڈنمارک، فن لینڈ، آئس لینڈ، ناروے اور سویڈن کے عملے شامل تھے۔ ناروے عام طور پر پینسٹھ مانیٹروں کی قیادت کرتا تھا، جن میں سابق فوجی اور پولیس اہلکار، نیز ماہرین تعلیم اور تکنیکی ماہرین شامل تھے۔ مانیٹرز اپنی ڈیوٹی انجام دیتے تھے لیکن اکثر وہ گرم موسم اور ثقافتی پیچیدگیوں کو چیلنجنگ پاتے تھے۔ اپنے جرنلوں اور یادداشتوں میں وہ پاگلوں کی طرح ڈرائیونگ کے بارے میں اور گایوں سے ٹکرانے کے خطرے، جو ہندوؤں کے لیے مقدس تھیں، کے علاوہ رات کے وقت ہاتھیوں سے تصادم کے خدشات کا ذکر کرتے تھے۔ کولمبو نے بھی ایک امن

سیکرٹریٹ قائم کیا تاکہ بیرونی مشن کے ساتھ کام کیا جاسکے؛ اس کی ایک اہم شکایت نورڈک مشن کی نفاذ کے طریقہ کار کی کمی تھی-امن معاہدے میں ایل ٹی ٹی ای کی مسلسل خلاف ورزیوں کے لیے کوئی پابندی کا طریقہ کار شامل نہیں تھا۔ یہ شاید وہ وقت تھا جب ایک وفاقی حل انصاف پر مبنی اور پائیدار امن لا سکتا تھا۔ شاید۔ اگر بین الاقوامی کھلاڑیوں اور غیر ملکی واقعات نے جنگ بندی لانے میں کردار ادا کیا، تو داخلی عوامل نے امن کے خلاف سازش کی۔ ایل ٹی ٹی ای اور حکومت دونوں اندرونی طور پر تقسیم ہو گئے تھے۔ دو اہم سنہالی پارٹیوں کے درمیان سب سے بڑا دشمن ایک دوسرے کے خلاف تھا، جبکہ ایل ٹی ٹی ای عام طور پر دوسرے نمبر پر آتی تھی۔ 2001 کے انتخابات نے پہلی بار ایک وزیر اعظم اور صدر کو مختلف جماعتوں سے منتخب کیا۔ وزیر اعظم وکرما سنگھے کی یو این پی پارٹی وفاقی حل کے حق میں تھی، لیکن صدر کمارا تنگا کی پارٹی کے سخت گیر عناصر اور قوم پرست اتحادیوں نے ایل ٹی ٹی ای کی جنگ بندی کو جنگ کے لیے دوبارہ تیار ہونے کی چال کے طور پر دیکھا۔ تمل اعتدال پسند اب بھی خوفناک انجام کا سامنا کر رہے تھے۔ ایل ٹی ٹی ای نے بچوں کے سپاہیوں سمیت بھرتیاں جاری رکھیں -فوج نے انہیں 'بے بی بریگیڈز' کہا۔ کیڈرز نے اپنے اثر ورسوخ کا دائرہ مزید جنوب تک بڑھایا، اور اہم مقامات کے ارد گرد مزید اڈے قائم کیے، خاص طور پر ترنکومالی بحری اڈے کے قریب۔ شمال میں حکومت اور ایل ٹی ٹی ای کے علاقے کے درمیان نسبتاً واضح حد بندی لائنیں موجود تھیں؛ یہ مشرق

میں سچ نہیں تھا، جس نے کیڈرز کو آہستہ آہستہ اپنے اثرات بڑھانے کا موقع دیا۔ اسی طرح ایل ٹی ٹی ای نے خاص طور پر ہتھیاروں کی خریداری کے لیے اپنے بین الاقوامی نیٹ ورکس کو بڑھایا۔ سرد جنگ کے خاتمے نے وسطی ایشیا اور مشرقی یورپ میں ہتھیاروں، منشیات اور انسانوں کی اسمگلنگ کے لیے وسیع مواقع فراہم کیے تھے۔ ایک سفید کالر 'کلین اسکن' آپریشن جس کی سربراہی کے. پی. (کمارن پٹھمانا تھن) کر رہے تھے، بنکاک، پیرس، کوالالمپور اور جوہانسبرگ جیسے شہروں میں دفاتر رکھتا تھا۔ فرنٹ دفاتر قانونی کاروبار چلاتے تھے تاکہ ناجائز مال—ہیروئن اور ہتھیاروں—کو دھویا جا سکے۔ پردے کے پیچھے، مثال کے طور پر برطانیہ اور کینیڈا میں تملوں کی جلاوطنی میں ہندو مندروں کے اندر، مالی کنٹرول مراکز تحفظ کے نظام کے ذریعے تمل جلاوطنوں سے پیسے وصول کرتے تھے، اور پھر اپنے قانونی کاروباروں کے ذریعے، ایک وسیع رینج کے فراڈ، خاص طور پر کریڈٹ کارڈ جرائم، کرتے تھے۔ پربھاکرن کے پاس اپنی خود مختار ریاست تھی، جس کی اپنی کسٹمز چوکیاں تھیں۔ ایل ٹی ٹی ای کا صدر نارڈک رہنماؤں اور غیر ملکی جنگجوؤں سے مذاکرات کرتا تھا، جو اس کے عبوری دارالحکومت کیلینوچی میں اس سے ملنے آتے تھے۔ ہزاروں پرانے جنگجو کیڈر غیر فعال کر دیے گئے تھے تاکہ وہ اپنے خاندانوں میں واپس جا سکیں اور جلاوطنوں کی آئیڈیلزم رکھنے والے بیٹے اور بیٹیاں گھر واپس آئیں تاکہ نئی بننے والی ایلم کا لطف اٹھا سکیں۔ لیکن ٹائیگرز کی میڈیا مہم نے ان کے جنگی نعروں کو برقرار رکھا۔

پربھاکرن کی سالانہ عظیم ہیروز ڈے کی تقریر 27 نومبر کو وائس آف ٹائیگرز ریڈیو اسٹیشن پر نشر کی جاتی تھی۔ 2005 تک یہ تقریر ایل ٹی ٹی ای کے ٹی وی سروس کے ذریعے آتی تھی، اور پھر سیٹلائٹ کے ذریعے پوری دنیا میں جلاوطنوں تک پہنچتی تھی۔ انٹرنیٹ کو ٹائیگرز کی بے شمار ویب سائٹس کے ذریعے ہنر مندی سے استعمال کیا گیا۔ لندن میں ایل ٹی ٹی ای کے دفتر کو ایلم ہاؤس کہا جاتا تھا، جو سابق نوآبادیاتی مثالوں جیسے آسٹریلیا ہاؤس اور کینیڈا ہاؤس کی نقل کرتا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای کے زیر کنٹرول علاقوں میں شہادت کے کلچر کو فروغ دیا گیا۔ روایتی ہندو رسم و رواج کے برعکس، جہاں لاشوں کو جلایا جاتا ہے، ایل ٹی ٹی ای نے وسیع اور خوبصورت قبرستان بنائے، جہاں خاندان اپنے جدوجہد کے ہیروز کا سوگ منا سکتے تھے۔ جھنڈے لہراتے اور ان مقامات پر ایک مندر جیسا ماحول پیدا کیا گیا۔ ان تدفین کی تقریبات اور خودکش حملوں کی ویڈیوز کو بیرون ملک پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کیا گیا تاکہ جلاوطن تملوں کو نئی ریاست کے لیے مالی امداد دینے پر اکسایا جا سکے۔ مختصر یہ کہ کولمبو میں ایل ٹی ٹی ای کے بارے میں یہ سخت شکوک کہ وہ امن کی بات کرتے ہوئے جنگ کی تیاری کر رہی تھی، کسی حد تک درست تھے۔ حکومت کو فوج اور خاص طور پر انٹیلیجنس ونگز کی جانب سے خوشامد کرنے پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ بحری افسران پر سمندری ٹائیگرز کے خلاف گشت کم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا اور انہیں ایل ٹی ٹی ای کے ترنکومالی کے گھیراؤ کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار نہ کرنے کے لیے کہا

گیا۔ فوجی انٹیلیجنس کے خدشات کو بھی نظر انداز کیا گیا، خاص طور پر ایس ایل ایم ایم مشن کے مبینہ جانبداری کے حوالے سے، جسے حکومتی علاقوں میں آزادانہ رسائی حاصل تھی لیکن ٹائیگرز کے علاقوں میں محدود رسائی دی جاتی تھی، جو اکثر صرف کیلینوچی میں ملاقاتوں تک محدود ہوتی تھی۔ فوج کا خیال تھا کہ ایل ٹی ٹی ای کی امن معاہدے کی زیادہ تر خلاف ورزیوں کو حکومت اور بین الاقوامی برادری نظر انداز کر رہی ہے۔ اپریل 2003 میں امن مذاکرات اس وقت عوامی طور پر تعطل کا شکار ہو گئے جب ایل ٹی ٹی ای نے یہ دلیل دی کہ انہیں جنگ بندی سے مناسب اقتصادی فائدے نہیں مل رہے ہیں۔ بعد میں باغیوں نے ایک عبوری خود مختار اتھارٹی کی بنیاد پر اپنے امن منصوبے پیش کیے۔ اس زیادہ سے زیادہ مطالبے کو جنوبی سیاست دانوں کی ایک بڑی تعداد نے تمل کی آزادی کے راستے میں ایک حد سے آگے بڑھنے والا قدم قرار دیا۔ ایل ٹی ٹی ای کی ناقص سفارتکاری نے کولمبو میں اپنے ممکنہ امن شراکت دار، یو این پی حکومت کو کمزور کر دیا۔ سنہالی اپوزیشن جماعتوں نے ایل ٹی ٹی ای کی جنگ بندی کی متعدد خلاف ورزیوں کو مسلسل اجاگر کیا۔ ٹائیگرز کی جانب سے تمل مخالفین کے باقاعدہ قتل نہ صرف کولمبو کو ناراض کرتے تھے۔ مارچ 2004 میں پربھاکرن کی ایل ٹی ٹی ای پر مضبوط گرفت ٹوٹ گئی۔ کرنل کرونا، جو کہ ونایگامورتھی مورلیترن کا فرضی نام تھا، نے مشرق میں 5,000 سے 6,000 جنگجوؤں کی قیادت کی۔ 1987 سے ایک سینئر کمانڈر کی حیثیت سے، اس نے بہت سی لڑائیاں

اور قیادت کے طریقہ کار دیکھے تھے اور آخر کار اس نے پربھاکرن کی قاتلانہ حکمرانی سے تنگ آ کر فیصلہ کیا کہ بس اب بہت ہو گیا ہے۔ حکمت عملی، اسلحے کی تقسیم، اور آخر کار پیسے کے معاملات پر اختلافات نے پربھاکرن کو کرونا کو شمال میں اپنے کمانڈ بنکر میں بلانے پر مجبور کیا۔ کرونا کو شک تھا کہ یہ ایک طرفہ سفر ہو گا۔ کرونا نے اپنے اُس وقت کے جذبات کا خلاصہ کچھ یوں کیا: "میری پربھاکرن کے ساتھ بنیادی مسئلہ اس کی سخت رویے کی وجہ سے تھا... وہ یا تو ایلم چاہتا تھا یا کچھ نہیں...

پھر ایل ٹی ٹی ای کے اندر ایک اور مسئلہ تھا۔ چونکہ پربھاکرن کا تعلق جافنا سے تھا، قیادت اور تنظیم کے اندر تمام اہم عہدے ہمیشہ شمالی تملوں کو دیے جاتے تھے۔ حالانکہ زیادہ تر جنگجو مشرق سے آتے تھے، ہمیں کبھی ہمارا حق نہیں ملا... جب میں نے یہ مسائل اٹھائے... تو مجھے احساس ہوا کہ وہ مجھے ہٹانا چاہتے ہیں... لیکن میں نے وقت سے پہلے ہی نشانیاں پڑھ لیں اور علیحدگی کا فیصلہ کیا۔" کرونا پہلے ہی فوجی انٹیلیجنس کے ساتھ رابطے میں تھا اور اسے اپنی طرف مائل کیا گیا، شروع میں اسے کولمبو ہلٹن کی آرام دہ رہائش فراہم کی گئی۔ کرونا کی منحرفی نے فوج کی طاقت میں زیادہ اضافہ نہیں کیا، حالانکہ تقسیم کے ابتدائی مراحل میں دونوں بڑے باغی دھڑے وقفے وقفے سے ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ تاہم اس تقسیم کا جو بڑا فائدہ ہوا وہ یہ تھا کہ اس نے ٹائیگر کی ملکی اور غیر ملکی کارروائیوں کے بارے میں معلومات

کا خزانہ فراہم کیا۔ نیشنل انٹیلیجنس کے سربراہ کے مطابق یہ معلومات "خالص سونا" تھیں۔ کرونا کے کچھ بہترین افسران کو کولمبو سے اٹھارہ کلومیٹر دور ایک محفوظ گھر میں رکھا گیا، جہاں باورچی نے انہیں نشہ آور کر کے ایل ٹی ٹی ای کے قاتل کے ہاتھوں گولی مروا دی۔ فوجی انٹیلیجنس کی نظر میں کرونا ایک انقلابی اثاثہ تھا، مگر حکومت کے کچھ نام نہاد 'مفاہمت پسندوں' کے لیے اس کی حیثیت مبہم تھی، جنہیں فکر تھی کہ کرونا کی حمایت کرنے سے امن معاہدہ خراب ہو سکتا ہے۔ کرونا کو عارضی طور پر نیپال کے راستے بھارت بھیج دیا گیا تاکہ اس کی حفاظت کی جا سکے۔ (بعد میں جب راجاپاکسا اقتدار میں آئے، تو کرونا کو خاص طور پر گوٹابایا راجاپاکسا نے قریب کیا، جن کا ہمیشہ یہ خیال تھا کہ ایل ٹی ٹی ای کو منحرف ہونے پر حوصلہ افزائی کرنی چاہیے نہ کہ سزا دینی چاہیے۔ برطانیہ میں امیگریشن قوانین کی خلاف ورزی پر جیل میں مختصر مدت گزارنے کے بعد، کرونا اور اس کے کچھ حامیوں کو دوبارہ صوبائی اور قومی سیاست میں شامل ہونے پر راضی کیا گیا۔ یہ جمہوری سیاست کے حق میں ایک علامتی اقدام تھا، لیکن یہ ایک چالاک "تقسیم کرو اور حکومت کرو" حکمت عملی بھی تھی، جس کا مقصد مشرقی اور شمالی تملوں کے درمیان موجود دراڑوں کو مزید وسیع کرنا تھا۔) جنگ بندی سیاسی تقسیم کے باوجود برقرار رہی، چاہے وہ ایل ٹی ٹی ای میں ہوں یا کولمبو میں، جہاں فوجی انٹیلیجنس اور حکومت کے درمیان اختلافات کو وزراء نے میڈیا میں افشا کیا۔ 2005 تک بین الاقوامی نگرانی مشن نے حکومت کی

300 خلاف ورزیوں کی فہرست تیار کی، لیکن ایل ٹی ٹی ای کی جانب سے ان خلاف ورزیوں کی تعداد دس گنا زیادہ تھی۔ دونوں فریقین نے ایک دوسرے پر اپنے علاقوں میں خفیہ کارروائیوں کا الزام لگایا، اور دونوں کی بات درست تھی۔ ایل ٹی ٹی ای نے کرونا کی علیحدگی کا الزام کولمبو پر لگایا، نہ کہ اپنے ظالمانہ تعلقات پر جو اس نے مشرقی تملوں کے ساتھ قائم کر رکھے تھے۔ کرونا کی منحرفی 6 اپریل 2004 کو مہنداراجاپاکسا کے وزیر اعظم منتخب ہونے کے ساتھ ہی ہوئی۔ انہوں نے یونائیٹڈ پیپلز فریڈم الائنس کی قیادت کی، جسے ٹائیگرز کے خلاف سخت پالیسی کے تحت منتخب کیا گیا تھا۔ کامیاب سری لنکن سیاستدانوں کی طرح وزیر اعظم راجاپاکسا کا تعلق بھی ایک سیاسی خاندان سے تھا، لیکن وہ کولمبو کی اشرافیہ سے نہیں بلکہ جنوبی ہمبنٹوٹا کے عام طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا مخصوص سرخی مائل بھورا شال کوراکن (جو کہ غریب کسانوں کی بنیادی غذا تھی) کے رنگ کا تھا۔ ان کا سفید لباس ہمیشہ بے داغ ہوتا تھا، جو بدھ مت کی پاکیزگی اور روحانیت کی علامت تھا، لیکن ان کی قیمتی انگوٹھیاں اور زوردار قہقہے ان کی دنیاوی دلچسپیوں کا اشارہ دیتے تھے۔ بیرل سینہ والے یہ رگبی کے پرستار، جن کے مشکوک طور پر سیاہ بال تھے، خود کو عوامی شخصیت کے طور پر پیش کرنا پسند کرتے تھے، اور یہ چیز ان کے سادہ انگریزی بولنے میں واضح ہوتی تھی جب وہ غیر ملکی مہمانوں سے گفتگو کرتے تھے۔ پربھاکرن نے دو دہائیوں تک مرکزی کردار ادا کیا تھا، لیکن مہنداراجاپاکسا کو اپنی نسل کے سب سے طاقتور سری لنکن

سیاستدان کے طور پر انہیں پیچھے چھوڑنا تھا۔ نومبر 2005 میں وہ صدر بننے والے تھے۔ ایک بار پھر، ٹائیگرز اپنی تباہی کے خود ہی معمار بنے۔ 2005 کے صدارتی انتخابات میں انہوں نے بڑی حد تک تملوں کو امن پسند پارٹی کے لیے ووٹ دینے سے روک دیا، جس کے نتیجے میں راجا پاکسا کی جنگی حکمت عملی کو معمولی فرق سے فتح حاصل ہوئی۔ راجا پاکسا کی مرکزی فریڈم پارٹی نے اس وقت کی انتہائی قوم پرست جماعت، جے وی پی، اور نئی نیشنل ہیریٹیج پارٹی سے اتحاد کیا، جو سخت گیر بدھ مت کی اس خواہش سے متاثر تھی کہ وہ ہندو خطرے کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ اس اتحاد نے 2004-5 میں اپنی پوزیشن کو اس وعدے کے ساتھ مستحکم کیا کہ وہ آخر کار ٹائیگرز کو شکست دے گا۔ اگر ایل ٹی ای نے انتخابی دھمکیوں کا سہارا نہ لیا ہوتا، تو اسے اپنی بقا کے سب سے بڑے خطرے کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ پھر قدرت نے ایک بار پھر مداخلت کی۔ مئی 2003 میں ملک کو اپنی تاریخ کے بدترین سیلابوں کا سامنا کرنا پڑا، جس میں 200 افراد ہلاک اور ہزاروں گھر تباہ ہو گئے۔ لیکن اس سے بھی بدتر ہونے والا تھا۔ 26 دسمبر 2004 کو، کرسمس کے اگلے دن، جزیرہ ہند بحر کے سونامی کی زد میں آ گیا۔ اس خطے میں 3 لاکھ سے زیادہ لوگ ہلاک ہو گئے؛ امریکی فوجی سیاستدان کولن پاول نے اس تباہی کا موازنہ ہیروشیما کے سائز کے ایٹمی دھماکے سے کیا۔ دوسروں نے اسے ایشیا کا 9 / 11 قرار دیا۔ 30,000 سے زیادہ سری لنکن ہلاک ہو گئے اور بہت سے بے گھر ہو گئے۔ تباہی نے ایل ٹی ای کو شدید متاثر کیا، خاص طور پر

اس کے بحری اڈے تباہ ہو گئے۔ کولمبو میں فوجی تجزیہ کاروں نے اندازہ لگایا کہ 2,000 سے زیادہ جنگجو مارے گئے، حالانکہ تمل نیٹ پر عوامی سطح پر تنظیم نے اپنے جانی اور جہازی نقصانات کو بہت کم ظاہر کیا۔ تسلیم شدہ سونامی اثرات نے ہمدردی اور ظاہر ہے کہ بیرون ملک سے بڑی رقوم جمع ہونے میں مدد کی۔ ایک اہم محاذ، تمل ریہیبلیٹیشن آرگنائزیشن نے اپنی رپورٹوں کے مطابق ایک ماہ کے اندر تقریباً 500 ملین ڈالر جمع کیے۔ حکومت اور ایل ٹی ٹی ای ابتدائی طور پر نام نہاد پی-ٹومس (سونامی کے بعد آپریشنل مینجمنٹ کا ڈھانچہ) قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس کے نتیجے میں مقامی فنڈز اور 3 ارب ڈالر کی غیر ملکی امداد شمال اور مشرق تک نہ پہنچنے پر جھگڑے (اور پھر مقدمے بازی) شروع ہو گئی۔ جے وی پی نے اس تنازعے پر حکومت چھوڑ دی۔ اس قدرتی آفت نے ایک معمولی معجزہ حاصل کیا- جب سری لنکن عوام اپنی زندگیوں کو دوبارہ تعمیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو تشدد میں نمایاں کمی آئی۔ تاہم، ایل ٹی ٹی ای کے سربراہ کی مکیاولیانہ پالیسیوں نے یہ یقینی بنایا کہ غیر ملکی امداد جو آ رہی تھی، اس نے ہتھیاروں کی اسمگلنگ کے لیے بھی کافی مواقع فراہم کیے، جس میں اس کی فضائی قوت کا نیا مرکز بھی شامل تھا۔ اگرچہ فوجی طور پر یہ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تھا، لیکن حکمتِ عملی کے لحاظ سے یہ ایک زبردست تشہیری تباہی ثابت ہوا۔ واشنگٹن کے نقطہ نظر سے، القاعدہ کے خودکش طیاروں کے شوق کے بعد، یہ حقیقت کہ ایک تنظیم جو عوامی طور پر شہادت کے لیے پرعزم

تھی، دنیا کی پہلی دہشت گرد فضائیہ بن گئی، یقیناً خطرے کی گھنٹیاں بجانے کے لیے کافی تھی۔ یہ ممکنہ طور پر اندرونِ ملک ایک پروپیگنڈا کامیابی تھی، لیکن بین الاقوامی تناظر میں یہ ایک واضح فوجی زیادتی تھی۔ اسی طرح کا ایک اور نقصان ایل ٹی ٹی ای کے ایک نشانے باز کے ہاتھوں لکشمن کادریگمار کے قتل کا تھا، جو ایک تمل اور وزیر خارجہ تھے اور غیر ملکی سفارتکاروں کے نزدیک اپنی بہادری، مہارت اور ذہانت کے لیے انتہائی محترم تھے۔ ایک ایسے سفارتکار کا قتل، جو کامن ویلتھ کے سیکرٹری جنرل بننے کی دوڑ میں شامل تھا، ٹائیگرز کی بین الاقوامی سطح پر بڑھتی ہوئی تنہائی کو مزید اجاگر کرتا تھا۔ نومبر 2005 کے صدارتی انتخابات میں وزیر اعظم راجاپاکسا نے ایل ٹی ٹی ای کے خلاف زیادہ سخت پالیسی کے تحت کامیابی حاصل کی۔ پربھاکرن نے اعلان کیا کہ اگر حکومت 2006 تک مکمل امن کی جانب تیزی سے اقدامات نہیں کرتی، تو وہ جدوجہد کو دوبارہ شروع کرے گا۔ اس کے بعد اگلے مرحلے کی جنگ–ایلام جنگ چہارم–کا میدان تیار ہو چکا تھا۔ تاہم، یہ 2002 سے پہلے کی کھینچا تانی کی جدوجہد کا اعادہ نہیں تھا۔ راجاپاکسا ایک ایسی حکومت کی نمائندگی کر رہے تھے جو ضرورت پڑنے پر فتح کے لیے مکمل جنگ لڑنے کے لیے پوری طرح پرعزم تھی۔ اس کی ایک مثال دوسری جنگ عظیم کے آخری مراحل میں مشرقی محاذ پر سوویت یونین کی گوشت کو پیسنے والی حکمت عملی تھی۔ یہ آخری حد تک لڑائی تھی، جسے کسی غیر ملکی مداخلت، نہ بھارت سے اور نہ ہی نارڈک ممالک سے، ہٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ حتمی

جنگ کے واقعات بیان کرنے سے پہلے، دونوں حریفوں کی فطرت کا تفصیلی جائزہ لینا مفید ہو گا تا کہ یہ سمجھا جاسکے کہ مارکسسٹوں کے الفاظ میں قوتوں کے توازن کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ ان کی اہم طاقتیں اور کمزوریاں کیا تھیں، ان کی اہم حکمت عملیاں اور حربے کیا تھے؟

مرکزی جنگجو

باب نوئم

سری لنکن حکومتی افواج

پس منظر:

سیلون ڈیفنس فورس (CDF) کا قیام 1910 میں عمل میں آیا تھا، حالانکہ ایک رضاکارانہ ریزرو فورس 1881 سے موجود تھی۔ سی ڈی ایف برطانوی فوج کے ماتحت تھا۔ یہ زیادہ تر برطانوی افسران پر مشتمل تھا جبکہ نچلی سطح کے عہدے دار سیلون کے باشندے تھے۔ ایک استثناء سیلون پلانٹرز رائفل کور تھا، جو یورپی باشندوں پر مشتمل تھا۔ اس رائفل کور نے 1899-1902 کی جنوبی افریقی جنگ میں حصہ لیا، جیسے کہ سیلون ماؤنٹڈ انفنٹری نے بھی لیا تھا۔ عظیم جنگ کے دوران، سیلون کے بہت سے افراد، ہر نسل سے، فرانس میں برطانوی فوج میں شامل ہونے کے لئے رضاکارانہ طور پر شامل ہوئے۔ سیلون کی یونٹوں نے مصر اور گیلیپولی مہم میں خدمات انجام دیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران، باقاعدہ یونٹوں کو برطانیہ کے جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ کے تحت کیا گیا، جس کی سربراہی لارڈ لوئس ماؤنٹ بیٹن نے کی۔ جزیرے کو جاپانی حملے کے خدشے کے پیش نظر بڑے پیمانے پر قلعہ بند کیا گیا۔ مثال کے طور

پر، اپریل 1942 میں جاپانی بمباروں نے زیرو لڑاکا طیاروں کے ہمراہ کولمبو اور ایک قریبی رائل ایئر فورس کے اڈے پر بڑے پیمانے پر اچانک حملہ کیا، جس میں آٹھ ہریکین طیارے تباہ ہو گئے۔ سیلون کی نوآبادیاتی افواج کو سیچلس اور کوکوس جزائر جیسے دور دراز مقامات پر تعینات کیا گیا، جہاں انہیں اپنی ہی صفوں میں ایک چھوٹے سے ٹراٹسکائٹ بغاوت کو دبانا پڑا؛ تین سپاہیوں کو کورٹ مارشل کیا گیا اور پھانسی دی گئی، جو انہیں جنگ کے دوران برطانیہ کے ہاتھوں پھانسی دیے جانے والے واحد 'کامن ویلتھ' فوجی بناتے ہیں۔ 1945 تک، سی ڈی ایف کی تعداد تقریباً 20,000 تک پہنچ چکی تھی۔ جنگ کے بعد، سی ڈی ایف نے برطانوی رائل میرینز کی حمایت سے، بائیں بازو کی ہڑتالوں کا مقابلہ کیا۔ آزادی کے بعد، باضابطہ طور پر نوآبادیاتی فورس کو تحلیل کر دیا گیا، لیکن اسے ایک نئے باقاعدہ اور ریزرو فورس ڈھانچے میں دوبارہ تشکیل دیا گیا۔ آزادی کے بعد فوج کی باضابطہ بنیاد 9 اکتوبر 1949 کو رکھی گئی (جو اب سالانہ طور پر فوج کے دن کے طور پر منائی جاتی ہے؛ بحریہ اور فضائیہ مختلف بنیادوں کے دن مناتے ہیں)۔ 1939-45 کی تیز رفتار متحرک ہونے کے برعکس، سی ڈی ایف کو اس کے پچھلے سائز کے تقریباً آدھے تک کم کر دیا گیا۔ 1947 کے ایک دفاعی معاہدے کے تحت، نئی نوآبادی کو کسی بیرونی ریاست کے حملے کی صورت میں برطانوی تحفظ کی پیشکش کی گئی۔ برطانوی فوجی مشیر فراہم کیے گئے، اور حقیقت میں ایک برطانوی بریگیڈیئر نوخیز فوج کی کمان سنبھالتا رہا۔ ابھرتے ہوئے نوجوان

سیلون کے افسران کو رائل ملٹری اکیڈمی، سینڈہرسٹ بھیجا گیا، جبکہ سینئر افسران کو برطانوی اسٹاف کالج، کیمبرلی میں تربیت دی گئی۔ کچھ افسران کو سرد موسم اور سرد جنگ کے تجربے کے لیے رائن کی برطانوی فوج کے ساتھ بھیجا گیا۔ غیر ملکی فوجی تربیت پر زور، اکیسویں صدی تک افسران کی تعلیم کا خاصہ رہا، حالانکہ برطانیہ کی جگہ بعد میں امریکہ، چین، بھارت اور پاکستان نے لے لی۔ اسی طرح، نشانیاں، رینک کا ڈھانچہ اور افسران کی اخلاقیات پر طویل عرصے تک برطانوی فوج کا اثر رہا، حالانکہ نسلی جنگ کی ضروریات نے سینڈہرسٹ اور کیمبرلی میں سکھائے گئے کچھ اصولوں اور معیارات کو تبدیل کیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ، سری لنکا نے بہت بعد میں نیٹو کی افواج کو جنگل جنگی مہارتوں میں تربیت دینے کی پیشکش کی۔

سری لنکن فوج

سری لنکن فوج، جو اب مقامی کمانڈر کے تحت ہے، نے اپنی پہلی بڑی کارروائی (آپریشن مونٹی) اس وقت کی جب ملک میں غیر قانونی جنوبی ہندوستانی تارکین وطن کی آمد کو روکنے کی کوشش کی گئی۔ فوج

نے اس وقت کی رائل سیلون نیوی کے ساتھ مل کر کام کیا۔ 1950 کی دہائی میں فوج زیادہ تر پولیس کی مدد میں مصروف رہی، کیونکہ ملک میں ہڑتالوں اور داخلی فسادات ہو رہے تھے۔ مزدور یونینیں اور بائیں بازو کی جماعتیں معاشی خلل میں سرگرم تھیں، جن میں 1961 کی کولمبو پورٹ کی ہڑتال نمایاں ہے جس نے بڑے پیمانے پر غذائی قلت کا سبب بنی۔ اسی بائیں بازو کی سرگرمیوں کے دوران، کچھ فوجی افسران نے 1962 میں ایک بغاوت کی منصوبہ بندی کی، جو چند گھنٹوں قبل ناکام بنا دی گئی۔ اس بغاوت کے بعد حکومت کو فوج میں مداخلت کا خوف لاحق ہوا، جس نے دہائیوں تک فوج پر سیاسی اعتماد کو کمزور کیا اور فوج کو کم کر دیا گیا۔ 1972 میں، سری لنکا کے جمہوریہ بننے کے بعد، تینوں اہم سروسز کے نام تبدیل کر دیے گئے۔ 1983 سے فوج کا سب سے بڑا مقصد تمل بغاوتوں کے خلاف انسداد بغاوت (COIN) کی کارروائیاں تھیں، حالانکہ دو جے وی پی سنہالی بغاوتیں (1971 اور 1980 کی دہائی کے آخر میں) بھی بڑے پیمانے پر فوجی کارروائیوں کا تقاضہ کرتی تھیں۔ بہت کم افواج نے تین دہائیوں سے زیادہ عرصے تک خانہ جنگی کا سامنا کیا ہے۔ اس دوران، حکمران سیاستدانوں کو اپنی بقا کے لیے اپنی مسلح افواج کو مضبوط کرنا اور مالی وسائل فراہم کرنا ضروری ہو گیا۔ بہت سے ترقی پذیر ممالک کی طرح، سری لنکا نے اقوام متحدہ کے امن مشن میں بھی حصہ لیا۔ 1960 کی دہائی میں کانگو اور 2004 کے بعد ہیٹی سمیت دیگر مشنوں میں فوجی بھیجے گئے۔ ہیٹی میں اوسطاً 1,000 اہلکار تعینات ہوتے تھے۔ 2007

میں، مشن کے 100 سے زیادہ اہلکاروں، بشمول تین افسران، پر جنسی بدسلوکی کے الزامات عائد کیے گئے، جن میں کم سن بچوں کے ساتھ بدسلوکی بھی شامل تھی (حالانکہ یہ کم عمر خواتین کے ساتھ پیسوں کے عوض تعلقات سے متعلق تھے)۔ اقوام متحدہ کی تحقیقات میں تمام سری لنکن فوجی اہلکاروں کو ان الزامات میں قصوروار پایا گیا، حالانکہ کولمبو میں قوم پرست سیاستدانوں نے اسے ایک بین الاقوامی سازش قرار دیا، جو ملک میں تمل بغاوت سے متعلق این جی اوز کی تنقید سے منسلک تھی۔ کولمبو نے ایک سرکاری تحقیقات اور فوری سزا دینے کا وعدہ کیا، اور مجرم رجمنٹ کی جگہ 750 فوجیوں کو جمونو ہیوا رجمنٹ سے تعینات کیا گیا۔ 2010-11 کے دوران، چھوٹے پیمانے پر تعیناتیاں چاڈ، وسطی افریقی جمہوریہ، سوڈان، اور مغربی صحارا میں کی گئیں، جبکہ ہیٹی میں بڑی مشن کو برقرار رکھا گیا۔ نومبر 2010 میں، ایک بکتر بند انفنٹری کمپنی (تقریباً 150 فوجی) اقوام متحدہ کی افواج میں شامل ہونے کے لیے لبنان بھیجی گئی۔

ساخت اور سائز

فوج کی تنظیم برطانوی فوج کے ماڈل پر مبنی ہے۔ اور بھارتی فوج کی طرح، اس نے خاص طور پر آزادی کے وقت وراثت میں ملے ہوئے رجمنٹل نظام کو برقرار رکھا ہے۔ انفنٹری بٹالین، جو میدان میں آپریشنز کی بنیادی اکائی ہوتی ہے، عام طور پر پانچ کمپنیاں ہوتی ہیں، جن میں سے ہر ایک میں چار پلاٹونز شامل ہوتے ہیں۔ ہر پلاٹون میں عام طور پر تین دستے (سیکشنز) ہوتے ہیں، جن میں دس فوجی ہوتے ہیں۔ 1986 میں ایک نیا کمانڈو رجمنٹ تشکیل دیا گیا۔ انفنٹری کے لیے مدد معیاری تھی – بکتر بند رجمنٹ، فیلڈ آرٹلری رجمنٹ، پلس سگنلز اور انجینئرنگ سپورٹ وغیرہ۔ کمانڈو فورسز کے علاوہ، خصوصی فورسز اور ایک راکٹ آرٹلری رجمنٹ بھی اہم تھیں۔ سری لنکن سرکاری اور غیر سرکاری اعداد و شمار اور (آرڈرز آف بیٹل) مغربی معیاری ڈیٹا سے مختلف ہوتے ہیں، جیسے کہ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار اسٹریٹجک اسٹڈیز (IISS) نے فراہم کیا ہے۔ ای ای ایس ایس نے فوج کی موجودہ تعداد 117,000 بتائی ہے، جس میں 78,000 ریگولر اور 39,000 بلائے گئے ریزرو شامل ہیں۔ یہ ایک چھوٹے سے ملک (جس کی آبادی 20 ملین سے زیادہ ہے) کے لیے ایک بڑی فوج ہے، لیکن ایک طویل جنگ کے تناظر میں نہیں۔ تاہم، 2006-09 کی شدید لڑائی کے دوران فوج یقینی طور پر بہت بڑی تھی۔ بریگیڈیئر کے رینک سے اوپر کے متعدد افسران کے ساتھ میری بات چیت نے اس بات کی تصدیق کی کہ فوری بعد از جنگ قوت تقریباً 230,000 تھی۔ بہت سے سینئر افسران نے اس بات پر

زور دیا کہ فوج کو کم نہیں کیا جانا چاہیے، باوجود اس کے کہ ممکنہ بعد از جنگ امن کے فائدے ہیں، اگرچہ انہوں نے تسلیم کیا کہ قدرتی کمی سے ان کی تعداد کم ہو جائے گی۔ جب انہی افسران سے برطانوی فوج کے سائز کا اندازہ لگانے کو کہا گیا تو انہوں نے سب کا خیال تھا کہ یہ ان کی فوج سے بہت بڑی ہے۔ وہ یہ جان کر حیران رہ گئے کہ یہ صرف 100,000 سے تھوڑی زیادہ ہے اور اسے 80,000 تک کم کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے سری لنکن فوج میں ممکنہ کمی کے بارے میں شکایت کرنا بند کر دی۔ 1983 میں فوج کی تعداد تقریباً 12,000 ریگولر تھی۔ تمل جنگ کے آغاز کے بعد جارحانہ بھرتی ہوئی۔ آج کا تقریباً 200,000 کا بڑا اعداد و شمار تقریباً 3,000 خواتین کو بھی شامل کرتا ہے۔ 1979 میں آرمی ویمنز کور کو ایک غیر مسلح، غیر جنگی مددگار یونٹ کے طور پر تشکیل دیا گیا۔ اس کی تحریک اور ابتدائی تربیت برٹش ویمنز رائل آرمی کور سے آئی۔ برطانوی فوج میں خواتین – سوائے میڈیکل، ڈینٹل اور ویٹرنری افسران اور چیپلین (جو مردوں کے ساتھ ایک ہی کور میں تھے) اور نرسیں (جو کوئین الیگزینڈرا کے رائل آرمی نرسنگ کور کی رکن تھیں) – 1949 سے 1992 تک WRAC میں تھیں۔ ابتدائی طور پر سری لنکن ہم منصب اپنے برطانوی والدین سے ملتا جلتا تھا۔ بھرتی میں پانچ سال کی سروس کی وابستگی شامل تھی (مردوں کی طرح) اور اس مدت میں بھرتی ہونے والوں کو شادی کی اجازت نہیں تھی۔ انہوں نے بنیادی تربیت اور ڈرل کی، لیکن ہتھیاروں اور جنگ کی

تربیت نہیں کی۔ تاہم، خواتین کو مردوں کے برابر تنخواہ دی گئی، لیکن عام طور پر انہیں مواصلات، دفتری اور نرسنگ کے فرائض تک محدود رکھا گیا۔ طویل جنگ نے خواتین کے کور کی توسیع کا سبب بنی؛ دو خواتین میجر جنرل کے عہدے تک پہنچیں۔ 2011 تک خواتین کا کور ایک ریگولر اور چار رضاکار رجمنٹوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ سری لنکا کی افواج مکمل طور پر رضاکارانہ خدمات پر مشتمل تھیں–یعنی، وہاں زبردستی بھرتی کا کوئی نظام نہیں تھا– تمام اہلکاروں نے باقاعدہ یا ریزرو سروس کے لیے خود رضاکارانہ طور پر بھرتی ہوئی تھی۔ زبردستی بھرتی کے موضوع پر باقاعدگی سے بحث ہوتی رہی تھی اور 1985 کی قانون سازی کے بعد حکومت کے پاس قومی فوجی خدمت نافذ کرنے کا قانونی اختیار تھا۔ تاہم، اقتصادی دباؤ، حب الوطنی، مذہبی قوم پرستی اور مقامی، خاندانی یا ذات پات کی روایات نے افواج کی بھرتی کو ممکن بنایا تھا۔ بھرتی کا عمل نظریاتی طور پر پورے ملک میں ہوتا تھا، حالانکہ جنگ کے دوران شمالی اور مشرقی صوبوں میں یہ لاگو نہیں ہوتا تھا (تاہم، کچھ تامل افراد نے حکومت نواز ملیشیا کے ساتھ ساتھ باقاعدہ افواج میں بھی شمولیت اختیار کی تھی)۔ جنگ کے بعد، فوج میں انضمام کو فروغ دینے کے لیے 'تامل رجمنٹ' بنانے کے منصوبے کا اعلان کیا گیا تھا۔ (ایک اور استثنا رائفل کور تھا جو ایک مخصوص علاقے سے بھرتی کرتا تھا)۔ سری لنکا آرمی والینٹیئر فورس (SLAVF) فوج کی مرکزی رضاکارانہ ریزرو فورس تھی۔ یہ ریزرو یونٹس کے ساتھ ساتھ نیشنل گارڈ کا اجتماعی نام تھا۔ ایس

ایل اے وی ایف میں جز وقتی افسران اور فوجی شامل تھے، جنہیں فعال ڈیوٹی پر باقاعدہ افواج کے برابر ادائیگی کی جاتی تھی۔ یہ باقاعدہ فوجی ریزرو کے برعکس تھا، جس میں وہ افراد شامل تھے جو اپنی مکمل وقت کی فوجی سروس مکمل کرنے کے بعد کئی سالوں تک متحرک ہونے کی پابندی رکھتے تھے۔

آپریشنل کمانڈ انسداد بغاوت جنگ (COIN) کے رفتار کے مطابق مختلف ہوتی تھی۔ آرمی جنرل اسٹاف فوج کے ہیڈکوارٹر میں قائم تھا۔ فوجیوں کو دارالحکومت کی حفاظت کے لیے تعینات کیا گیا تھا، جسے کئی بڑے دہشت گردانہ حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دارالحکومت کا دفاع کرنے والی فوجیں پانگوڈا چھاؤنی میں تعینات تھیں، جو کئی رجمنٹوں کے ہیڈکوارٹرز، ایک بڑا اسلحہ خانہ اور ایک فوجی ہسپتال کی جگہ تھی۔ زیادہ تر پیادہ فوج کے جوان جنگ کے دوران شمالی اور مشرقی صوبوں میں تعینات تھے؛ انہیں چھ کمانڈز کے تحت رکھا گیا تھا جنہیں سکیورٹی فورسز ہیڈکوارٹر کہا جاتا تھا: جافنا (SFHQ-J)، وانی (SFHQ-W)، مشرق (SFHQ-E)، کلینوچی (SFHQ-KLN)، ملائیو (SFHQ-MLT) اور جنوب (SFHQ-S)۔ افسروں کی تربیت کے لیے، سری لنکا نے بڑی حد تک برطانوی ماڈل اپنایا تھا۔ سینڈہرسٹ کے مقامی متبادل کو سری لنکا ملٹری اکیڈمی (SLMA) کہا جاتا تھا، جو دیاتالاوا میں واقع تھی، جہاں نوجوان کیڈٹ افسران نوے ہفتوں تک تربیت حاصل کرتے تھے، جو

ان کے برطانوی ہم منصبوں سے کہیں زیادہ تھی۔ برطانوی ماڈل کے مطابق (جو 1997 میں برطانیہ میں قائم ہوا تھا) تمام تینوں افواج کے درمیانے درجے کے افسران کو ڈیفنس سروسز کمانڈ اینڈ اسٹاف کالج میں تعلیم دی جاتی تھی۔ کولمبو کے بالکل باہر، کوٹلاوالا ڈیفنس یونیورسٹی 1981 میں قائم کی گئی تھی، جہاں اٹھارہ سے بائیس سال کے نوجوان کیڈٹس تین سالہ کورس کرتے تھے۔ سینئر افسران کی غیر ملکی تربیت برطانیہ سے زیادہ دوستانہ یا فیاض اتحادیوں کی طرف منتقل ہو گئی تھی جیسے پاکستان، چین، ملائیشیا، امریکہ اور حال ہی میں فلپائن۔ اسرائیلیوں سے حاصل کردہ انسداد بغاوت کی تربیت زیادہ خفیہ تھی، جن کے سری لنکا کے ساتھ 1980 کی دہائی کے وسط سے قریبی انٹیلیجنس اور دفاعی خریداری کے تعلقات رہے ہیں۔ ابتدائی دور میں اسرائیلیوں نے شہری علاقوں میں لڑائی کی تربیت میں مدد فراہم کی تھی۔ فوج کے ہتھیاروں کا ابتدائی طور پر زیادہ تر برطانوی دوسری جنگ عظیم کا بچا ہوا سازوسامان تھا، حالانکہ جنگ کے بعد کچھ بکتر بند جنگی گاڑیاں جیسے سالاڈن، سارا سین اور فیرٹ بھی شامل کی گئیں۔ 1970 کی دہائی تک، برطانیہ کی جگہ سوویت یونین، یوگوسلاویہ اور چین نے لے لی، اور چینی حمایت سب سے زیادہ مستقل رہی۔ جدید انسداد بغاوت کی کارروائیوں کے لیے جدید فوجی سازوسامان کی ضرورت تھی، جن میں بھاری مشین گنز، راکٹ سے چلنے والے گرینیڈ لانچرز، 106 ملی میٹر بغیر ری کوائل رائفلز، 60 ملی میٹر اور 81 ملی میٹر مارٹرز، جدید سنائپر رائفلز اور نائٹ وژن آلات

شامل تھے۔ بکتر بند نقل و حرکت کی بھی ضرورت تھی۔ پرانی سالاڈن اور فیرٹ گاڑیاں اینٹی ٹینک ہتھیاروں اور بارودی سرنگوں کے خلاف بہت کمزور تھیں۔ چین نے ٹریکڈ اور پہیوں والی بکتر بند گاڑیاں فراہم کیں، جن میں ٹائپ 85 آبی گاڑی بھی شامل تھی۔ ماسکو سے 45 بی ٹی آر-80 بکتر بند گاڑیاں آئیں، جنہوں نے پرانی بی ٹی آر-152 کو تبدیل کیا۔ 1985 کے بعد جنوبی افریقہ نے بفیل گاڑیاں فراہم کیں، جو ایلام جنگوں میں بارودی سرنگوں کے خلاف بہت مؤثر ثابت ہوئی تھیں۔ سری لنکا نے پھر اپنی مقامی قسمیں تیار کیں، جن میں یونی بفیل (300 گاڑیاں مقامی طور پر تیار کی گئیں) اور یونیکورن شامل تھے۔ سوویت یونین نے تقریباً 300 انفنٹری فائٹنگ گاڑیاں فراہم کیں (بی ایم پی کی مختلف قسمیں)۔ چیکوسلواکیہ نے تقریباً 80 ٹی-55 درمیانی جنگی ٹینک بھیجے، جبکہ چین نے ٹائپ 59 ٹینکوں کی فراہمی سے برابری کی۔ فوج نے چینی ٹائپ 63 آبی ٹینک بھی استعمال کیے۔ سری لنکا کا دعویٰ تھا کہ اس کے پاس 62 مین بیٹل ٹینک (MTBs) ہیں۔ بیشتر درآمد شدہ سازوسامان فرسودہ تھا، لیکن اسے دوبارہ تیار کیا گیا اور جنگ میں اکثر مفید ثابت ہوا۔ توپ خانے کا بیشتر حصہ چین سے آیا، خاص طور پر 122 ملی میٹر، 130 ملی میٹر اور 152 ملی میٹر کی ہووٹزرز جو 1990 کی دہائی کے وسط میں متعارف کرائی گئیں۔ 2000 کے بعد سے، "سٹالن آرگنز" کی مہلک اولاد، 122 ملی میٹر کے ملٹی بیرل راکٹ لانچرز کو تعینات کیا گیا۔ کولمبو نے چیکوسلواکیہ سے تقریباً 30 RM-71 اور روس

سے چند BM-21 راکٹ لانچرز حاصل کیے۔ راکٹ توپ خانہ زیادہ درست نہیں ہوتا لیکن یہ جسمانی اور اخلاقی طور پر وصول کنندہ کو تباہ کن اثرات پہنچا سکتا ہے۔ فوج کو مارٹرز کی معیاری اقسام کے ساتھ بھی اچھی طرح لیس کیا گیا تھا، جن میں 60 ملی میٹر کے ہلکے مارٹر سے لے کر 120 ملی میٹر کے کھینچے جانے والے ورژن تک شامل تھے، یہ سب بیجنگ کی مدد سے فراہم کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ، فوج نے کافی جدید ریڈار کاؤنٹر بیٹری آلات بھی استعمال کیے، جیسے کہ امریکی ساختہ AN/TPQ-36 فائر فائنڈر۔ تاہم، امریکی نظام پرانا تھا اور سری لنکا کو پرزوں کی کمی کا سامنا تھا۔ پھر چینیوں نے بہتر آلات کے ساتھ قدم رکھا۔ جب میں نے فوج کے کمانڈر، لیفٹیننٹ جنرل جگت جے سوریہ سے پوچھا کہ وہ کس ہتھیار کو سب سے زیادہ مفید سمجھتے ہیں، تو انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا: "آرٹلری لوکیشن ریڈارز۔ ہم دوست اور دشمن کا پتہ لگا سکتے تھے۔ یہ سب سے اہم تھا۔ ہمارے پاس پانچ سسٹمز تھے۔ باہم جڑے ہوئے نظاموں کے ساتھ، ہمارے پاس مکمل کوریج تھی۔ 2008 سے، یہ سسٹم تعینات تھا۔" فوج کے زیادہ تر جانی نقصان ایل ٹی ٹی ای کے مارٹرز اور توپ خانے سے ہوا تھا۔

فوج کے ایک سینئر آرٹلری ماہر، بریگیڈیئر اے پی سی ناپا گوڈا نے 2006–09 کی مہم کو اس طرح بیان کیا: ماویل آرو کی جنگ سے لے کر آخری جنگ تک جو نندیکدل جھیل پر ہوئی، توپ خانے کی بریگیڈ

نے ہلکی، درمیانی گنز، (ملٹی بیرل راکٹ لانچرز) اور لوکیٹو ریڈار کا مناسب تعداد میں استعمال کیا...

جس کی بدولت کسی بھی مخصوص علاقے میں توپ خانوں کی زیادہ تعداد کو ممکن بنایا گیا۔ سری لنکن فوج نے مقامی اور درآمد شدہ سگنل سسٹمز کو یکجا کیا۔ شاید سب سے اہم بات یہ تھی کہ بغیر پائلٹ کے ڈرونز سے براہ راست فیڈز فوجی ہیڈ کوارٹر اور ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز کو فراہم کی گئیں۔ مواصلات کے دیگر بنیادی ذرائع ریڈیو اور CDMA (کوڈ ڈویژن ملٹیپل ایکسیس ٹیکنالوجی) تھے؛ بعد الذکر نے کمانڈرز کو تمام سطحوں پر محفوظ اور انٹرایکٹو 'ڈوپلیکس' کمیونیکیشن فراہم کی۔ دشمن کے نیٹ ورکس کو درہم برہم کرنے کے لیے VHF اور UHF جیمرز کا استعمال کیا گیا۔ فوج نے ایل ٹی ٹی ای کے تیار کردہ بارودی آلات کو ناکام بنانے کے لیے مقامی طور پر تیار کردہ مین پیک بم جیمرز بھی استعمال کیے۔ سری لنکا نے وسیع رینج کے انفنٹری ہتھیار حاصل کیے۔ بریٹا M9 اور گلاک 17 اکثر استعمال ہونے والے ہینڈ گن تھے۔ کمیونسٹ ذرائع سے AK-47 اسالٹ رائفلز بہت عام تھیں، اور مغربی ممالک سے ہیکلر اور کوچ FN ،G3s اور امریکی M16 رائفلز بھی استعمال ہوئیں۔ مشین گنز بھی مختلف تھیں، جن میں کلاسک برطانوی سٹرلنگ سے لے کر جرمن MP5 اور اسرائیلی اوزی بھی شامل تھیں۔ پرانی FN MAG گن ایک روایتی اور قابل اعتماد ہتھیار تھی۔ روسی RPD (ٹائپ 56 LMG) کی چینی ورژن بھی استعمال ہوئیں۔ گرینیڈ لانچرز جنوبی افریقہ اور جرمنی سے آئے، جبکہ

M-203 امریکہ سے حاصل کیے گئے۔ بہت سے RPGs (ہاتھ سے چلنے والے راکٹ لانچرز) چین سے آئے، اور اینٹی ٹینک میزائل پاکستان سے حاصل کیے گئے۔

آرمی کی حکمت عملی

خشکی اور سمندر پر سرکاری فورسز نے روایتی جنگ کو غیر روایتی انداز میں لڑا، بعض اوقات باغیوں کی غیر متناسب حکمت عملی کی نقل کرتے ہوئے اور اسے بہتر انداز میں اپناتے ہوئے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ انہوں نے دشمن کے عقب کو غیر مستحکم کرنے کے لیے خصوصی دستوں کے ذریعے چھوٹے گروپوں کی طویل فاصلاتی حکمت عملی استعمال کی۔ کمانڈو رجمنٹ 1980 میں قائم کی گئی تھی، لیکن سب سے مؤثر فوجی دستے خصوصی فورسز (SF) تھے، جو 1985 میں قائم کی گئیں۔ خصوصی فورسز میں تقریباً 5,000 فوجی شامل تھے جو پانچ رجمنٹ میں تقسیم تھے۔ انہوں نے ابتدائی طور پر اسرائیلیوں کے ساتھ تربیت حاصل کی، خاص طور پر شہری جنگ میں، لیکن جلد ہی سری لنکن خصوصی فورسز دنیا کی بہترین جنگل لڑاکا فورسز میں شمار ہونے لگیں۔ وہ آٹھ افراد کی ٹیموں میں لڑتے

تھے، حالانکہ بعض اوقات ہنگامی حالات یا لاجسٹک مقاصد کے لیے دو آٹھ افراد کی ٹیمیں بھی مل کر کارروائی کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر، ایک نگرانی کرنے والی ٹیم ایک ایسی ٹیم کے ساتھ کام کر سکتی تھی جو ایک آگے کا سپلائی پوائنٹ بنا رہی ہو (عام طور پر گولہ بارود، پانی اور دوائیں) اور اگر وہ دشمن کے عناصر سے ٹکراتے تو ایک ساتھ مل کر لڑتے۔ خصوصی فورسز ہیلی کاپٹروں کا استعمال نہیں کرتی تھیں، ایک تو جنگلاتی علاقے کی وجہ سے اور دوسرا چپکے سے کارروائی کرنے کی ضرورت کی وجہ سے۔ وہ پیدل چلتے اور اکثر چالیس سے پچاس کلومیٹر تک دشمن کی صفوں کے پیچھے گھس جاتے تھے۔ فضائیہ کا استعمال صرف پانچ بار ایمرجنسی کیس ایویکوایشن کے لیے کیا گیا، اور وہ بھی زیادہ تر Mi-24 ہیلی کاپٹروں کے ذریعے۔ نہ ہی بحریہ یا ایس بی ایس نے براہ راست زمینی خصوصی فورسز کے ساتھ کام کیا۔ خصوصی فورسز کے کمانڈر نے مجھے بتایا: "ہم نے سمندر کے ذریعے کوئی لینڈنگ نہیں کی – زمینی دراندازی ہمارے لیے زیادہ محفوظ تھی۔" پیراڈراپس پر غور نہیں کیا گیا، خاص طور پر جافنا میں بھارتی فوج کی ناکامی کے باعث۔ طویل فاصلاتی گشت (LRPs) ایک ماہ تک جاری رہ سکتے تھے۔ وہ فضائی اور توپ خانے کے حملوں کے لیے نشاندہی کرتے تھے۔ وہ ایل ٹی ٹی ای کی نقل و حرکت میں خلل ڈالنے کے لیے بھی استعمال ہوتے تھے، خاص طور پر ان کے رہنماؤں اور مواصلات کو نشانہ بنا کر۔ خصوصی فورسز کو دفاعی طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا، جب ایل ٹی ٹی ای کے کامیاب جوابی حملوں کو روکنے یا ان

کے بڑے حملوں کو ناکام بنانے کے لیے۔ مثال کے طور پر، 29 ستمبر 2008 کو، ایل ٹی ٹی ای کی ایلیٹ بلیک ٹائیگرز نے فوجی آپریشنز کے عقب میں ایک فضائی اڈے پر حملہ کیا۔ دو ٹائیگر طیاروں نے بھی اس اڈے پر بمباری کی۔ خصوصی فورسز کے اسکواڈرنز کو تیزی سے بھیجا گیا تاکہ ایل ٹی ٹی ای کی مزید کارروائیوں کو روکا جا سکے۔

ایل ٹی ٹی ای نے حملے کا اچانک فائدہ اٹھایا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ خصوصی فورسز نے قیدی باغیوں کا زیادہ استعمال نہیں کیا، جزوی طور پر اس وجہ سے کہ بہت سے ٹائیگرز نے خودکشی کی گولیاں لے لیں بجائے اس کے کہ وہ ہتھیار ڈالیں۔ جب انہیں قیدی بنایا گیا تب بھی، اسپیشل فورسز نے 'بدلے ہوئے' باغیوں کو قبول کرنے میں بہت ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ حالانکہ روڈیشین سیلوس اسکاؤٹس نے 'بدلے ہوئے دہشت گردوں' کا وسیع اور مؤثر استعمال کیا تھا، جو کہ خود برطانوی 'جعلی گینگ' تکنیکوں پر مبنی تھا، جو ملایا اور کینیا میں لاگو کیے گئے تھے، سری لنکن اسپیشل فورسز نے صرف چند ایک تمل بولنے والے سابق ٹائیگرز کو بہت کم اور نہایت

ہچکچاہٹ کے ساتھ تعینات کیا۔ اسپیشل فورسز کے ذرائع کے مطابق، ایک ہی مثال سامنے آئی تھی کہ ایک جعلی باغی نے اپنی باغیانہ معلومات اور تمل زبان کا استعمال کرتے ہوئے اسپیشل فورسز کے فوجیوں کو ایسے مقام سے نکالنے میں مدد کی جہاں وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ فوج کی بڑے پیمانے پر بھرتی مہم۔ جنگ کے آخری دو سالوں میں ہر ماہ 3000-5000 مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی وجہ سے، حملہ اور دفاع کے لیے گہرائی میں حکمت عملی بنائی گئی۔ مشترکہ خدمات نے دو یا تین انفنٹری لائنیں فراہم کیں تاکہ ایل ٹی ٹی ای کے پچھلے حربے کو روک سکیں، جس میں وہ دفاعی لائنوں کو پیچھے سے گھیرتے یا اندر گھس جاتے تھے۔ بظاہر یہ ایک روایتی اور سیدھی سوچ کو ظاہر کرتا ہے، لیکن حقیقت میں اسپیشل فورسز اور کمانڈو لمبی دوری کی گشتی فورسز کی سوچ پوری انفنٹری پر لاگو کی گئی تھی، جس میں چھوٹے یونٹوں کی خود مختار حکمت عملی پر زور دیا گیا تھا۔ اسپیشل انفنٹری آپریشنز ٹریننگ (SIOT)- جس کے ابتدائی کورس چوالیس دن کے تھے - چھوٹے یونٹوں کو پیچیدہ آپریشن کرنے کی صلاحیت دیتی تھی، جو اکثر مشکل علاقوں میں ہوتے تھے۔ باغیوں کو اپنے علاقے کا علم ہوتا تھا، لہٰذا فوج نے ایسے انفنٹری سپاہیوں کی تلاش کی جو دیہاتوں میں پیدا اور پلے بڑھے ہوں اور جنگلوں کا وہی علم اور برداشت رکھتے ہوں جو کہ باغیوں کے پاس ہوتا تھا۔ اسپیشل فورسز سے لے کر عام انفنٹری تک چھوٹے گروپوں کی حکمت عملی نے لچک اور اکثر علاقے پر غلبہ پیدا کیا۔ صلاحیت کو انعام دیا جاتا تھا، خاص طور

پر نان کمیشنڈ افسران (NCOs) کی صلاحیت کو سراہا جاتا تھا، اور اچھے نان کمیشنڈ افسران کو افسران کے عہدوں پر ترقی دینے کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ہر سطح پر مشن کمانڈ کی جھلک دکھائی دیتی تھی، جو انسداد بغاوت میں بہترین عمل سمجھا جاتا تھا۔ جنگ کے ایک قریبی مبصر، ڈاکٹر ڈیوڈ کلکلن، جو کہ انسداد بغاوت کے ایک مستند ماہر ہیں، نے جنگ کے آخری مراحل پر تبصرہ کیا: "ٹائیگرز نے حکومت کا سامنا ایک متوازن انداز میں کیا، یعنی کھلی جنگ کی شکل میں۔ جواباً، سری لنکن فوج نے انہیں روایتی اور انسداد گوریلا حربوں کے امتزاج کے ذریعے تباہ کر دیا، جس نے ٹائیگرز کو ان کی نسبتاً برتری سے محروم کر دیا، جبکہ آپریشنز کی تیز رفتاری نے انہیں دوبارہ منظم ہونے کا موقع نہ دیا۔" ایل ٹی ٹی ای کا بنیادی طریقہ کار گوریلا جنگ، پوزیشنل دفاع اور آئی ای ڈی کا استعمال کرتے ہوئے حملہ آور ہونا تھا، تاکہ بالواسطہ فائر – آرٹلری اور مارٹرز کے ذریعے بھاری جانی نقصان پہنچایا جا سکے۔ ایل ٹی ٹی ای نے کئی خندقیں اور بند بنائے جو اکثر بھاری اور بے ترتیب بارودی سرنگوں سے بھرے ہوتے تھے۔ آرمی کے سپاہیوں کو ان قلعہ بندیوں سے نمٹنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنے پڑے، جن میں 'بنگلور ٹارپیڈوز' کا استعمال بھی شامل تھا۔ لڑائی کے انجینئرنگ کاموں کے ایک حصے کے طور پر ایک آزاد پل بنانے والی اسکواڈرن بھی تشکیل دی گئی تھی۔ چھوٹے پیمانے پر، انفنٹری نے بندوں سے نمٹنے کے لیے اسپرنگ سے چلنے والی سیڑھیوں کا استعمال کیا۔ انجینئرز نے ٹریکٹرز میں تبدیلیاں کیں تاکہ سڑکوں کی

کمی کا ازالہ کیا جا سکے، خاص طور پر شدید مون سون اور سیلاب کے دوران۔ اکثر راشن ہوا کے ذریعے گرائے جاتے تھے۔ بڑی فوج کو وسیع لاجسٹک سپورٹ کی ضرورت تھی۔ ایک انجینئرنگ چیلنج کو ایرانامادو اور ادیار کٹو کے ذخائر میں پانی کے نیچے سے ٹائیگرز جنگجوؤں کی دراندازی کو روکنے کے لیے اسٹیل کی جالیوں کی تنصیب سے پورا کیا گیا۔ پانی آرمی میڈیکل کور کے لیے بھی ایک چیلنج تھا۔ قریب ڈوب جانے والے، ایک غیر متوقع قسم کے زخمی، کا سامنا اس وقت ہوا جب ایل ٹی ٹی ای نے کالمدو کلام ٹینک (ذخیرہ) کے ارد گرد کے بند کو دھماکے سے اڑا دیا۔ فرنٹ لائن میڈیکل اسٹاف کو 60 فیصد زخمی مارٹر اور آرٹلری کے دھماکوں سے اور 40 فیصد گولیوں کے زخموں سے نمٹنا پڑا۔ انہیں استوائی بیماریوں، خاص طور پر ہیپاٹائٹس اے کا بھی علاج کرنا پڑا۔ بعد از صدمہ ذہنی دباؤ کے امراض نے بھی اپنا اثر دکھایا۔ مختصراً، حکمت عملی کی لچک کے ساتھ ساتھ عددی برتری (اور فضائی برتری) نے فوج کو مہم کے آخری مراحل میں ٹائیگرز کو غالب آنے اور پھر شکست دینے کا موقع فراہم کیا۔

بحریہ

چونکہ سری لنکا ایک جزیرہ ہے جو اہم سمندری راستوں کے درمیان واقع ہے، اس لیے بحری دفاع ہمیشہ سے ایک اہم سیکورٹی مسئلہ رہا ہے۔ 1937 میں سری لنکا بحری رضاکار فورس (CNVF) قائم کی گئی۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران، یہ فورس جلدی سے رائل نیوی کا حصہ بن گئی۔ 1950 میں، ایک چھوٹا سا گروہ افسران اور اہلکاروں نے رائل سری لنکا نیوی کی بنیاد رکھی، جس کا نام بعد میں ملک کے جمہوریہ بننے پر تبدیل کیا گیا۔ ابتدائی بحریہ کی توسیع کا انحصار برطانیہ اور کینیڈا سے حاصل کردہ پرانے جہازوں کی خریداری پر تھا۔ 1962 کی بغاوت کی سازش کے بعد، بحریہ کو فوج سے بھی زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ جہاز فروخت کیے گئے، افرادی قوت میں کمی کی گئی، اور برطانیہ میں تربیت بھی کم کر دی گئی۔ اس وجہ سے، بحریہ پہلے جے وی پی بغاوت اور تامل بغاوت کے آغاز کے لیے تیار نہ تھی۔ فوری طور پر حل کے طور پر، سوویت یونین سے ایک جدید ترین شرشین کلاس ٹارپیڈو بوٹ اور چین سے شنگھائی-11 کلاس کی تیز رفتار گن بوٹس خریدی گئیں تاکہ ساحلی نگرانی اور بندرگاہوں کی حفاظت کی جا سکے۔ نئے اڈے تعمیر کیے گئے، خاص طور پر بھارت سے جنوبی سری لنکا میں اسمگلنگ کو روکنے کے لیے۔ بحریہ نے اپنی زمینی قوت بھی تیار کی جو اڈوں کے دفاع کے لیے تھی، جسے بعد میں نیول پیٹرول مین کہا جانے لگا، اور یہ جارحانہ کارروائیوں کے قابل ہو گئی۔ بحریہ نے برطانوی ایس بی ایس (Special Boat Service) کی طرز پر ایک خصوصی بوٹ سروس بھی بنائی۔ جب ایل ٹی ٹی ای کی جنگ وسیع

ہوئی اور ٹائیگرز نے بڑے پیمانے پر بیرون ملک سے ہتھیاروں کی خریداری پر انحصار کیا، تو سری لنکا نے ایک نیلی سمندری حکمت عملی تیار کی جو بڑے جہازوں کو ڈبونے کی صلاحیت رکھتی تھی، حتیٰ کہ آسٹریلیا کے ساحلی پانیوں سے کچھ دور بھی۔ بحریہ کا ہیڈ کوارٹر کولمبو میں تھا، جو چھ بحری کمانڈ ایریاز کو کنٹرول کرتا تھا۔ جنگ کے بعد، ساحلی دفاع کا کچھ حصہ نو تشکیل شدہ کوسٹ گارڈ کو منتقل کر دیا گیا۔

2012 میں بحری بیڑے میں پچاس سے زیادہ جنگی، معاون جہاز اور ساحلی کرافٹ شامل تھے، جنہیں چین، بھارت، اسرائیل اور حال ہی میں مقامی طور پر تیار کیا گیا تھا۔ آئی آئی ایس ایس کے مطابق، بحریہ کے فعال اور ریزرو اہلکاروں کی تعداد 9,000 تھی، لیکن یہ ایک کم اندازہ معلوم ہوتا تھا۔ زیادہ درست اندازہ 48,000 تھا، جن میں سے تقریباً 15,000 زمینی تعیناتیوں کے لیے مخصوص تھے۔ خواتین بھی باقاعدہ اور ریزرو کرداروں میں خدمات انجام دیتی تھیں۔ ابتدا میں خواتین کو طبی شعبے تک محدود رکھا گیا تھا لیکن جنگ کی شدت نے خواتین کو تمام شعبوں میں خدمات انجام دینے پر مجبور کیا۔ 2007 میں ایک خاتون ڈاکٹر نے کموڈور کا رینک حاصل کیا۔

بحریہ کے ہتھیار

بحریہ کے پاس تقریباً 150 جہاز تھے، لیکن مرکزی بیڑا پچاس کے قریب جنگی اور معاون جہازوں پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ، بحریہ نے تیزی سے 200 چھوٹے ساحلی گشتی کرافٹ تیار کیے۔ بڑے جہازوں کی اکثریت چین، بھارت اور اسرائیل سے آئی، حالانکہ سری لنکا نے خود اپنے بڑے جہاز بنانے شروع کیے۔ سب سے بڑے جنگی جہاز پانچ آف شور پیٹرول ویسلز تھے، جن میں سے ایس ایل این ایس جے ساگارہ سری لنکا میں تیار ہوا اور 1983 میں کمیشن ہوا۔ تمام نیلی سمندری جہاز بحری ہیلی کاپٹرز چلا سکتے تھے، لیکن ناکافی فنڈنگ اور فضائیہ کی مخالفت کے باعث یہ ممکن نہ ہو سکا۔ آف شور پیٹرول جہازوں نے اہم کردار ادا کیا، خاص طور پر ٹائیگرز کی بڑی سپلائی اور اسٹوریج شپوں کو روکنے اور آخر کار انہیں غرق کرنے میں۔ 2001 میں دو اسرائیلی سار 4 کلاس کی تیز رفتار میزائل بوٹس خریدی گئیں۔ انہیں سری لنکا نیوی (SLN) نے نندیمیترا کلاس کا نام دیا، ان پر گیبریل 11 اینٹی شپ میزائل اور مختلف قسم کی توپیں نصب تھیں، جو روایتی جنگی صلاحیت کو بڑھاتی تھیں۔ بحریہ کی ریڑھ کی ہڈی—جو باقاعدہ ساحلی جنگ میں مصروف تھی—تیز رفتار حملہ آور بیڑا تھا۔ اسے 1980 کی دہائی کے اوائل میں اسرائیلی ڈوورا کلاس کی کشتیوں کے ساتھ تشکیل دیا گیا تاکہ بھارت اور سری لنکا کے

درمیان پالک سٹریٹ میں ایل ٹی ٹی ای کی اسلحہ اسمگلنگ کو روکا جا سکے۔ 1984 میں دو ڈوورا کشتیوں کو خریدا گیا اور 1986 میں مزید چار۔ تقریباً پچیس میٹر لمبی اور تقریباً سنتالیس ٹن وزنی، یہ کشتی 45 ناٹس کی رفتار تک پہنچ سکتی تھی اور تیز فائرنگ کرنے والی گنوں سے لیس تھی، جو سمندری ٹائیگرز (Sea Tigers) کے 'سوورمنگ' وولف-پیک حملہ حکمت عملی کو روکنے کے قابل تھیں-جو کہ غیر متوازن بحری جنگ کا ایک بڑا عنصر تھا۔ سی ٹائیگرز کی چھوٹی فائبر گلاس کی خود کش کشتیوں نے بحری اور سول قافلوں پر حملے کیے۔ تیز رفتار حملہ آور بیڑے نے ایل ٹی ٹی ای کے علاقے میں واقع متعدد کھاڑیوں اور اترنے کے مقامات پر گشت بھی کیا تاکہ بڑی نیلی پانی والی کشتیوں سے سپلائی حاصل کرنے والی چھوٹی کشتیوں کو روکا جا سکے۔ اس بیڑے میں مختلف قسم کی تیز رفتار حملہ آور کشتیوں کی اقسام شامل تھیں: چار بھاری اسرائیلی سپر ڈوورا (مارک 11) کشتیوں کو 1995-96 میں فراہم کیا گیا۔ بحریہ نے اسرائیلی شالدگ کلاس کے ڈیزائن کا استعمال کرتے ہوئے اپنی کولمبو کلاس بھی تعمیر کی۔ دس دیگر تیز رفتار حملہ آور کشتیاں چین سے آئی تھیں۔ دوسری بحریاؤں کی کشتیوں کے مقابلے میں، سری لنکن بحریہ کی تیز رفتار حملہ آور کشتیاں زیادہ مسلح تھیں۔ یہ ابتدا میں دو یا تین مشین گنوں کے ساتھ شروع ہوئیں لیکن سی ٹائیگرز کی کشتیوں پر نصب ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے کے لیے زیادہ مسلح ہو گئیں۔ آخر کار، تیز رفتار حملہ آور کشتیوں کے پاس طوفانی 25-30 ملی میٹر کی مستحکم توپیں مرکزی ہتھیار کے طور پر تھیں۔

انہیں دن اور رات، ہر موسم میں، طویل فاصلے کے الیکٹرو آپٹک سسٹمز سے منسلک کیا گیا تھا۔ حالیہ کولمبو کلاس کو ایلوپ ایم ایس آئی ایس آپٹرونک ڈائریکٹر سے لیس کیا گیا اور طوفان جی ایف سی ایس (GFCS) کا اپنا ہتھیار کنٹرول سسٹم تھا۔ ان میں جدید سطح کی تلاش کے ریڈار سسٹم بھی نصب تھے۔ اس کے علاوہ، یہ اوپر لیکن 20 ملی میٹر توپ، خودکار گرینیڈ لانچر اور پی کے ایم (PKM) جنرل پرپز مشین گن جیسے ہتھیار بھی رکھتے تھے۔ یہ زیادہ مسلح معلوم ہوتا ہے، لیکن بھاری ہتھیاروں کی ضرورت اس لیے تھی تاکہ عملے کو سی ٹائیگرز کی خودکش کشتیوں سے بچایا جا سکے جو انہیں ٹکر مارنے یا قریب آکر خود کو دھماکے سے اڑانے کی کوشش کرتی تھیں۔ تیز رفتار حملہ آور کشتیوں پر عام طور پر اٹھارہ عملے کے ارکان ہوتے تھے اور یہ گروپ کی شکل میں گشت کرتی تھیں، عموماً، لیکن ہمیشہ نہیں، رات کے وقت۔ ٹائیگرز نے بہت سخت جنگ کی اور پیچھے نہیں ہٹے؛ بعض اوقات بیڑے کو لڑائی سے پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ ایک تیز رفتار حملہ آور کپتان نے کہا، 'فلیک جیکٹیں کسی کام کی نہیں تھیں، سوائے کچھ شیل کے ٹکڑوں کے؛ بھاری کیلیبر شیر گنیں لوگوں کو آدھا کر دیتی تھیں۔'

ان شور پیٹرول کرافٹ بہت چھوٹے تھے (چودہ میٹر لمبے)۔ انہیں بندرگاہ کی دفاعی کارروائیوں اور ایمفیبیئس آپریشنز کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ، سات میٹر لمبی ایرو کلاس بھاری اسلحے سے لیس تیز رفتار کشتیاں تھیں جو سری لنکا میں تیار کی گئیں اور ایس بی ایس اور اس کی شاخ، ریپڈ ایکشن بوٹ اسکواڈرن (RABS) کے ذریعہ استعمال کی جاتی تھیں۔ ایس بی ایس، جو 2005 میں قائم کی گئی، تقریباً 600 افراد پر مشتمل تھی۔ جو لوگ ایس بی ایس کی سخت تربیت پاس کرتے تھے لیکن آخری انتخاب کے مرحلے کے لیے کافی نہیں ہوتے تھے، وہ ار اے بی ایس میں شامل ہو سکتے تھے، جس میں تقریباً 400 افراد شامل تھے۔ بڑی آبی حملوں کی حمایت کے لیے، سری لنکن بحریہ کے پاس ایک ٹینک لینڈنگ جہاز اور دیگر امدادی کشتیاں تھیں۔ یوہائی کلاس جہاز دو ٹینکوں اور 250 فوجیوں کو منتقل کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ چھوٹی چینی ساختہ لینڈنگ کشتیاں بھی موجود تھیں۔ سری لنکن بحریہ کے پاس عملے کی نقل و حمل اور سامان کی فراہمی کے لیے کئی امدادی جہاز بھی تھے۔ جنگ کے دوران بحریہ کے پاس کوئی مخصوص فضائی اثاثے یا بغیر پائلٹ کے فضائی گاڑیاں (UAVs) نہیں تھیں۔ جنگ کے بعد، سمندر میں گشت کرنے والے جہازوں پر مبنی ابتدائی فضائی بیڑہ HAL چیتک (جو کہ مشہور فرانسیسی الویٹ سوم کا بھارتی ورژن ہے) اور HH-65 ڈولفن ہیلی کاپٹر کے ساتھ تجربات کرنے لگا، جنہیں امریکی کوسٹ گارڈ مختصر فاصلے کی ہوا-سمندر بچاؤ کی کارروائیوں میں بڑے پیمانے پر

استعمال کرتا تھا۔ زیادہ تر بحری اثاثے اور ایس بی ایس یونٹ جنگ کے دوران ٹرنکومالی میں موجود تھے، جو دنیا کی بہترین اور خوبصورت ترین بندرگاہوں میں سے ایک ہے۔ جنگ کے دوران اس پر مسلسل حملے ہوتے رہے، سمندر سے، سمندر کے نیچے سے، اور ان کمانڈوز کی طرف سے جو قریبی جنگلاتی علاقے میں گھس چکے تھے۔ کسی بھی برطانوی مہمان کو اس فوجی اڈے پر اس کی نوآبادیاتی وراثت متاثر کرتی: سڑکوں اور چوراہوں کے نام آکسفورڈ اسٹریٹ اور پکاڈیلی سرکس کے نام پر ہیں۔ سیمر کاٹیج کے برآمدوں پر بندر چڑھتے پھرتے ہیں، جو ڈرمنڈ ہل روڈ پر واقع ہے۔ یہ بہت منظم ہے، بالکل شاہی بحریہ کی طرح، جس میں میس / وارڈروم میں سمارٹ ویٹرز شدید گرمی میں ٹھنڈی جن اور ٹانک پیش کرتے ہیں۔

بحری حکمت عملی

یہ بہت کم ہوتا ہے کہ ایک باغی گروہ کی بحری قوت روایتی (انسداد بغاوت) طاقت کے برابر پہنچے، بلکہ بعض مواقع پر اسے پیچھے بھی چھوڑ دے۔ بحری جنگ طویل، متحرک اور شدید تھی: اس میں 1982

کی فاکلینڈ جنگ کے بعد سب سے زیادہ بحری جہازوں کا نقصان ہوا۔ 679 سمندری میل کے ساحل کی حفاظت کے لیے بحریہ کی تعداد تقریباً 50,000 تک پہنچ گئی (جس میں 15,000 زمینی حفاظتی نیول پیٹرول مین شامل تھے)، جو بھارتی بحریہ کے تقریباً برابر تھی۔ لیکن زیادہ تر جنگ کے دوران، سی ٹائیگرز نے اپنے لچکدار اور تباہ کن حکمت عملیوں، خصوصاً خودکش اور حملہ آور کشتیوں کے ذریعے بہتر کارکردگی دکھائی۔ انہوں نے اگست 1995 میں ایک ڈوورا تیز حملہ آور کشتی کو ڈبو دیا اور مارچ 1996 میں ایک اور کو تباہ کیا۔ ٹائیگرز نے اپنی سمندری فتوحات کی ویڈیو بنا کر اپنے پروپیگنڈا ذرائع میں نشر کیں۔ انہوں نے مزید چھ مختلف کلاسوں کی تیز حملہ آور کشتیوں کو تباہ کیا۔ جب 2005 میں جنگ بندی ختم ہوئی، سی ٹائیگرز نے زیادہ اور بڑی کشتیاں بھیجنا شروع کیں، جن میں خودکش کشتیوں کو 'ولف پیک' میں شامل کیا گیا۔ بلیک ٹائیگرز کے خودکش عملے اور کشتیاں، ان کی کم پروفائل اور 35-40 ناٹ کی رفتار کی وجہ سے، شناخت کرنا مشکل تھا۔ جیسے فوج نے چھوٹے گروپوں کے تصور کو ترقی دی، ویسے ہی بحریہ نے اپنی چھوٹی کشتیوں کی حکمت عملی کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے باغیوں کو ان کے ہی طریقے سے شکست دینے کی کوشش کی۔ بحریہ نے سی ٹائیگرز کی غیر متوازن حملوں والی حکمت عملی کو بڑے پیمانے پر اپنایا۔ سینکڑوں چھوٹی ساحلی پیٹرول کشتیاں فائبر گلاس سے بنائی گئیں؛ ان میں سب سے چھوٹی تئیس فٹ کی "ایرو" کشتی تھی۔ بڑی چودہ میٹر اور سترہ میٹر کی قسمیں بھی بنائی گئیں۔ بڑی

کشتیوں میں دو نالی والی 23mm کی بندوقیں اور ایک 44mm کی خودکار دستی بم لانچر تھا (جو سنگاپور سے حاصل کیا گیا تھا)۔ تیز حملہ آور کشتیاں زیادہ دور تک، زیادہ دیر تک اور زیادہ طاقت کے ساتھ حملہ کر سکتی تھیں، لیکن یہ طوفانی سمندر میں غیر مستحکم ہوتی تھیں اور اکثر چھوٹی کشتیوں کی مدد کی ضرورت ہوتی تھی تاکہ جھرمٹ میں حملہ کرنے والی کشتیوں کو شکست دی جا سکے۔ چھوٹی ساحلی پیٹرول کشتیاں (IPCs) اہم اسٹریٹجک مقامات پر تعینات تھیں تاکہ سی ٹائیگرز کے اچانک حملوں کا فوری ردعمل دے سکیں۔ اگرچہ زیادہ تر لڑائی رات میں ہوتی تھی، بحریہ کو 24 گھنٹے نگرانی برقرار رکھنی پڑتی تھی۔ کئی اسکواڈرنز مل کر پچاس یا ساٹھ کشتیوں پر مشتمل ایک انسداد جھرمٹ بنا سکتے تھے۔ بری فوج کی طرح، بحریہ بھی دشمن کے خلاف تیر نما فارمیشن کا استعمال کرتی تاکہ فائرنگ کا دائرہ وسیع کیا جا سکے۔ یا وہ تین متوازی قطاروں میں حملہ کرتے، تاکہ اپنی تعداد کو چھپا سکیں اور اچانک حملے کا عنصر بڑھا سکیں۔ ایس بی ایس چار یا آٹھ افراد پر مشتمل ٹیموں میں کام کرتا تھا، جو خفیہ مشن کے لیے ایروبوٹس یا ربڑ کی کشتیوں کے ذریعے روانہ ہوتے تھے۔ ایس بی ایس نے اہم نگرانی فراہم کی، لیکن زمینی حملوں میں بھی حصہ لیا۔ ایس بی ایس کی بنیادی تربیت ایک سال کی ہوتی تھی، جس میں اکثریت اس کے اختتام تک پہنچنے سے پہلے ہی دستبردار ہو جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی تربیت بھارتی میرین کمانڈوز اور امریکی خصوصی دستوں بشمول سیلز کے ذریعے مزید بہتر کی جاتی تھی۔ آر اے بی ایس نے بڑی تعداد میں اینٹی

سوارمنگ بوٹس کو چلایا، جو ایک مشکل اور خطرناک کام تھا۔ بحریہ کی کارکردگی میں 2006 کے بعد کافی بہتری آئی۔ اس نے حکومت کی جنگی کوششوں میں اہم کردار ادا کیا، خاص طور پر ساحلی علاقوں میں اسلحے کی فراہمی کو روک کر۔ اس کے بعد، بحریہ نے "پیجن" نامی ایل ٹی ٹی ای کے تیرتے گوداموں کو غرق کر کے ایک توسیعی بلیو واٹر اسٹریٹیجی اختیار کی۔ یہ بحریہ نے جافنا میں موجود گیریسن تک ضروری سامان پہنچانے کے لیے ایک اہم سپلائی لائن بھی فراہم کی۔ جنگ کے آخری مراحل میں بحریہ نے بچ جانے والی ٹائیگر قیادت کو سمندر کے ذریعے فرار ہونے سے روکا، اور عام شہریوں کے لیے انسانی امدادی مشنوں میں بھی حصہ لیا۔ ایل ٹی ٹی ای کی لاجسٹکس کی کلید بے نشان تجارتی جہاز تھے جو جزیرے سے 1600 کلومیٹر دور ٹھہرے رہتے تھے، اور پھر تقریباً 150 کلومیٹر کے فاصلے پر ایل ٹی ٹی ای کے ماہی گیری کے ٹرالرز سے رابطہ کرنے کے لیے آگے بڑھتے تھے، جو مسلح سی ٹائیگرز کی کشتیوں کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ بحریہ نے ابتدائی طور پر لاجسٹک ٹرالرز کے بیڑے کو نشانہ بنایا، اور پہلے سال میں گیارہ ٹرالرز کو غرق کیا۔ بھارتی اور بعض اوقات امریکی انٹیلی جنس کی مدد سے، بحریہ نے ایل ٹی ٹی ای کے پیجن جہازوں کو تلاش کیا۔ بحریہ نے اپنے جدید ترین آف شور پیٹرول جہاز، سایورہ (سابق بھارتی بحریہ کا جہاز، 2000 میں دوبارہ کمیشن کیا گیا) اور سمودورا (پہلے یو ایس ایس کریجیئس، جو 2004 میں امریکی کوسٹ گارڈ سے منتقل ہوا تھا) کو تعینات کیا؛ پرانے تجارتی جہازوں اور ٹینکروں

کو جلدی سے دوبارہ بھریں والے جہازوں کے طور پر تبدیل کیا۔ طویل فاصلے کے بیڑے نے پہلا تیر تا گودام 17 ستمبر 2006 کو 1350 سمندری میل دور سری لنکا سے غرق کیا۔ مزید تین کو 2007 کے اوائل میں غرق کیا گیا۔ پھر بحریہ نے خود کو 1620 سمندری میل جنوب مشرق میں، انڈونیشیا کے ساحل پر کوکوس جزیروں کے قریب، آسٹریلوی علاقے کے قریب پھیلا دیا، اور ستمبر 2007 میں تین جہازوں اور اکتوبر کے اوائل میں ایک چوتھے جہاز کو غرق کر دیا۔ نائب ایڈمرل ڈی ڈبلیو اے ایس ڈسانائیکے، بحری کمانڈر، کولمبو میں بحریہ کے ہیڈکوارٹر میں اپنے شاندار دفتر میں بیٹھے تھے، جس سے سمندر کا ایک عمدہ منظر اور برطانویوں کے بنائے ہوئے لائٹ ہاؤس کا منظر نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنے فارغ وقت میں شاعر اور نغمہ نگار تھے۔ "ہم ایک بڑی بحریہ نہیں ہیں—ہمارے پاس فریگیٹس نہیں ہیں۔ ہم نے خود کو ایڈجسٹ کیا،" انہوں نے کہا۔ "لیکن ہم تقریباً آسٹریلوی پانیوں تک پہنچ گئے اور آخری چار جہازوں کو غرق کر دیا۔" پیچین جہازوں کے پاس بھاری ہتھیار نہیں تھے، لیکن جب بحریہ نے انہیں للکارا تو وہ مشین گنز، مارٹر اور آر پی جی کے ساتھ فائرنگ کر دیتے تھے۔ نائب ایڈمرل نے وضاحت کی کہ ابتدائی مزاحمت کے بعد، ایل ٹی ٹی ای کے ملاحوں نے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش نہیں کی۔ وہ یا تو اپنے سائنائیڈ کی گولیاں نگل لیتے یا بس ڈوب جاتے۔ بحری جنگ میں دونوں طرف سے، سمندر میں گرفتاری یا بچاؤ کی کہانیاں بہت کم تھیں۔ لیٹرل یا گہرے پانی کی لڑائی میں کوئی رحم نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ ایل

ٹی ٹی ای کے جہاز روگ تھے، بحری افسران نے دعویٰ کیا کہ جب ان پر پیجنز کی طرف سے حملہ کیا جاتا تھا تو انہیں اپنی حفاظت کرنے کا حق تھا۔ اسلحہ، گولہ بارود اور دوائیوں کی سپلائی کا نقصان ٹائیگرز کے لیے ایک بڑا لاجسٹک شکست تھا۔ نائب ایڈمرل بحریہ کی لاجسٹک کامیابیوں، خاص طور پر جافنا کو سپلائی کرنے کے بارے میں بھی اتنے ہی فصیح تھے۔ یہ شہر جنگ میں دونوں طرف کے لیے ایک علامت تھا۔ ٹائیگرز نے اسے 1986 میں قبضے میں لیا اور بھارتی افواج 1987 میں مختصر اور غیر مستحکم طور پر اسے قبضے میں لینے میں کامیاب ہوئیں۔ 1989 سے 1995 تک یہ دوبارہ باغیوں کے کنٹرول میں رہا۔ فوج نے 1995 میں شہر کو دوبارہ حاصل کیا۔ اس کے بعد اس کا طویل محاصرہ کولمبو حکومت کے لیے اتنا ہی علامتی تھا جتنا لینن گراڈ (اب سینٹ پیٹرزبرگ) دوسری جنگ عظیم میں سوویتوں کے لیے تھا۔ اس کا دفاع ہر قیمت پر کیا جانا تھا۔ بحریہ نے ایک تبدیل شدہ کروز جہاز کی نگرانی کی جسے انہوں نے جافنا کو دوبارہ سپلائی کرنے کے لیے جیٹ لائنر کا نام دیا۔ اس نے ٹرنکومالی سے جافنا کے شمال مشرقی ساحل تک، ایل ٹی ٹی ای کے کنٹرول والے ساحل کے خطرناک سفر میں پانچ سے چھ گھنٹے لگے۔ مغربی راستہ قابل عبور نہیں تھا، سوائے بہت چھوٹی کشتیوں یا ہوور کرافٹ کے ذریعے۔ جیٹ لائنر، جو خود بھاری مشین گنوں سے لیس تھا، عام طور پر سمندری ٹائیگرز کے حملوں کو روکنے کے لیے بیس سے زیادہ جہازوں اور کشتیوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ پیچ کرافٹ طیارے اور یو اے ویز قافلے کا سراغ لگاتے تھے۔

یہ قافلہ صبح سویرے روانہ ہوتا، اور جافنا پہنچ کر تیزی سے 30 منٹ کے اندر لوٹ جاتا، تاکہ اندھیرے سے پہلے ایل ٹی ٹی ای کے ساحل کو عبور کر سکے۔ ایک یا دو بار ہفتے میں تقریباً 40 ٹن سامان اور 3000 فوجی منتقل کیے جاتے۔ پورے بحریہ اور واقعی دفاعی ہیڈ کوارٹر میں سب سے اعلیٰ افسران تک قافلے کے ایل ٹی ٹی ای کی توپوں اور سمندری حملے کے خطرات سے بچنے تک الرٹ رہتے۔ جافنا کو ہوائی راستے سے بھی سپلائی کی جاتی تھی، لیکن صرف بحریہ ہی کافی تعداد میں افراد اور سامان لے جا سکتی تھی تاکہ شہر کو حکومتی ہاتھ میں برقرار رکھا جا سکے۔ "اگر یہ جہاز ڈوب گیا ہوتا، تو ہم جنگ ہار چکے ہوتے،" بحری کمانڈر نے اعتراف کیا۔ بحریہ اپنے جنگ کے آخری مراحل میں کیے گئے اقدامات پر بھی فخر محسوس کرتا تھا۔ نائب ایڈمرل نے اصرار کیا کہ بحریہ نے کیج میں ایل ٹی ٹی ای کے باقی ماندہ عناصر پر کوئی بحری توپ خانہ استعمال نہیں کیا، لیکن اس نے آخری خودکش کشتیوں کے خطرات کا سامنا کیا تاکہ ہزاروں شہریوں کو ساحلوں سے بچایا جا سکے جب وہ ٹائیگر کی سزا دینے والی ٹکڑیوں اور سری لنکن فوج کی گھیرے میں آنے کی کوشش سے بھاگ رہے تھے۔ بحریہ نے شدید لڑائی کا سامنا کیا — کچھ سمندری لڑائیاں چودہ گھنٹے تک جاری رہیں — اور جہازوں کے ڈوبنے میں بہت سے ابتدائی نقصانات اٹھائے۔ بحریہ کی قیادت کو بھی بلیک ٹائیگر اسکواڈز نے نشانہ بنایا۔ 16 نومبر 1992 کو بحریہ کے سربراہ، نائب ایڈمرل ڈبلیو ڈبلیو ای سی فرنینڈو، کولمبو میں ایک خودکش بمبار کے ذریعے مارے گئے جب ایک

موٹر سائیکل پر سوار حملہ آور نے ایڈمرل کی عملے کی گاڑی میں دھماکہ کیا۔ اکتوبر 2007 میں ایک ٹرک بمبار نے 107 آف ڈیوٹی ملاحوں کی ایک اسمبلی کو ہلاک کر دیا، جو جنگ کا سب سے مہلک خودکش حملہ تھا۔ مجموعی طور پر، بحریہ نے اس تنازع میں اپنے ایک ہزار سے زیادہ اہلکار کھو دیے۔ پھر بھی، اس نے بالآخر سی ٹائیگرز کے حملوں کو شکست دینے کے لیے اپنی چھوٹی کشتیوں کے تصور اور ایل ٹی ٹی ای کی سپلائیز کی بڑی روک تھام کی وجہ سے سمندری غلبہ حاصل کیا۔ یہ ایک چار جہتی جنگ تھی زمین، ہوا، سمندر اور زیر آب لڑائی۔ تاہم، بحریہ نے ایک جدید اینٹی مائن وارفیئر کی صلاحیت تیار نہیں کی۔ ٹائیگرز نے نیوی کے جہازوں کو تباہ کرنے کے لیے بارودی سرنگوں اور نیم زیر آبی آلات کے ساتھ غوطہ خوروں کا استعمال کیا۔ ٹائیگرز آبدوزی جنگ کی ترقی کی کوشش کر رہے تھے؛ جنگ کے آخری مراحل میں فوج نے مختلف خام پروٹوٹائپس کو قبضے میں لیا۔

ایئر فورس

ایئر فورس ایک جونیئر سروس تھی، جو 1951 میں رائل سیلون ایئر فورس کے طور پر قائم کی گئی تھی۔ حیرت کی بات نہیں ہے کہ سروس کا زیادہ تر طرزِ عمل اور انداز برطانوی رائل ایئر فورس پر مبنی تھا،

جس نے ابتدائی تربیتی طیارے فراہم کیے تھے۔ جب 1956 میں برطانویوں نے سیلون میں اپنے اڈے بند کر دیے، تو سیلون کے دو اہم رائل ایئر فورس کے اڈے سیلون حکومت کے حوالے کر دیے گئے۔ اپنے ابتدائی سالوں میں ایئر فورس زیادہ تر امیگریشن گشت پر مامور تھی۔ ٹائیگر بغاوت کے دوران، ایئر فورس نے نقل و حمل اور گشت کی ڈیوٹی سے ہٹ کر انسداد بغاوت کی کارروائیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ ابتدائی جنگی طیارے برطانیہ سے آئے، جن میں ڈی ہیولینڈ ویمپائر جیٹ شامل تھے، حالانکہ انہیں کبھی تعینات نہیں کیا گیا۔ انہیں بارہ بی اے سی جیٹ پرووسٹ T51 طیاروں سے تبدیل کیا گیا، لیکن انہیں بھی ذخیرے میں ڈال دیا گیا (جنہیں 1971 میں پہلے جے وی پی بغاوت کے دوران جلدی متحرک کیا گیا تھا)۔ ایئر فورس کے انوینٹری میں پہلا ہیلی کاپٹر ویسٹ لینڈ ڈریگن فلائی HR 5 تھا، جسے بعد میں امریکی اور بھارتی ہیلی کاپٹرز نے مضبوط کیا۔ ایئر فورس کی پہلی متحرک ڈیوٹی کا مطالبہ جے وی پی بغاوت کے دوران ہوا، خاص طور پر فوج اور پولیس کی تنصیبات کے محاصرے کو ختم کرنے کے لیے؛ ایک ایئر فورس کا اڈہ ایکالا میں بھی سنہالی باغیوں نے حملہ کیا تھا۔ بائیں بازو کی بندرا نائیک حکومت نے سوویت یونین سے ایمرجنسی امداد کی درخواست کی؛ ماسکو نے تیزی سے ہیلی کاپٹرز اور طیاروں بشمول MiG-17F طیارے فراہم کیے۔ یہ وہ وقت تھا جب حریف سپر پاورز غیر وابستہ ممالک کی حمایت حاصل کرنے کے لیے مقابلہ کر رہی تھیں، اس لیے واشنگٹن نے روسیوں کا مقابلہ

کرنے کے لیے چھ بیل G47 ہیلی کاپٹر بھیجے، جنہیں صرف پانچ دن کی پائلٹ ٹریننگ کے بعد تعینات کیا گیا۔ 1971 کی بغاوت کی شکست کے بعد، ایئر فورس کے لیے فنڈز ختم ہو گئے، جس کے بعد انہوں نے غیر ملکی سیاحوں کو جزیرے کے مختلف حسین مقامات کی سیر کرانے کے لیے تجارتی کاروبار چلانے کی تدبیر کی۔ لیکن ٹائیگر بغاوت کے پھوٹنے سے ایئر فورس کو انسداد بغاوت کی کارروائیوں پر توجہ مرکوز کرنی پڑی۔ 1987 تک اس میں 3,700 اہلکاروں کا اضافہ ہو چکا تھا (اسی سال ایک خواتین ونگ بھی قائم کی گئی تھی)۔ لیکن روسی طیارے متروک ہو چکے تھے اور ایئر فورس کے پاس لڑاکا بمبار کی صلاحیت نہیں تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے دنوں کے پرانے برطانوی اڈے دوبارہ فعال کر دیے گئے (مثال کے طور پر بٹیکلو اور سگریہ میں)۔ اتنے سارے مختلف ذرائع سے طیارے فراہم کرنا، خاص طور پر پرزے حاصل کرنا، کافی مشکلات پیدا کر رہا تھا، خاص طور پر جب ٹائیگر کے حملوں کا اثر بڑھ رہا تھا۔ کچھ طیارے سنگاپور میں مرمت کیے گئے، اور کینیڈا نے بیل ہیلی کاپٹروں کے بیڑے کی سروس میں مدد کی۔ جیسے 1970 کی دہائی میں پابندیوں کا شکار روڈیشیائی طیاروں نے بھی ایس ایف s260 کو دوبارہ انسداد بغاوت کے لیے تیار کیا، سری لنکا کے باشندے بھی ایسے شہری یا فوجی تربیتی طیارے خرید کر دوبارہ انسداد بغاوت کے مقاصد کے لیے تیار کرنے میں ماہر ہو گئے تھے جو اٹلی، برطانیہ اور امریکہ سے خریدے گئے تھے۔ چھ SIAI مارچیٹی SF 260 ٹربوپروپس راکٹ حملوں اور فائرنگ کے لیے

استعمال کیے گئے۔ (ایل ٹی ٹی ای نے ان میں سے کئی کو مار گرایا- مثال کے طور پر، ستمبر 1990 اور جولائی 1992 میں، جب دونوں پائلٹ ہلاک ہوئے)۔ برما (میانمار) نے متبادل فراہم کرنے میں مدد کی، لیکن اکیسویں صدی میں چینی ساختہ نانچانگ PT-6 نے پرانے SF 260s کی جگہ لے لی۔ سنگاپور نے بھی بیل ہیلی کاپٹروں (212 اور 412) کو گن شپ اور کمانڈو آپریشنز کے لیے نقل و حمل کے طیاروں کے طور پر دوبارہ تیار کرنے میں مدد کی۔ اس کے علاوہ، نقل و حمل کے طیارے بمباری کے لیے استعمال کیے گئے۔ ہاربن Y-12 کے چھوٹے بیڑے کو بمب ریک کے ساتھ نصب کیا گیا تاکہ وہ 1,000 کلوگرام تک اینٹی پرسنل اور فریگمنٹیشن بم لے جا سکیں۔ یہ تبدیلیاں کامیاب سمجھی جاتی تھیں، جب تک کہ 1992 میں ایک چینی شانکسی Y-8 ایک بمباری مشن کے دوران تباہ نہ ہو گیا۔ 1990 کی دہائی کے اوائل میں فضائیہ نے چین سے چار چینگدو ایف آر-7 اسکائی بولٹس اور دو شینیانگ جے-5 حاصل کیے۔ بیجنگ نے تین ایف ٹی-7 بھی فراہم کیے؛ چونکہ ان میں طاقت اور سامان لے جانے کی صلاحیت کم تھی، اس لیے ایف-7 زیادہ تر تربیتی طیارے کے طور پر استعمال کیے گئے۔ بعد میں، تین ایف-7 بی ایس طیارے زمینی حملوں کے مشن کے لیے شامل کیے گئے۔ چار ایف ایم اے آئی اے 58 پوکاراز بھی زمینی حملوں کے لیے حاصل کیے گئے۔ ارجنٹائن کا یہ کوائن- اسپیشلسٹ طیارہ مختصر اور خراب حالت کے فضائی اڈوں سے استعمال کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا، جیسا کہ

فاک لینڈز کی جنگ میں اس کے وسیع استعمال سے ثابت ہوا، حالانکہ اس تنازع میں اسے چھوٹے ہتھیاروں کی فائرنگ سے بھی مار گرایا گیا۔ سری لنکا میں تین پوکاراز مار گرائے گئے، جن میں سے دو ٹائیگر کی زمین سے فضا میں مار کرنے والی میزائلوں سے تباہ ہوئے۔ بچ جانے والے پوکارا کو پرزوں کی کمی کی وجہ سے ریٹائر کر دیا گیا۔ چھ MiG-27s نے اس کی جگہ لی، جو بہت زیادہ مہلک تھے۔ MiG-27 (جسے نیٹو نے فلاوگر-ڈی / جے کے نام سے کوڈ دیا) ایک متغیر جیومیٹری والا زمینی حملہ کرنے والا لڑاکا طیارہ تھا جو اصل میں سوویت یونین میں بنایا گیا اور بعد میں بھارت میں ہندوستان ایروناٹکس (HAL) کے تحت لائسنس کے تحت تیار کیا گیا۔ ہندوستانی اسے 'بہادر' کہتے تھے۔ MiG-23 کے برعکس، MiG-27 کا روس سے باہر نسبتاً کم استعمال ہوا۔ تمام روسی اور یوکرینی MiG-27s کو اکیسویں صدی کے آغاز تک ریٹائر کر دیا گیا تھا؛ یہ طیارہ بھارتی، قازق اور سری لنکن افواج کے ساتھ فعال سروس میں رہا۔ MiG-27s نے ٹائیگر جنگ میں اسٹریٹجک اہداف پر بمباری کرنے اور قریبی فضائی مدد فراہم کرنے میں وسیع پیمانے پر حصہ لیا۔ اگست 2000 میں ایک MiG-27 کولمبو بین الاقوامی ہوائی اڈے کے قریب گر کر تباہ ہو گیا؛ اس کا یوکرینی پائلٹ زندہ نہ بچ سکا۔ جولائی 2001 میں ایک اور MiG-27 کو ٹائیگرز نے زمین پر تباہ کر دیا۔ ایک اور MiG-27 جون 2004 میں سمندر میں گر کر تباہ ہو گیا۔ پوکاراز نسبتاً کمزور ہو سکتے تھے، لیکن شاید MiGs بھی قسمت میں ناکام

تھے۔ دوسری طرف، ٹائیگرز- جن کے پاس اپنی فضائی یونٹ رکھنے والے بہت کم شورش پسندوں میں سے ایک تھے -ایک زبردست دشمن تھے، زمین، سمندر اور ہوا میں۔ 24 جولائی 2001 کو، جس دن مذکورہ MiG-27 کو زمین پر تباہ کیا گیا تھا، صبح سے پہلے کے حملے میں کاتونائیکے ایئر بیس پر مزید بارہ طیارے بھی تباہ کیے گئے، جو شہری بین الاقوامی ہوائی اڈے کے ساتھ منسلک تھا، جو کولمبو سے پینتیس کلومیٹر دور تھا۔ ان میں دو کیفیر لڑاکا طیارے اور ایک مل Mi-24 گن شپ، ساتھ ہی فوجی تربیتی طیارے اور پانچ شہری جیٹ شامل تھے۔ بین الاقوامی ہوائی اڈے کو جلد ہی کار بموں سے بچانے کے لیے بڑے اینٹی بلاسٹ دیواروں سے گھیر لیا گیا، اور سڑکوں کے راستے اور خود ٹرمینل کو فضائیہ کے ریجمنٹ کے بے عیب لباس میں ملبوس افراد نے سخت حفاظتی حصار میں لے لیا۔ لیکن قومی حوصلے، اور بین الاقوامی سیاحت کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی نہیں ہو سکی۔ 1993 میں تین Mil Mi-17 طیارے ہیلی کاپٹر ٹرانسپورٹ بیڑے میں شامل کیے گئے۔ 1995 میں Mi-24 گن شپ طیارے- جو افغانستان میں ان کی مہلک صلاحیت دیکھنے والے کسی بھی شخص کے لیے خوفناک اڑتے ہوئے ٹینک تھے- کو فوج کے لیے قریبی فضائی مدد فراہم کرنے کے لیے حاصل کیا گیا۔ چھ سال بعد Mi-35s کو ہیلی کاپٹر بیڑے میں شامل کیا گیا۔ یوکرین سے چار MiG-27 طیارے خریدے گئے تاکہ نقصانات کا ازالہ کیا جا سکے۔ سری لنکا نے اپنے ہوائی جہازوں کے لیے جہاں سے بھی ممکن ہو خریداری کی۔ لیکن

ایک مستقل فراہم کنندہ اسرائیل تھا، جو جدید ترین (اور بعد میں بغیر پائلٹ والے) طیاروں کی فراہمی کرتا رہا۔ فضائی لڑاکا قوت میں ڈرامائی طور پر اضافہ 1996 میں ہوا جب اسرائیل نے سات IAI کیفیر فراہم کیے (چھ C.2cs اور ایک TC.2)۔ اسرائیل نے ڈاسالٹ میراج 5 کے ڈیزائنوں کو حاصل کرنے کی مہم ایک دلچسپ کہانی ہے، جس میں موساد کی چالاکی سے فرانسیسی ڈیزائن حاصل کیے گئے، فرانسیسی پابندیوں کے باوجود، اور پھر اسرائیلی تیار کردہ اور امریکی جنرل الیکٹرک J79 انجن کا لائسنس یافتہ ورژن بنایا گیا۔ اسرائیل ایئرکرافٹ انڈسٹریز نے اپنے آلات شامل کیے اور طیارے، واشنگٹن کی اجازت سے، متعدد ممالک کو فروخت کیے، جن میں زیادہ تر جنوبی امریکہ میں تھے، لیکن سری لنکا کو بھی دیے گئے۔ (اسرائیل نے کچھ کیفیر طیارے امریکی بحریہ اور امریکی میرینز کو بھی لیز پر دیے تاکہ وہ 'مخالف طیارے' کے طور پر کام کریں - کبھی کبھی اسرائیلی رنگوں میں؛ عجیب بات ہے کہ واشنگٹن نے امریکی بمقابلہ اسرائیلی فضائی لڑائی کی نقل کی۔) سجیلا کیفیر طیارے 1975 سے 1990 کی دہائی کے وسط تک اسرائیل میں سروس میں تھے، اور اس لیے سری لنکا جیسے کم ترقی یافتہ یا دباؤ کا شکار فضائی افواج کے لیے دستیاب تھے۔ مزید نو کیفیر طیارے 2005 تک کولمبو کے حوالے کیے گئے۔ فضائیہ ایل ٹی ٹی ای کے زیرکنٹرول علاقوں میں مسلسل زمینی حملوں میں مصروف رہی۔ 2006 تک ٹائیگرز نے کئی ترمیم شدہ ہلکے طیارے استعمال کرکے اپنی فضائیہ تیار کر لی تھی۔ فضائی دفاع کی صلاحیت، جسے

طویل عرصے سے نظر انداز کیا گیا تھا، کو فوری طور پر بہتر بنانا پڑا۔ ایک ریڈار نیٹ ورک قائم کیا گیا اور ہوائی اڈوں کی حفاظت کو بڑھایا گیا۔ فضائی مداخلت کو طے شدہ پروں والے اور ہیلی کاپٹرز والے طیاروں کے ذریعے بنایا گیا۔ 2007 سے 2009 تک، ٹائیگرز نے اپنی چھوٹی فضائیہ کا استعمال کرتے ہوئے کولمبو اور کئی فوجی اڈوں پر حملے کیے، جو اکثر معمولی نقصانات کا باعث بنے۔ ٹائیگرز ہمیشہ بہت ہوشیار اور جلدی امپر ووائز کرنے والے تھے۔ اکتوبر 2007 میں ایک فضائیہ کے اڈے سلیاپورہ پر زمینی حملہ ٹائیگرز کے فضائی ونگ کی مختصر حمایت سے ہوا۔ آٹھ سرکاری طیارے تباہ ہوئے اور کئی کو نقصان پہنچا۔ سری لنکا کا جواب نمبر 5 جیٹ اسکواڈرن کا استعمال تھا جو ایف-7 جی طیاروں سے لیس تھا تاکہ حملہ آوروں کو روکا جا سکے۔ سلیاپورہ پر حملے کے ایک سال بعد، سری لنکا کی فضائیہ نے اپنی پہلی فضائی فتح کا دعویٰ کیا، جب یہ کہا گیا کہ ایک ایف-7 جی نے ایک ٹائیگر Zlin Z-143 طیارے کو مار گرایا، جس نے ایک سرکاری اڈے پر بمباری کی کوشش کی تھی۔ ٹائیگرز پہلے ہی اپنی نئی فضائی طاقت کی تصاویر جاری کر چکے تھے: چیکوسلواکیہ میں بنے ہوئے سنگل انجن، چار نشستوں والے طیارے، جن میں چار بموں کو لے جانے کے لیے ترمیم کی گئی تھی۔ جنگ کے آخری مہینوں میں، ایئر ٹائیگرز نے 20 فروری 2009 کو کولمبو پر دو چیک طیاروں کا استعمال کرتے ہوئے ایک خودکش حملہ کیا۔ شدید فضائی دفاعی فائرنگ کے دوران، ایک Zlin Z-143 طیارہ دارالحکومت میں ان لینڈ ریونیو

ڈیپارٹمنٹ کی عمارت سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا، جبکہ دوسرا طیارہ کاتونائیکے کے مرکزی فضائی اڈے کے قریب مار گرایا گیا۔ حال ہی میں آئی آئی ایس ایس ملٹری بیلنس کے مطابق ملک کے پاس تقریباً 150 جنگی طیارے اور 13,500 اہلکار، بشمول مستقل اور ریزرو، موجود تھے، جبکہ سری لنکا کے اعداد و شمار کے مطابق فضائیہ کی سرکاری تعداد 27,400 ہوابازوں اور 1,300 افسران پر مشتمل تھی، حالانکہ ٹائیگر شورش کے خاتمے کے بعد کچھ کو سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ، فضائیہ، اپنے اصل رہنماء رائل ایئر فورس (RAF) کی طرح، ایک فضائیہ رجمنٹ بھی رکھتی تھی جو انفنٹری اور ہلکے بکتر بند یونٹس کا استعمال کرتے ہوئے ہوائی اڈوں کا دفاع کرتی تھی۔ SLAF رجمنٹ کے پاس ایک خصوصی فورسز یونٹ بھی تھا جو جارحانہ کارروائیوں کے لیے تھا، نہ کہ صرف جامد پوزیشنز کے دفاع کے لیے۔ فضائیہ کے ہتھیاروں کے بارے میں آئی آئی ایس ایس نے 23 جنگی طیاروں کا ذکر کیا؛ جبکہ سری لنکن حکام کے مطابق ان کے پاس کم از کم 10 مزید تھے۔ ان میں لڑاکا اور زمینی حملہ کرنے والے طیارے شامل تھے۔ صف اول کے طیاروں میں نمبر 10 فائٹر اسکواڈرن میں شامل دس اسرائیلی کیفیر لڑاکا طیارے شامل تھے۔ اپنی صلاحیتوں کے باوجود، کیفیر طیارے فضائیہ کے لیے بدقسمت ثابت ہوئے۔ اگرچہ کوئی بھی جنگ میں ضائع نہیں ہوا، 2001 میں دو کو زمین پر تباہ کر دیا گیا اور تین حادثات میں ضائع ہوئے۔ جنگ کے اختتام پر، نو کیفیر سروس میں تھے۔ مارچ 2011 میں، دو طیارے ایک فضائی

شو کی مشق کے دوران ٹکرا گئے۔ چونکہ یہ ایک کثیر المقاصد جنگی طیارہ تھا، یہ فضائیہ کا اہم اثاثہ تھا، حالانکہ اس کا ڈیزائن چالیس سال پرانا تھا۔ انٹر سیپٹر کے کردار کے لیے، فضائیہ نے آٹھ چنگدو ایف-7 طیارے صف اول میں تعینات کیے، جن میں چھ تربیتی طیارے ریزرو میں تھے۔ اس کے علاوہ، سات MiG-27M فلاؤ گر طیارے بھی استعمال کیے گئے، جن کی کچھ تربیتی مدد بھی شامل تھی۔ چین، پاکستان اور امریکہ نے بنیادی اور اعلیٰ تربیتی طیارے فراہم کیے۔ ٹرانسپورٹ طیاروں کا انوینٹری معیاری تھی: دو امریکی لاک ہیڈ C-130 ہرکیولیس، پانچ یوکرائنی انتونوف An-32 اور چینی ہاربن Y-12 اور شیان MA60 طیارے شامل تھے۔ فضائیہ کے پاس کوئی مؤثر بڑا بمبار طیارہ نہیں تھا اور انہوں نے Y-12 سے بیرل بم گرانے کا تجربہ کیا۔ یہ طریقہ کار پرانا، سستا لیکن اکثر مؤثر تھا، جب تک کہ ایک بم Y-12 میں ہی پھٹ گیا جس سے دیگر افراد کے علاوہ ایک سینئر افسر کا واحد بیٹا بھی ہلاک ہو گیا۔ اس تجربے کو بند کر دیا گیا۔ تاہم، پاکستان نے جدید بم فراہم کیے اور اسرائیل نے مؤثر لیزر گائیڈڈ ہتھیار فراہم کیے۔ فضائیہ نے کسی بھی کلسٹر بم کے استعمال سے انکار کیا۔ بحری نگرانی کے لیے ایک سسنا 421 گولڈن آئی اور دو بیچ کرافٹ T200 سپر کنگ ایئر استعمال کیے گئے۔ زمینی نگرانی کے لیے 1996 سے UAVs یعنی بغیر پائلٹ کے ہوائی گاڑیوں کا استعمال شروع کیا گیا: اسرائیلی سرچر مارک دوم اور EMIT بلیو ہورائزن 2۔ UAVs چلانے والی یونٹ کو 2007 میں ایک عملی

اسکواڈرن میں اپ گریڈ کیا گیا، لیکن 2008 میں اسے تقسیم کرکے نمبر 111 اور نمبر 112 ایئر سرویلنس اسکواڈرنز بنائے گئے۔ اسرائیلی UAVs کی فراہمی سرچر اور بلیو ہورائزن ڈرونز تک محدود نہیں رہی۔ سری لنکا نے پرانے اسرائیلی اسکاؤٹ اور پھر امریکہ-اسرائیل کے مشترکہ طور پر تیار کردہ RQ-2 پاینیر کا تجربہ کیا۔ تعداد کم تھی، لیکن کولمبو اپنے UAVs اور اسرائیلی انٹیلیجنس / خریداری کے تعلقات کے بارے میں تفصیلات فراہم کرنے میں محتاط رہتا تھا۔ 2012 تک فضائیہ کے پاس دو سرچر (بعد میں ایک) اور چار بلیو ہورائزن UAVs تھے۔ جنگ کے اختتام پر زندہ بچ جانے والے روسی حملہ ہیلی کاپٹروں کی تعداد گیارہ تھی، جو ہند طیاروں کی مختلف اقسام تھیں۔ معاون ہیلی کاپٹرز مختلف ممالک کے تھے: روسی Mi-17 اور امریکی بیل طیاروں کی مختلف اقسام جو ٹرانسپورٹ اور VIP سفر کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ سری لنکن ایئر فورس رجمنٹ نے دفاعی نظام اور ٹوونگ آرٹلری بھی تعینات کی تھی۔ جب جنگ 2009 کے اوائل میں اپنے عروج پر پہنچی تو فضائیہ نے جدیدیت کی منصوبہ بندی کی۔ زیادہ تر ساز و سامان پرانا تھا۔ ماسکو کے ساتھ ہیلی کاپٹرز حاصل کرنے کے لیے بات چیت کی گئی۔ بیجنگ کے ساتھ نئے ٹرانسپورٹ طیاروں پر تبادلہ خیال ہوا۔ انٹرسیپٹر کا کردار مضبوط کرنے کی ضرورت تھی، اس لیے MiG-29 طیارے حاصل کرنے کا امکان زیر غور آیا- یہ طیارے پرانے کیفر ساور MiG-27s کی جگہ لے لیتے۔ فضائیہ کے سربراہان کو

امریکی F-16 طیاروں کا خیال بہت پسند تھا، لیکن سیاسی اور بجٹ کی رکاوٹوں کے باعث یہ ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان اور دیگر منصوبوں پر ماہر ہوابازی کے رسائل میں تبادلہ خیال ہوا۔ تاہم، امن کی خواہشات ممکنہ طور پر تینوں افواج کی جدیدیت اور توسیع کو روک سکتی تھیں۔

ایئر فورس کی حکمت عملی

ایک سابق ایئر فورس کمانڈر کے مطابق، 2006 سے پہلے 'حوصلہ بہت کم تھا کیونکہ مہم کی رک رک کر ہونے والی نوعیت کی وجہ سے'۔ لیکن جب 2006 میں قومی سلامتی کونسل کو دوبارہ متحرک کیا گیا، تو انہوں نے کہا: 'قومی سلامتی کونسل کے پہلے اجلاس میں میں نے دیکھا کہ ایک حقیقی مقصد موجود ہے- کہ اس کام کو مکمل کرنا ضروری ہے۔ ورنہ یہ ملک کہیں نہیں جا رہا تھا۔ تو عزم موجود تھا۔' فوج اور بحریہ اکثر ٹائیگرز کے ساتھ برابر کی شرائط پر لڑتے رہے، اور اکثر بڑے نقصانات کا سامنا کرتے رہے۔ لیکن ایئر فورس کو فضائی برتری حاصل تھی، جسے کبھی کبھار ایئر ٹائیگرز کے پانچ چھوٹے چیک طیاروں نے چیلنج کیا۔ ایک طیارہ ایئر فورس نے مار گرایا، جو فضاء میں لڑائی کے ایک واحد واقعے کی مثال ہے۔

ورنہ تیز جیٹ طیارے زمینی فوجوں پر حملے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ایئر فورس کے اہم کرداروں میں سے ایک کردار جنگی انتظامی مرکز کو UAVs اور نگرانی کے طیاروں سے حقیقی وقت کی ویڈیوز فراہم کرنا تھا۔ پہلے UAVs 1996 میں Super Scout سسٹم کے ساتھ تعینات کیے گئے۔ 2000 میں سارچر مارک 2 کو نمبر 111 اسکواڈرن میں شامل کیا گیا۔ 2007 میں Blue Horizon کو ایک نئے 112 اسکواڈرن میں متعارف کروایا گیا۔ ان کا مقصد انٹیلی جنس اکٹھا کرنا، سمندر اور زمین پر نگرانی، جنگی میدان میں نگرانی، توپ خانہ کی فائرنگ میں درستگی، اور نقصان کا اندازہ لگانا تھا۔ یہ مسلسل پرواز کرتے رہتے اور دشمن کی فائرنگ کی وجہ سے نقصان اٹھاتے۔ (ٹائیگرز انہیں جب شائستگی سے مخاطب کرتے تو Wandu کہتے؛ جس کا مطلب تھا 'بھونرا'۔ سنہالی انہیں Kelama – 'افواہیں پھیلانے والا' کہتے تھے)۔ زمینی فائرنگ کے مقابلے میں زیادہ حادثات بر فباری (کیونکہ یہ مشینیں 100 فیصد واٹر ٹائٹ نہیں تھیں) اور گائرو اور انجن کی ناکامیوں کی وجہ سے ہوتے تھے۔ یقینی طور پر زمین پر–جب میں نے نمبر 111 اسکواڈرن کا دورہ کیا–تو چھوٹی مشین بہت نازک لگ رہی تھی، جیسے کہ دو نصف سائز کے ٹریبز ز۔ یہ عجیب بات تھی کہ پورا اسکواڈرن ایک زندہ بچی ہوئی مشین کے لیے وقف تھا (لیکن امن کے وقت میں انہیں تبدیل کرنے کی لاگت بہت زیادہ تھی)۔ پائلٹوں کو خود ساختہ چھوٹے رنگین لکڑی کے طیاروں کے ساتھ مشق کرنا پڑتی تھی۔ یہ وقت کا ضیاع نہیں تھا، کیونکہ

اسرائیلی مشینیں ایک چھوٹے ٹوگل ڈیوائس کے ذریعے ماڈل طیاروں کی کنٹرول کی طرح لانچ کی جاتی ہیں، پھر جب طیارہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو گراؤنڈ اسٹیشن کنٹرول سنبھالتا ہے۔ امریکی افغانستان میں Hellfire میزائلوں سے لیس Predator طیاروں پر اربوں خرچ کر سکتے تھے، لیکن سری لنکن اپنی چھوٹی بجٹ اور چھوٹے طیاروں کے ساتھ قریب معجزے برپا کر رہے تھے۔ چھوٹا سارچر طیارہ ایک شوقین کا خواب لگتا تھا، لیکن یہ ایک مؤثر جنگی مشین ثابت ہوا۔ اٹیک ہیلی کاپٹرز، خاص طور پر Mi-24، نے بہت فعال کردار ادا کیا۔ پرواز کے لاگز تک رسائی سے لڑائی کے دائرے کے بارے میں بہت سی تفصیلات ملیں۔ کچھ Mi-24 حادثات کا خلاصہ لڑائی کی شدت کو ظاہر کرتا ہے:

19 مارچ 1997 — جنگ میں گمشدہ

10 نومبر 1997 – میزائل حملہ

26 جون 1998 – چھوٹی کیلیبر اینٹی ایئر کرافٹ گن

23 جنوری 2000 – میزائل حملہ

24 مئی 2000 – 'دشمن کی فائرنگ'

19 اکتوبر 2000-'دشمن کی فائرنگ'

27 نومبر 2009-ٹیل روٹر کی ناکامی

اگرچہ زمینی حملوں کی قریبی حمایت کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ جیٹ لائنز نیوی کے قافلے کی حفاظت یا پمفلٹ تقسیم کرنے جیسے معمول کے کام بھی دلچسپ ہیں، لیکن جو بات خاص طور پر انکشاف کرتی ہے وہ ایئر فورس کا خصوصی افواج کے 'گرم' انخلاء میں کردار ہے۔ نمبر 9 اٹیک ہیلی کاپٹر اسکواڈرن کے ریکارڈز اس بات کو ظاہر کرتے ہیں:2 جولائی 2001: ایک طویل فاصلاتی جاسوسی گشت کو ٹائیگرز نے وانی کے گھنے جنگلات میں گھیر لیا تھا۔Mi-24 ہیلی کاپٹرز قریب ہی ایک دھوکہ دہی کے مشن پر روانہ ہوئے۔ ایل ٹی ٹی ای کے جنگجو موقع کی طرف دوڑے، جس سے اسپیشل فورسز کو فرار ہونے کا موقع ملا۔

22 نومبر 2001: دوMi-24 ہیلی کاپٹرز نے اوپر سے تحفظ فراہم کیا۔

29 جولائی 2008: تین اسپیشل فورسز کے اراکین کو دشمن کی شدید فائرنگ کے دوران ایک ایسے علاقے سے نکالنے کی ضرورت تھی جو مانکولم کے شمال مغرب میں آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ نمبر 9 اسکواڈرن کے کمانڈر اور 3rd اسپیشل فورسز رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر کی احتیاط سے کی گئی ہم آہنگی کے تحت، ایک بیل 212 ہیلی کاپٹر بھیجا گیا، لیکن صرف ایک Mi-24 کے تحفظ کے ساتھ (دوسرا ہیلی کاپٹر انجن کی خرابی کے باعث دستیاب نہیں تھا)۔ جنگل کی چھتری کے بالکل اوپر پرواز کرتے ہوئے، بیل ہیلی کاپٹر نے شدید فائرنگ کے دوران اسپیشل فورسز کے اہلکاروں کو نکالا۔ فضائیہ نے، کبھی کبھار زمین پر موجود رابطہ افسران کے ساتھ، فوج کے ساتھ قریبی تعاون کیا، خاص طور پر اسپیشل فورسز کے ساتھ۔ دیگر انفنٹری ذرائع نے دعویٰ کیا کہ فضائیہ فوری فضائی مدد کی درخواستوں کے جواب میں سستی کا مظاہرہ کرتی تھی- لیکن اس طرح کی شکایات ہر جنگ میں پائی جاسکتی ہیں، روزانہ افغانستان میں ہلمند میں نیٹو کی تلخ لڑائیوں میں بھی ایسا ہوتا تھا۔ دشمن کی فائرنگ کے دوران نکالنے کے عمل میں Mi-24 کے کاک پٹ میں موجود نوجوان پرواز لیفٹیننٹس کی زبردست مہارت کی ضرورت ہوتی تھی۔ ایک بار کام سونپنے اور نقاط مقرر کرنے کے بعد ہدف کے علاقے تک پہنچنے میں اوسطاً پینتالیس منٹ لگتے تھے۔ گراؤنڈ سپورٹ آپریشنز میں ہائنڈز کے وسیع استعمال میں فضائیہ اپنی فائر پاور کو کیفیر طیاروں کے ذریعے بڑھا سکتی تھی۔ جولائی 2006 میں جنگ میں، جس نے ایلام جنگ

چاروم کو جنم دیا، گن شپ ہیلی کاپٹرز نے ماویل آرو کے ذخیرے کے ارد گرد کے مقامات پر حملہ کیا۔ قریبی فضائی حمایت کے لیے احتیاط سے ہم آہنگی کی ضرورت تھی تاکہ اپنے ہی فوجیوں کو نقصان پہنچانے سے بچا جا سکے؛ Mi-24 نے ایک بڑے گروہ کو روکا جو چاول کے کھیت سے گزر رہا تھا اور فضائیہ کے لاگز کے مطابق 'دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا'۔ کھلی زمین میں، 12.7 ملی میٹر کی توپ جو ناک سے باہر نکلی ہوتی تھی، اور چھوٹے پروں کے نیچے موجود S24B راکٹ تباہی مچا سکتے تھے۔ ماویل آرو کے ارد گرد کی کارروائیوں میں، Mi-24 نے بیالیس جنگی مشن کیے اور 162 گھنٹے پرواز کی۔ بعد کی کارروائیوں میں، ٹائیگر دارالحکومت کلینوچی کے ارد گرد کی لڑائی میں، نمبر 9 اسکواڈرن نے اپنے تمام دستیاب ہیلی کاپٹرز کو تعینات کیا، حالانکہ مسلسل پروازوں نے مشینوں کو تھکا دیا تھا۔ مین روٹر بلیڈز کی عدم دستیابی نے فوجی آپریشن کے ابتدائی مراحل میں پروازوں کو روک دیا تھا؛ دیگر مشینوں کو توڑ کر، آخر کار چھ ہیلی کاپٹرز کو قابل پرواز بنایا گیا۔ طیارے رات کو چار کی تشکیل میں ایل ٹی ٹی ای کے مضبوط گڑھ پر حملہ کرنے کے لیے اڑتے تھے، مثلاً دیو ہیکل ٹینک کے شمال میں ایل ٹی ٹی ای کی بنکرز پر حملہ کرنا۔ فضائیہ نے آگے دیکھنے والے انفراریڈ آلات (FLIR)، نائٹ ویژن گوگلز اور لیزر گائیڈڈ گولہ بارود تعینات کیے۔ پائلٹس بیرون ملک اپیچی طیاروں کی کارکردگی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے تھے؛ یہاں تک کہ Mi-28 رات کو زیادہ کارآمد ثابت ہوتے۔ اضافی آلات کے باوجود، -Mi

24 میں رات کے وقت آپریشن خطرناک تھے۔ 18 اگست 2008 کو ناگاسیگوانتھورائی میں ایل ٹی ٹی ای کے ریڈار اسٹیشن پر ایک اور رات کے حملے میں، دو ہیلی کاپٹرز نے بیس خواتین ایل ٹی ٹی ای جنگجوؤں کو مار ڈالا، جس سے 'ایل ٹی ٹی ای میں افراتفری پھیل گئی'۔ بعض اوقات حملے فوجی لائنوں کے بہت قریب ہوتے تھے۔ Mi-24 کے حملوں کا ایک خاص نشانہ بھاری مشینری تھی جسے ایل ٹی ٹی ای اپنی دفاعی لائنوں کو تعمیر کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ نمبر 9 اسکواڈرن نے سی ٹائیگر کے اڈوں پر بھی حملہ کیا۔ فضائیہ کا بنیادی مقصد "ایل ٹی ٹی ای کی سپلائی لائنز اور ان کی قیادت پر حملہ کرنا اور ان کی لڑنے کی قوت کو توڑنا" تھا، سابق ایئر کمانڈر اور بعد میں چیف آف ڈیفنس سٹاف، ایئر چیف مارشل روشن گونتیلیکے کے مطابق۔ وہ اس عہدے تک پہنچنے والے ایک عیسائی ہونے کے باوجود اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ فضائیہ میں نسل یا مذہب کبھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ سابق ہیلی کاپٹر پائلٹ نے کہا، "جب میں پرواز کر رہا تھا تو میری ایئر ونگ میں ایک بدھ اور ایک تمل تھے۔" انہوں نے یہ بھی اصرار کیا کہ فضائیہ نے "بہت صاف جنگ لڑی"، اور دستیاب تمام ٹیکنالوجی کا استعمال کیا تاکہ عام شہریوں کو نقصان سے بچایا جا سکے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ پرزوں کی دستیابی اکثر مسئلہ رہتی تھی، حالانکہ روسی ہیلی کاپٹرز کے ساتھ سپلائی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ (انہوں نے اپنے ہی اسکواڈرن کے لاگز میں بیان کردہ روٹر بلیڈز کے حصول میں تاخیر کا ذکر نہیں کیا۔) ان کے بقول،

سب سے بڑا مسئلہ مین پیڈز یعنی کندھے پر فائر کیے جانے والے سطح سے ہوا میں مار کرنے والے میزائل تھے۔ پہلی مرتبہ یہ میزائل 28 اور 29 اپریل 1994 کو لگے اور دو طیارے گر گئے۔ ایئر مارشل نے کہا، "یہ اسٹنگرز تھے۔ وہ افغانستان سے آ رہے تھے، حالانکہ امریکہ انہیں واپس خریدنے کے لیے 400,000 امریکی ڈالر ادا کر رہا تھا، لیکن دیگر دہشت گرد گروہ افغانوں کو زیادہ رقم ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ابتدا میں ایل ٹی ٹی ای کی زمینی فائرنگ نے واقعی مسائل پیدا کیے۔ "ہمیں بڑے اور زیادہ طاقتور ہیلی کاپٹرز اور بڑی بندوقوں کی ضرورت تھی، اور ہمیں زیادہ اونچائی پر جانا پڑتا تھا۔ پھر میزائل آ گئے–مین پیڈز، سام-7–ہم اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہم اس خطرے سے نمٹنے کے لیے سامان حاصل کرنے میں سست تھے۔ ہمیں ہیلی کاپٹرز کو گراونڈ کرنا پڑا، اور اس کا اثر فوج پر بھی پڑا، خاص طور پر رسد کی ترسیل میں۔" اسرائیل کے اینٹی میزائل سسٹم نے کئی خطرات کو حل کیا، لیکن مجموعی طور پر جنگ کے دوران فضائیہ نے ستائیس طیارے اور سینتیس پائلٹس کھوئے۔ چھ Mi-24 ہیلی کاپٹرز کو جنگ میں مار گرایا گیا، اور دو حادثات میں ضائع ہوئے۔ آخرکار پائلٹس کو نچلی سطح کی پروازوں کی عادت ہو گئی، لیکن جب ایل ٹی ٹی ای نے روایتی جنگ شروع کی، تو Mi-24 کے لیے مسلسل زمینی مدد فراہم کرنا مشکل ہو گیا۔ فوج نے فضائی مدد کی کمی کی شکایت کی۔ ایئر مارشل نے وضاحت کی: "کبھی کبھی Mi-24 دشمن سے صرف 75 گز کے فاصلے پر ہوتا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ

جب Mi-24 مڑتا ہے تو یہ بہت کمزور ہوتا ہے۔ کچھ طیارے مارے گئے۔ وہ 60-70 گولیوں کے سوراخوں کے ساتھ اترتے۔ ہم انہیں مرمت کرتے اور دوبارہ میدان میں بھیج دیتے۔ پائلٹس بہت بہادر تھے۔ یہ ایک سخت جنگ تھی۔" فضائیہ نے بیل 212 ہیلی کاپٹرز کے ساتھ شروع کیا، لیکن زیادہ بڑے اور بہتر مسلح ہیلی کاپٹرز کی ضرورت تھی، جن میں زیادہ بموں کی گنجائش ہو۔ Mi-24 کے راکٹ اور توپ کی فائر پاور کی ضرورت تھی۔ اضافی فائر پاور چینی F-17 اور کیفیر طیاروں سے فراہم کی گئی۔ ان جیٹ طیاروں نے بڑھتے ہوئے میزائل خطرے کے بعد حکومت کی حمایت میں توازن بحال کیا۔ جنگ میں کوئی جیٹ طیارہ نہیں گرا۔ فضائی ٹائیگرز کوئی مؤثر فوجی خطرہ نہیں تھے، لیکن پانچ چیک زیلن Z-143 ہلکے طیاروں نے نفسیاتی اثر ڈالا۔ ایئر مارشل نے اعتراف کیا، "یہ بہت چھوٹے طیارے تھے جو آہستہ اور بہت نیچی پرواز کرتے تھے۔ وہ رات کے وقت اڑتے تھے اور ان کی ہیٹ سگنیچر بہت کم تھی۔ اگر میرے پاس اچھا میزائل ہوتا تو میں ان سب کو مار گراتا۔" انہوں نے کہا کہ یہ ایک سخت جنگ تھی، خاص طور پر رات کے وقت زخمیوں کو نکالنے کے آپریشنز۔ لیکن انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ سری لنکا کی حکومت کے پاس فضائی برتری تھی، جو کسی بھی فضائی جنگ میں سب سے اہم عنصر ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایل ٹی ٹی ای "اپنے کام میں بہت پرعزم اور منظم تھے"۔ ان کے پاس اسٹنگرز اور سام-7 اسٹریلا میزائل تھے۔ ان کے پاس سام-14 اور 16 بھی تھے اور وہ

سام-18 حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک نچلی پرواز کرنے والے ہیلی کاپٹر کے لیے سام-18 سے بچنا مشکل ہوتا۔ "ہم ہر روز اڑتے تھے- صبح اور رات۔ نیچی پرواز کرتے تھے۔ ہم نے دباؤ برقرار رکھا۔ اور ہمیں UAVs اور فوج سے اچھی انٹیلیجنس ملتی تھی۔ ہمارے پائلٹس نے ہزاروں مشن کیے۔ یہ ایک چھوٹی فضائیہ کے لیے بہت بڑا کام تھا۔" ایئر مارشل نے رک کر مسکرا کر کہا، "ظاہر ہے کہ فضائیہ کو ہمیشہ اس کا جائز کریڈٹ نہیں ملتا۔

نیم فوجی دستے

پولیس

2012 میں پولیس فورس کی تعداد تقریباً 85,000 تھی۔ جنگ کے دوران پولیس وزارت دفاع کے کنٹرول میں تھی؛ تاہم حال ہی میں ناقدین نے مطالبہ کیا ہے کہ پولیس دوبارہ فوجی کنٹرول سے آزاد ہو جائے۔ پولیس فورس کی بنیاد 1797 میں رکھی گئی تھی۔ عظیم جنگ کے آغاز پر 119 پولیس اسٹیشن

قائم ہو چکے تھے، جن کی کل تعداد 2,306 تھی۔ خواتین کو پہلی بار 1952 میں بھرتی کیا گیا۔ پولیس اسپیشل ٹاسک فورس، جو ایک خصوصی انسداد بغاوت یونٹ تھا، 1983 میں قائم کیا گیا۔ ریزرو پولیس فورس کو 2006/7 میں ختم کر دیا گیا اور اس کے اہلکاروں کو باقاعدہ پولیس فورس میں ضم کر دیا گیا۔ پولیس کا سربراہ انسپکٹر جنرل پولیس کہلاتا ہے اور مختلف ماتحت عہدے ایک غیر مرکزی ڈھانچے کے تحت پوسٹوں پر کنٹرول سے متعلق ہیں، جسے پولیس زبان میں "رینجز"، "ڈویژنز" اور "اضلاع" کہا جاتا ہے۔ جنگ کے عروج پر پولیس اسٹیشنوں کی تعداد تقریباً 2,000 تک بڑھ گئی، جن میں سے کئی ایل ٹی ٹی ای کے باقاعدہ نشانے پر تھے۔ داخلی سلامتی کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے جے وی پی کے ساتھ نمٹنے کے لیے انسداد بغاوت ڈویژن قائم کیا گیا۔ اس کی جگہ دہشت گردی کی تحقیقات کے محکمے (TID) نے لے لی تاکہ ٹائیگر بغاوت پر توجہ مرکوز کی جا سکے۔ ملکی انٹیلی جنس کے معاملات پہلے خصوصی برانچ کے تحت تھے، جو سنٹرل انویسٹیگیشن ڈیپارٹمنٹ (CID) کے تحت قائم کیا گیا تھا۔ اس ڈھانچے میں برطانوی اثر و رسوخ واضح تھا۔ بعد میں انٹیلی جنس سروسز ڈویژن قائم کیا گیا۔ 1983 کے نسلی فسادات کو پولیس انٹیلی جنس کی ناکامی کے طور پر دیکھا گیا اور 1984 میں ایک نیا قومی انٹیلی جنس بیورو بنایا گیا۔ اگرچہ اس کی سربراہی ایک سینئر پولیس افسر کرتا تھا جو براہ راست وزارت دفاع کو رپورٹ کرتا تھا، لیکن یہ ایک کثیر سروس ڈھانچہ تھا جو فوج، بحریہ اور فضائیہ کے انٹیلی جنس یونٹس کے

ساتھ ساتھ موجودہ پولیس نیٹ ورک کو بھی یکجا کرتا تھا۔ مختلف تنظیم نو کے بعد، مرکزی قومی ایجنسی کو سری لنکن انٹیلی جنس سروس (SIS) کہا جانے لگا، جس پر پولیس اہلکاروں کا غلبہ تھا۔ یہ نیا بیورو دو اہم انسداد دہشت گردی یونٹوں کے ساتھ قریبی تعاون سے کام کرتا تھا: دہشت گردی کی تحقیقات کا محکمہ (TID) اور اسپیشل ٹاسک فورس (STF)۔ سینئر پولیس افسران کا دعویٰ تھا کہ ان کے انٹیلی جنس معاملات اچھی طرح سے مربوط ہیں، خاص طور پر منگل کو ہونے والے ہفتہ وار قومی انٹیلی جنس اجلاسوں میں جب دیگر ریاستی سلامتی کے ادارے جمع ہوتے تھے۔ حقیقت میں پولیس کو انٹیلی جنس کے بہت سے مسائل کا سامنا تھا، ایل ٹی ٹی ای کی جانب سے مسلسل اپنے مخبروں اور افسران کو نشانہ بنانے کے علاوہ۔ پولیس ڈسٹرکٹ انٹیلی جنس بیورو کو طویل عرصے سے افسران کے لیے تقریباً ریٹائرمنٹ کے گھروں کے طور پر دیکھا جاتا تھا، جو اپنے آخری عہدوں پر اپنے ہی اضلاع میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ ایک سینئر پولیس انٹیلی جنس افسر کے مطابق، خصوصی برانچ اور ٹی آئی ڈی دونوں ایک قسم کی غفلت کا شکار ہو گئے تھے۔ ٹی آئی ڈی اور سی آئی ڈی اکثر آپس میں تنازعات کا شکار رہتے تھے۔ سابق کو انسداد بغاوت پر توجہ مرکوز کرنی تھی جبکہ بعد میں عدالتوں میں استعمال ہونے والے ثبوتوں کی کلاسیکی پولیس کلیکشن پر۔ ایک مضحکہ خیز واقعہ ستمبر 2003 میں پیش آیا، جب اندرونی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر نے پرنٹ میڈیا میں ایک اشتہار دیا، جس میں عوام کو ان کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ

کرنے اور نیلامی میں فروخت ہونے والی اشیاء کا معائنہ کرنے کی دعوت دی گئی۔ شاید یہ شفافیت کی ایک اچھی مثال تھی، لیکن ایل ٹی ٹی ای تخریب کاروں کے لیے ایک تحفہ بھی۔ نئے سیاسی انتظامیہ کے آنے پر پسندیدہ افراد کو جلدی ترقی دینے سے پولیس کا مورال بھی کمزور ہوا، جیسا کہ نام نہاد 'گریجویٹ پروبیشنرز' کی ترقی سے۔ ان مسائل میں سے بہت سے اس وقت حل ہو گئے جب 2005 کے بعد راجاپاکسا نے سیکیورٹی کی کوششوں پر کنٹرول سنبھالا، اور زیادہ ماہر فوجی انٹیلی جنس افسران کے اثر و رسوخ کی رہنمائی کی۔ ابتدائی طور پر، پولیس نے بغاوت کو ایک مجرمانہ معاملہ سمجھا، لیکن مختلف ایمرجنسی قوانین نے پولیس کو سیاسی بنیادوں پر انسداد بغاوت کے معاملات سے نمٹنے کی اجازت دی، اگرچہ آخر تک پولیس نے شواہد اکٹھے کرنے کی کوشش کی تاکہ انہیں شہری عدالتوں میں پیش کیا جا سکے۔ دہشت گردی کے خلاف تحفظ کا ایکٹ (1982 میں اپ ڈیٹ کیا گیا) پولیس کو وسیع اختیارات دینے کے لیے ایک مفید قانون تھا۔ حالانکہ شمال اور مشرق میں لڑائی سب سے زیادہ شدید تھی، کولمبو ایل ٹی ٹی ای کا علامتی ہدف تھا۔ وہاں بے شمار تامل رہتے تھے، خاص طور پر شہر کے شمالی حصے میں۔ ایل ٹی ٹی ای نے وہاں طویل مدتی سلیپر سیلز کی ایک بڑی تعداد کو پھیلا دیا تھا۔ اس کے جواب میں حکام نے سٹریٹ لیول پر ایک پیچیدہ کمیونٹی پالیسی نظام تیار کیا، اور تامل اور سنہالا باشندوں کے لیے وسیع رجسٹریشن سسٹم بنایا۔ مشہور جملہ — 'تمام تامل دہشت گرد نہیں ہیں، لیکن تمام دہشت گرد تامل

ہیں'—بالکل سچ نہیں تھا۔ کولمبو میں پرانے زمانے کی پولیسنگ نے ان سنہالا انڈرورلڈ گینگسٹرز کا پتہ لگایا جو مالی فائدے کے لیے ایل ٹی ٹی ای کی مدد کر رہے تھے، اور ایک موقع پر دو عیسائی مذہبی شخصیات کو بھی گرفتار کیا گیا جنہیں خودکش دھماکہ خیز جیکٹس اسمگل کرنے پر مجبور کیا گیا تھا، کیونکہ ان کے ایک نوجوان رشتہ دار کو اغوا کر لیا گیا تھا۔ موبائل فونز کا شوق بھی پولیس کے حق میں آیا۔ الیکٹرانک انٹرسیپشن یا محض سم کارڈز کی گرفتاری سے متعدد سلیپر سیلز کا پردہ فاش ہو گیا۔ تاہم، ایل ٹی ٹی ای کے ایجنٹوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ مختلف دہشت گردانہ کارروائیاں کرنے میں کامیاب رہے۔ باغی اکثر بہت صبر کرنے والے ہوتے تھے۔ جب صدر پریماداسا کو قتل کیا گیا، تو پولیس کو بعد میں معلوم ہوا کہ ان کے قاتل نے تین سال تک ان کا پیچھا کیا تھا۔ انٹیلی جنس کے استعمال کے علاوہ، پولیس نے اپنے خصوصی ٹاسک فورس (STF) کو شہری SWAT کردار ادا کرنے کے لیے تعینات کیا۔ STF کا آغاز 1983 میں اُس وقت کے فوجی کمانڈر کے پاکستان کے دورے سے ہوا۔ پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق نے سری لنکا کو مشورہ دیا کہ "آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے پاس فوج اور پولیس کے درمیان کوئی قوت نہیں ہے۔" اس پر کولمبو نے ماہرین کی اصطلاح میں 'تیسری قوت' کا آپشن اپنانے کا فیصلہ کیا، ایک پالیسی جو برطانیہ میں وسیع پیمانے پر زیر بحث آئی اور فرانس میں اختیار کی گئی۔ خصوصی ٹاسک فورس کو انسداد دہشت گردی اور انسداد بغاوت کے لیے پولیس کی ایک خصوصی فورس کے طور پر

ڈیزائن کیا گیا تھا۔ اسے ہمیشہ بنیادی طور پر پولیس یونٹ کے طور پر تصور کیا گیا تھا، نہ کہ فوجی یونٹ کے طور پر، لیکن جلد ہی اس نے نیم فوجی فرائض بھی سنبھال لیے۔ فوج نے ٹاسک فورس کو انفنٹری ہتھیاروں اور جنگلات میں جنگ کی حکمت عملیوں کے استعمال کی تربیت دی۔ ابتدائی طور پر اس کی تعداد 3,000 اہلکار تھی، لیکن بعد میں یہ بڑھ کر 10,000 ہو گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تقریباً 100 سابق برطانوی اسپیشل ایئر سروس (SAS) کے اہلکاروں نے KMS لمیٹڈ کے تحت خصوصی تربیت فراہم کی۔ KMS– کینی مینی سروسز (جو SAS کی خفیہ آپریشنز کے لیے بول چال کی زبان سے ماخوذ ہے)– ان تنظیموں میں سے ایک تھی جس کے ذریعے برطانوی حکومت کارآمد لیکن غیر تسلیم شدہ خفیہ پالیسیاں چلا سکتی تھی۔ کے ایم ایس جلد ہی دیگر متعلقہ یا اسی طرح کی کمپنیوں میں تقسیم ہو گئی، خاص طور پر اگر ان میں سے کوئی بے نقاب ہو جاتی۔ افغان مجاہدین کی تربیت کو خفیہ رکھا گیا، لیکن ایران کونٹرا اسکینڈل نے نکاراگوا میں تخریب کاری کے آپریشنز کو ظاہر کیا۔ KMS کا پہلا بڑا کام عمان کے سلطان کی خصوصی فورسز کی تربیت تھی۔ 1983 میں، برطانوی حکومت کی منظوری سے، KMS نے خصوصی ٹاسک فورس کی تربیت شروع کی۔ میڈیا رپورٹس، خاص طور پر ایل ٹی ٹی ای کے ذرائع ابلاغ میں، دعویٰ کیا گیا کہ KMS نے 1987 میں ٹاسک فورس کی بے ضابطگیوں کی وجہ سے دستبرداری اختیار کی۔ اسی طرح کے ذرائع نے ٹاسک فورس کا موازنہ بدنام زمانہ کویوٹ

(Koevoet) سے کیا، جو جنوبی مغربی افریقہ / نمیبیا میں باغیوں کے خلاف تعینات جنوبی افریقی پولیس کی مؤثر خصوصی یونٹ تھی۔ افریکانس زبان میں اس کا مطلب 'پر ان' ہے: باغیوں کو مقامی آبادی سے الگ کرنا۔ یہ بھی الزام لگایا گیا کہ جنوبی افریقی فوجی سری لنکن پولیس کی تربیت میں شامل تھے۔ سری لنکن فوج نے کویووٹ کی مخصوص بفل گاڑیاں، جو جنوبی افریقہ کی بارودی سرنگوں سے محفوظ بکتر بند گاڑیاں تھیں، بھی استعمال کیں۔ تامل ناقدین نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ پولیس یونٹ نے کویووٹ کی حکمت عملیوں کی نقل کی، خاص طور پر کتوں کے جارحانہ استعمال میں۔ اس کے علاوہ، اسرائیلی داخلی سلامتی تنظیم، شن بیتھ، کے بارے میں بھی کہا گیا کہ اس نے مزید مستقل تربیت فراہم کی۔ ایشیائی انٹیلی جنس تنظیموں نے بھی ماہرین فراہم کیے۔ 2006 کے بعد لڑائی کے عروج کے دوران، خصوصی ٹاسک فورس نے نیم خود مختار کارروائیاں کیں، جن میں پہلی جنوری 2007 میں آپریشن "ڈیفینیٹ وکٹری" تھی۔ ٹاسک فورس کی قیادت میں کامیاب کمانڈو طرز کے حملوں پر اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی اداروں نے بعض اوقات تنقید کی، خاص طور پر میدان جنگ اور کولمبو میں ایس ٹی ایف ہیڈکوارٹر میں مبینہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے حوالے سے۔ سری لنکا میں، ایس ٹی ایف کو پولیس حلقوں اور ایل ٹی ٹی ای دونوں کی طرف سے مختلف وجوہات کی بنا پر بہت عزت دی جاتی تھی۔ عام پولیس افسران ان علاقوں میں داخل ہوتے جو ایل ٹی ٹی ای کے کیڈرز سے خالی کرائے

جاتے، لیکن دشمن کے پیچھے ایس ٹی ایف بہت جارحانہ طور پر کارروائیاں کرتی، اکثر چھوٹے گروپوں کے اصول کے مطابق۔ حالانکہ ایس ٹی ایف شمال میں نہیں لڑی، لیکن اس نے 'ایل ٹی ٹی ای کو مشرق میں، خاص طور پر باتیکالوا اور امپارا میں تیزی سے گھومنے پر مجبور کیا'۔ چھوٹے گروپوں کی دراندازی اور اچانک حملوں کے ذریعے ایس ٹی ایف نے ہر جگہ موجود ہونے کا تاثر پیدا کیا۔ ایس ٹی ایف کے دوسرے کمانڈنٹ، لیونل کرناسینا، پولیس حلقوں میں تقریباً ہیرو کا درجہ حاصل کر چکے تھے؛ جبکہ کچھ لوگوں کی نظر میں وہ ایک خطرناک شخص سمجھے جاتے تھے، خاص طور پر فوجی اعلیٰ کمانڈ میں، کیونکہ وہ تنہا کارروائیوں کو ترجیح دیتے تھے اور مشترکہ آپریشنز کے خیال کو کم اہمیت دیتے تھے۔ برطانوی فوجی داستانوں میں انہیں شاید آرڈ ونگیٹ کے پولیس ہم منصب کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ مؤثر لیکن غیر متوقع، آخرکار انہیں کمانڈ سے ہٹا دیا گیا۔

پولیس کے ہتھیار

جنگ کے دوران پولیس عام طور پر گشت کے دوران رائفلیں اور پستول رکھتی تھی۔ اسپیشل ٹاسک فورس(STF) کو (انسداد بغاوت) آپریشنز کے لیے عام طور پر مختلف قسم کے انفنٹری ہتھیاروں سے لیس کیا جاتا تھا۔ پولیس کے ہتھیاروں میں مشہور برانڈز کے ہینڈ گن شامل تھے جیسے Glock 17، Webley، Beretta 92، اورSmith & Wesson۔ پولیس کے پاسH & K MP5سب مشین گن بھی موجود تھیں، ساتھ ہی اسنائپر رائفلز اور فوجی حملہ آور رائفلز تک رسائی بھی حاصل تھی۔ فسادات پر قابو پانے کے دوران آنسو گیس کے راؤنڈز فائر کرنے کے لیے HK 69 بریک لوڈنگ گرینیڈ لانچرز کا استعمال بھی کیا جاتا تھا۔ ان کی گاڑیاں عام طور پرHyundai کی گشتی گاڑیاں، Land Rovers، اورSuzuki 500cc موٹرسائیکلیں ہوتی تھیں۔ جنگ کے بعد شہریانہ عمل میں پولیس کو غیر مسلح کر دیا گیا۔ 2011 تک، زیادہ تر پولیس اہلکاروں کو اپنی انفنٹری رائفلیں واپس کرنی پڑیں، لیکن وہ اپنے ذاتی ہتھیار رکھ سکتے تھے۔

ہوم گارڈ / سول ڈیفنس فورس

ٹائیگر بغاوت کے آغاز کے ساتھ ہی، مخلوط تامل / سنہالی علاقوں کے دیہاتیوں نے حکومت کی طرف سے فراہم کردہ شاٹ گنوں کے ساتھ خود کو مسلح کرنا شروع کر دیا۔ ان رضاکاروں کو ہوم گارڈ کہا جاتا تھا(حالانکہ دوسری جنگ عظیم میں برطانوی "ڈادز آرمی" کے برعکس، ان رضاکاروں نے بہت زیادہ کارروائیوں میں حصہ لیا)۔ اس کا آغاز 1985 میں 18,000 اہلکاروں کے ساتھ ہوا، لیکن یہ تعداد بڑھ کر 41,500 ہو گئی۔ اس فورس نے 400 اہلکاروں پر مشتمل ایک کمانڈو سیکشن بھی تیار کیا۔ تقریباً 90 فیصد کا تعلق کسان طبقے سے تھا، صرف دس فیصد گریجویٹس یا مقامی اساتذہ تھے۔ خواتین کا تناسب پندرہ فیصد تھا۔ رضاکاروں کو روزانہ 5$ معاوضہ دیا جاتا تھا اور جنگ کے دوران 546 افراد ہلاک ہوئے۔ ان کے بیویوں اور شوہروں کو پنشن دی گئی، جو تقریباً فوجی معاوضے کے برابر تھی۔ ان کا باضابطہ کام دیہی علاقوں بشمول مندروں اور اسکولوں کی حفاظت کرنا تھا۔ اس یونٹ کے کمانڈر، جو ایک سابق ایڈمرل تھے، نے کہا، ”بنیادی مقصد نسلی صفایا کو روکنا تھا۔“ یونٹ کے ارکان کو وردیاں فراہم کی گئیں اور مقامی پولیس اسٹیشنوں کے ماتحت کر دیا گیا۔ جیسے جیسے جنگ شدت اختیار کرتی گئی، انہیں خودکار رائفلیں فراہم کی گئیں اور فوج کی طرف سے دو سے چار ہفتے کی بنیادی تربیت دی گئی۔ 2006 میں ہوم گارڈ کو سول ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ میں ضم کر کے سول ڈیفنس فورس کا نام دے دیا گیا۔

نیشنل گارڈ

ابتدائی طور پر وی آئی پیز اور اہم عمارتوں کی حفاظت کے لیے مقرر کیا گیا تھا، لیکن 1989 کے بعد یہ ایک بڑا رضاکار رجمنٹ بن گیا جس میں بتیس بٹالینز شامل تھیں۔ آئی آئی ایس ایس نے اس کی تعداد 15,000 بتائی، لیکن بٹالینز کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک اور کم تخمینہ تھا۔

دیگر نیم فوجی دستے

جنگ کے دوران حکومت کی حمایت میں مختلف غیر رسمی ملیشائیں تشکیل دی گئیں، جن میں نمایاں طور پر وہ تمل جنگجو بھی شامل تھے جو ایل ٹی ٹی ای کی مرکزی قیادت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔

سری لنکن اسلحہ خریداری

بظاہر لگتا ہے کہ سری لنکا نے اسلحہ خریدنے کے معاملے میں ایک بے ترتیب انداز اپنایا۔ لیکن یہ ایک ترقی پذیر ملک تھا جس کی صنعتی بنیاد بہت چھوٹی تھی، اور حکومت نے ایک بہت طویل جنگ لڑی۔ اس کے علاوہ، بعض ممالک، خاص طور پر 2007 کے بعد امریکہ، نے جدید ہتھیار فراہم کرنے سے انکار کر دیا، جس کے نتیجے میں کولمبو کو غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کرنی پڑی، روس، چین کے ساتھ ساتھ امریکہ سے بھی تعلقات قائم کرنے پڑے۔ کبھی کبھی اسے بلیک مارکیٹ یا خفیہ ذرائع سے ہتھیار حاصل کرنے پڑے، جیسے کہ کچھ اسرائیلی سامان کا معاملہ۔ اس کے انجینئرز نے مرمت کرنے اور پھر بڑی جدید بحری جہاز تیار کرنے کا فن سیکھا۔ مسلح افواج نے بڑی حد تک برطانیہ کے سرپرست کردار (اور سپلائی) سے دستبردار ہو گئیں۔ لیکن دفاعی بجٹ (جس میں اسلحہ خریداری شامل ہے) نے کل عوامی اخراجات کا پانچواں حصہ کھالیا۔ سری لنکا کے اس تناظر میں کسی بھی تنقید کو یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تمام ترقی یافتہ ممالک میں اسلحہ خریداری اکثر بہت دیر سے ہوتی ہے اور اس کی لاگت ہمیشہ ابتدائی اندازوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ برطانیہ، جو کہ سری لنکا کا اصل فوجی ماڈل تھا، نے تباہ کن

اسلحہ خریداری کے نتائج دیے ہیں (برطانوی پارلیمنٹ کی ڈیفنس سلیکٹ کمیٹی کے مطابق)، جس کی ایک مثال اس کا واحد طیارہ بردار جہاز کو ختم کرنا ہے (عین اس وقت جب 2011 کی لیبیا کی جنگ میں اس کی ضرورت تھی) اور دو مزید طیارہ بردار جہازوں کی تیاری میں کم از کم ایک دہائی کا فرق متوقع ہے، حالانکہ صرف ایک کو تعینات کیا جا سکے گا، اور اب تک اس کے لیے طیاروں کی خریداری بہت مشکل ہے۔ دریں اثنا، بھارت، سری لنکا کا بڑا بھائی، ایک طیارہ بردار جہاز (سابق HMS Hermes) تعینات کر چکا تھا، جب کہ برطانیہ ایسا نہیں کر سکا۔ دفاعی خریداری کا بنیادی چینل ایک محدود کمپنی تھی جو مکمل طور پر حکومت کی ملکیت تھی، یعنی لنکا لاجسٹکس لمیٹڈ۔ اسے گوٹابایا راجا پاکسا نے 2007 کے اوائل میں قائم کیا تھا۔ اس کا مقصد ان تمام درمیانی افراد کو ختم کرنا تھا جنہوں نے سابقہ حکومتوں کو دھوکہ دیا تھا۔ اس نے ایل ٹی ٹی ای کو نئے خریداریوں کی انٹیلی جنس سے بھی محروم کر دیا۔ لنکا لاجسٹکس ایک انتہائی منظم ادارہ تھا: اس کے پاس صرف اکیس ملازمین تھے، جن میں ایک اکاؤنٹنٹ اور دو ڈرائیور شامل تھے۔ اس نے بنیادی طور پر پاکستان، چین، روس، یوکرین، اسرائیل اور کبھی کبھار برازیل کے ساتھ معاملات کیے۔ پہلے بھارتی معاہدے سیاسی سطح پر طے پائے تھے۔

عظیم حکمت عملی

حکومت کی افواج کی حکمت عملی کی کامیابی کی کلید متحرک اور مربوط سیاسی قیادت تھی۔ پہلے، مختصر مدت کے سیاسی فائدے یا بین الاقوامی دباؤ کے تحت مختلف حکومتوں کو ایک پختہ اور مربوط حکمت عملی کو برقرار رکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ 2006 کے آغاز سے صدر مہندا راجاپاکسا نے فیصلہ کیا کہ ان کا سب سے بڑا مقصد ٹائیگرز کو ختم کرنا ہوگا۔ وزارت دفاع میں ان کے سویلین مستقل سیکریٹری ان کے بھائی گوٹابایا راجاپاکسا تھے، جو بیس سال تک فوج میں خدمات انجام دے چکے تھے۔ یہ بھائیوں کا امتزاج ایک کامیاب سول-فوجی رابطہ ثابت ہوا۔ بہت سے فوجی کمانڈروں نے سابق کرنل راجاپاکسا کے ساتھ خدمات انجام دی تھیں اور انہیں ایک حساس مگر مطالبہ کرنے والا سربراہ پایا۔ ان کا پہلا کام نئے اعلیٰ افسران کا انتخاب تھا، جو صرف میرٹ پر کیا گیا۔ فوجی کمانڈر سیکریٹری کو کال کرتے تھے، اور اگر وہ فوری جواب نہ دے پاتے، تو ان کے بھائی صدر کو کال کرتے۔ اس سے وفادار اور تیز تر مرکزی کمانڈ قائم ہوئی۔ گوٹابایا راجاپاکسا نے صدر کو قائل کیا کہ فوج کو جلدی سے بڑھایا جائے اور اسے مناسب طور پر لیس کیا جائے۔ ایک وسیع میڈیا مہم شروع کی گئی تاکہ ممکنہ فوجی بھرتیوں کو ترغیب دی

جائے کہ فتح ناگزیر ہے۔ فوج کی نو ڈویژنز کو بیس تک بڑھایا گیا؛ اس کی چوالیس بریگیڈز کو اکہتر تک اور 149 بٹالینز کو 284 تک پھیلایا گیا۔ 2005 میں فوج 120,000 پر کھڑی تھی؛ جنگ کے اختتام تک یہ تقریباً 230,000 تک پہنچ گئی۔ بحریہ 74,000 تھی۔ فضائیہ میں 40,000 افراد شامل تھے۔ پولیس، بشمول اسپیشل ٹاسک فورس، تقریباً 85,000 تک پہنچ چکی تھی اور سول ڈیفنس کا مجموعہ 42,000 کے قریب تھا۔ یہ مکمل وقت فعال قوت تھی، زخمیوں کو شامل کیے بغیر۔

گوٹابایا راجاپاکسا کے مطابق:

فوج نے کبھی مجھ سے توسیع کی درخواست نہیں کی۔

جنرلوں کو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

یہ میں تھا جس نے فیصلہ کیا کہ اگر ہمیں جیتنا ہے تو ہمیں

توسیع کرنا ہوگی۔ نئے بٹالینز، خصوصی فورسز وغیرہ۔

یہی فتح کی کلید تھی۔ ساختی لحاظ سے کچھ نہیں بدلا۔

سب سے بڑی تبدیلی افرادی قوت تھی۔

ہم جنگ کو مختلف زاویوں سے دیکھ سکتے تھے۔ ہم

پورے ڈویژنز کو ادھر ادھر منتقل کر سکتے تھے۔

ایک بڑی فوج یقیناً تمام مسائل کا حل نہیں ہے۔

لیکن ہم پہلے یہ نہیں کر سکتے تھے۔ مختلف محاذوں سے

آگے بڑھنے کے ساتھ۔ جب آپ ایک محدود لائن سے

آگے بڑھتے ہیں تو ایل ٹی ٹی ای پیچھے سے

آجاتے ہیں... آپ کو وسیع حملے کے لیے فوجیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

2006 سے پہلے فوج ایل ٹی ٹی ای کو جنگ میں شکست دے سکتی تھی لیکن پھر دوسری دھمکیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے فوجیوں کو منتقل کرنا پڑتا، جس سے ٹائیگرز واپس سرکنے لگتے۔ یہ ایک 'وہیک مول' حکمت عملی تھی۔ نئی فوجی کمانڈ نے فیصلہ کیا کہ بڑھائی گئی فوج اس بات پر اصرار کرے گی کہ وہ جس بھی علاقے پر قبضہ کرے گی، اسے برقرار رکھے گی۔ فوج نے اپنی پوری افرادی قوت کو علاقے پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے استعمال کیا — بشمول بحریہ اور فضائیہ کے اہلکار اور پولیس۔ یہ مشترکہ

آپریشنز کو ایک منطقی انجام تک پہنچانے کا عمل تھا۔ "اگر ہم صاف کرتے ہیں، تو ہمیں رہنا چاہیے،" گوٹابایا راجاپاکسا نے کہا۔ "ہم نے بس فوجیوں کو بھر دیا۔ ہم نے فضائیہ اور بحریہ کو جنگل میں ڈال دیا۔ وہ علاقے کو برقرار رکھ سکتے تھے اور فوج کو لڑنے کی اجازت دے سکتے تھے۔" لنکالا جسٹکس، ایک مکمل طور پر حکومت کی ملکیت والی کمپنی، تشکیل دی گئی تاکہ اسٹریٹجک توسیع کی حمایت کے لیے تمام نئے آلات حاصل کیے جا سکیں۔ اسے مستقل سیکریٹری نے بنایا تھا۔ "میں تمام بدعنوانی کو روکنا چاہتا تھا اور تمام درمیانی لوگوں کو نکالنا چاہتا تھا،" انہوں نے اصرار کیا۔ راجاپاکسا حکومت نے ٹائیگرز کی فوجی شکست کی ایک واضح حکمت عملی کی وضاحت کی تھی اور اس نے فوج کی تعداد، معیار اور آلات میں اضافہ کرنے کا عمل شروع کر دیا تھا۔ نئی حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ جنگ لڑے گی۔ مذاکرات کا وقت گزر چکا تھا۔ اور اس کے لیے سیاسی مہارت درکار تھی۔ پہلے، حکومت کو اپنی پارلیمنٹ میں اتحادی شراکت داروں کو جیتنا پڑا۔ گھریلو معاشی مطالبات کو پورا کرنا پڑا۔ لیکن سب سے اہم بین الاقوامی ماحول تھا۔ یہاں بھارتی حمایت، یا کم از کم ان کی چشم پوشی، فیصلہ کن تھی۔ "اگر ہمیں بھارتی حکومت کی حمایت نہ ملی ہوتی، تو ہم یہ جنگ نہیں جیت سکتے تھے،" یہ وزارت دفاع کے مستقل سیکرٹری کا مختصر بیان تھا۔ امریکہ، فرانس اور برطانیہ سری لنکا پر سفارتی دباؤ ڈال سکتے تھے، لیکن صرف بھارت ہی فوجی مہم پر براہ راست اثر ڈال سکتا تھا۔ جو طریقہ کار اپنایا گیا اسے 'ٹرویکا' کہا گیا، جو بھارتیوں کے ساتھ

مسلسل سفارتی بات چیت کا نظام تھا۔ سری لنکن ٹیم میں سیکریٹری دفاع، ایک اور بھائی بسل، اور صدر کے سیکریٹری للیتھ ویراٹنگا شامل تھے، جبکہ بھارتی ہم منصبوں میں سابق قومی سلامتی کے مشیر ایم کے نارائنن، اس وقت کے خارجہ سیکریٹری شیو شنکر مینن، اور دفاعی سیکریٹری وجے سنگھ شامل تھے۔ اکثر بھارت میں مرکزی حکومت کمزور ہوتی، اور سیاستدان گھریلو سیاست میں سری لنکا کو بطور دباؤ کے آلے کے طور پر استعمال کرتے، خاص طور پر جب وہ تمل ناڈو کے 60 ملین تملوں کو راضی کرنے کی کوشش کرتے۔ جنگ کے آخری مراحل میں تمل ناڈو کا تعلق انتہائی اہم ہو گیا تھا۔ ٹرویکا نظام بھارت میں مرکز اور ریاستوں کی سیاست کو سنبھالنے کا ایک مفید ذریعہ ثابت ہوا۔ کبھی کبھار، ٹرویکا کے اراکین جنگ کے آخری مراحل میں چند گھنٹوں کے نوٹس پر کولمبو میں ملاقات کرتے۔ یہی وہ صلاحیت تھی جس نے بھارتی مطالبات کو پورا کرنے کی اجازت دی، جس کی بدولت کولمبو نے 2009 کے اوائل میں شہری ہلاکتوں پر بین الاقوامی تنقید، خاص طور پر مغربی ممالک اور اقوام متحدہ کی طرف سے آنے والی تنقید کو بڑی حد تک نظر انداز کیا۔

ایک بھارتی دفاعی ماہر نے 'راجاپاکسا ماڈل' کو مناسب طور پر یوں بیان کیا:

-سیاسی ارادہ

-'جہنم میں جاؤ'(گھریلو اور بین الاقوامی تنقید کو نظر انداز کرو)

-لیکن اہم ہمسایوں کو ساتھ رکھو

-کوئی مذاکرات نہیں

-میڈیا کو کنٹرول کرو

-کوئی جنگ بندی نہیں

-مکمل آپریشنل آزادی

-نوجوان اور قابل کمانڈروں کو ترقی دو

راجاپاکسا خاندان نے مؤثر گھریلو (اور خاندانی) کمانڈ اور کنٹرول کا نظام چلایا اور بھارت، چین اور پاکستان میں اپنے اتحادیوں کے ساتھ واضح اور مسلسل رابطے قائم کیے۔ تاہم، کامیاب عظیم حکمت عملی کا انحصار جنگی کوششوں کی اندرونی ہم آہنگی پر تھا۔

کمانڈ اور ہم آہنگی

آزادی کے بعد سری لنکا نے ایک نمونہ قائم کیا جس میں وزیر اعظم (بعد میں صدر) نے وزیر دفاع کا کردار بھی سنبھال لیا۔ (وزیر اعظم نے ابتدائی طور پر وزیر خارجہ کا کردار بھی سنبھالا تا کہ سرد جنگ کے سالوں میں خارجہ پالیسی کو مرکزی حیثیت دی جا سکے۔) 1977 میں دفاع اور خارجہ امور کے محکمے الگ کر دیے گئے۔ مختصر عرصے کے علاوہ، صدر نے دفاع کا قلمدان اپنے پاس رکھا ہے۔ 1985 میں برطانوی اور اسرائیلی مشورے سے، ایک مشترکہ آپریشن سینٹر (JOC) قائم کیا گیا تا کہ فوج، پولیس اور انٹیلیجنس کی انسداد بغاوت صلاحیت کو مربوط کیا جا سکے، حالانکہ اس کا دائرہ کار بعد میں قائم ہونے والی نیشنل سیکیورٹی کونسل (NSC) جتنا وسیع نہیں تھا۔ 1999 میں این ایس سی قائم کی گئی تا کہ سیاسی کمانڈ اور کنٹرول کو مرکزی حیثیت دی جا سکے۔ وزارت دفاع نے مسلح افواج کے علاوہ بہت سی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اس نے انٹیلیجنس سروسز اور پولیس کو بھی چلایا۔ اس کے علاوہ، اس کا قلمدان دفاعی تربیت اور تعلیم، نیشنل کیڈٹ کور، شہری دفاع اور سابق فوجیوں کے امور کو بھی شامل تھا۔ امیگریشن اور امیگریشن کے محکمے اور 'رجسٹریشن آف پرسنز' کے علاوہ خطرناک منشیات کا کنٹرول بھی اس کے دائرہ کار میں آتا تھا۔ اتنے وسیع اختیارات کی وجہ سے تنقید کی گئی کہ سری لنکا ایک 'قومی

سلامتی ریاست' بن گیا ہے۔ 2005 کے بعد، جنگ کے سیاسی انتظام کا انتظامی مرکز دو بھائیوں، گوٹابایا اور مہندا راجاپاکسا پر منحصر تھا، جس میں سول سروس کے افسر لالیت ویراٹونگا کی انتظامی حمایت حاصل تھی۔ گوٹابایا نے فوجی پہلو کو سنبھالا، مہندا نے ملکی اور بین الاقوامی سیاسی معاملات کو سنبھالا اور چھوٹے قد کے لالیت نے ملکی سول سروس کو چلایا، اور صدر کے لیے ایک اسسٹنٹ کے طور پر کام کیا۔ سیکرٹری ویراٹونگا، جو اکسٹھ سالہ یوگی تھے، ٹونی بلیئر کی بعد کی جنگوں کے دوران کابینہ کے سیکرٹری گس اوڈونلڈ کے برابر تھے۔ اوڈونلڈ نے کابینہ کو سنبھالا اور سول سروس کی قیادت کی، اس سے پہلے کہ وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے ان عہدوں کو الگ کر دیا۔ صرف ان کے ابتدائی حروف کی وجہ سے ہی نہیں، بلکہ گس اوڈونلڈ کو وائٹ ہال کے اسٹیبلشمنٹ میں 'خدا' کا لقب دیا گیا تھا۔ ایک اور راجاپاکسا بھائی، باسل، صدر کے خصوصی مشیر اور ایک رکن پارلیمان تھے، جو بعد میں وزیرِ اقتصادیات بنے۔ ہمیشہ وفادار لالیت ویراٹونگا نے اس کو 'راجاپاکسا انکارپوریٹڈ' قرار دیا اور ان انتظامات کا موازنہ ایک کامیاب کاروبار سے کیا۔ "اگر کسی کمپنی کے ڈائریکٹرز ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے، تو آپ کمپنی نہیں چلا سکتے۔" اگرچہ حکومت نے ایک بہت بڑا کابینہ چلایا (کیونکہ ابتدائی طور پر اتحاد کے عزائم کو پورا کرنا ضروری تھا)، فوجی فیصلے نیشنل سیکیورٹی کونسل میں کیے جاتے تھے۔ نیشنل سیکورٹی کونسل ایک انتظامی ڈھانچہ تھا جس کی کوئی حقیقی قانونی یا آئینی بنیاد نہیں تھی۔ یہ ایک داخلی سہ رکنیت پر مشتمل تھا، جس

میں سروس چیفس، انٹیلیجنس اور پولیس افسران کے علاوہ وقتاً فوقتاً ماہرین بھی شامل تھے۔ یہ کونسل ہر بدھ کو، اور شدید ہنگامی صورتحال میں زیادہ تواتر کے ساتھ، ملاقات کرتی تھی۔ اگر صدر ملک سے باہر ہوتے، تو کوئی ملاقات نہیں ہوتی۔ مہندا راجاپاکسا اس کی صدارت کرتے، فوجی ایجنڈا مستقل سیکرٹری دفاع کی طرف سے تیار کیا جاتا، اور واحد نوٹ لینے والے لالیت ویراٹونگا ہوتے (جو، آئی پیڈ کے مداح ہونے کے باوجود، نیشنل سیکورٹی کونسل کے نوٹس چھوٹے اور صاف لکھائی میں روایتی کاغذی نوٹ بکس میں لکھتے تھے: اندرونی جنگی کونسل کا مکمل ریکارڈ)۔ یہ اجلاس انگریزی میں منعقد ہوتے تھے اور تین سے چار گھنٹے تک چل سکتے تھے۔ یہ سرکاری صدارتی رہائش گاہ "ٹیمپل ٹریز" کے اوپری منزل پر منعقد ہوتے، جو ایک سجایا گیا عمارت تھی جس میں بڑے مچھلی کے ٹینکوں کی ایک عجیب اکثریت تھی۔ اجلاس کا آغاز فوجی کمانڈر 20 سے 25 منٹ کی پیشکش سے کرتے، پھر بحریہ اور فضائیہ کے سربراہان باری باری پیشکش کرتے، اور آخر میں ایک مجموعی انٹیلیجنس بریفنگ دی جاتی۔ نیشنل سیکورٹی کونسل میں ایک مرکزی اختلاف یہ تھا کہ آیا مشرقی یا شمالی بغاوتوں کو پہلے حل کیا جائے۔ فوج چاہتی تھی کہ جنگ کو علامتی تمل علاقے، جافنا جزیرہ نما، میں ختم کیا جائے، پھر جنوب کی طرف دھکیلا جائے۔ صدر راجاپاکسا نے مشرقی صوبے میں ایل ٹی ٹی ای کے قبضے کو ختم کرنے کے حق میں فیصلہ کیا۔ راجاپاکسا بھائیوں کی حکمرانی کے باوجود، خیالات آزادانہ طور پر پیش کیے جاتے تھے۔

نیشنل سیکورٹی کونسل کے باقاعدہ شرکاء کا کہنا تھا کہ صدر ایک اچھے سامع تھے۔ تاہم، فوج اور بحریہ کے کمانڈرز کے درمیان اختلافات اکثر بڑھ جاتے تھے۔ فضائیہ کے کمانڈر (جو بعد میں چیف آف ڈیفنس سٹاف بنے) ان دونوں کے درمیان بیٹھنے لگے۔ کچھ مواقع پر صدر نے ان دونوں حریف کمانڈروں پر عارضی طور پر غصہ بھی کیا، خاص طور پر انتہائی پرجوش فوجی سربراہ جنرل سارتھ فونسیکا پر۔ صدر نے مجھ سے اعتراف کیا: "ہاں، میں نے ان پر عارضی طور پر غصہ کیا تھا، لیکن دراصل میں ان پر ہنسا کرتا تھا کیونکہ وہ مجھے اپنے بچوں کی طرح لگتے تھے جب وہ جھگڑنا شروع کرتے تھے۔" لالیت ویراٹونگا نے بعد میں اس کو اپنے انداز میں بیان کیا: "صدر کہتے تھے: 'مونٹیسوری بچوں کی طرح مت بنو۔ یہ کوئی کنڈر گارٹن نہیں ہے۔ آپ دونوں کو ایل ٹی ٹی ای سے لڑنا ہے، ایک دوسرے سے نہیں۔'" (تاہم، جنگ ختم ہونے کے بعد، جنرل فونسیکا کے آزادانہ خیالات نے ایک بڑے سیاسی انتشار کو جنم دیا۔ لیکن فوج اور بحریہ کے درمیان اختلافات نیشنل سیکورٹی کونسل کے دیگر اراکین کے مطابق، اس تلخ رقابت سے پیدا ہوئے جو اسکول کے زمانے سے جاری تھی، جتنے کہ موجودہ اختلافات۔) صدر غور سے سنتے تھے اور پھر فیصلہ کرتے تھے۔ لالیت ویراٹونگا کے مطابق — جو صدر کے تھکے ہونے، بیمار ہونے یا انگریزی میں کسی لفظ کو تلاش کرنے میں دشواری کی صورت میں ان کے جملے مکمل کرنے کی ناپسندیدہ عادت رکھتے تھے — "وہ ہمیشہ اجلاسوں پر کنٹرول میں رہتے تھے۔ میں

ایک بھی ایسا اجلاس یاد نہیں کر سکتا جب وہ الجھے ہوئے ہوں اور انہیں معلوم نہ ہو کہ کیا کرنا ہے، یا وہ کمانڈروں کے رحم و کرم پر ہوں۔ میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔" پھر فیصلوں کا خلاصہ - لیکن تفصیل نہیں-کابینہ کو بتایا جاتا، جس سے مشاورت کی جاتی اگر کسی بڑے اخراجات، جیسے کہ ہتھیاروں کی بڑی خریداری، کی تجویز پیش کی جا رہی ہو۔ نیشنل سیکورٹی کونسل نے موثر فیصلہ سازی فراہم کی اور بیرونی دباؤ اور میدان میں فوجی ناکامیوں کو دور کیا۔ صدر کی اتھارٹی-جو تمام شرکاء ان کے جنگ جیتنے کے عزم کی تعریف کرتے تھے، پچھلے متزلزل سیاسی رہنماؤں کے مقابلے میں-انہیں ایک موثر چیئرمین بناتی تھی۔ لیکن اصل راز انٹیلیجنس ڈیٹا کی اچھی کمانڈ تھی۔ سیکرٹری دفاع منگل کے روز انٹیلیجنس سروسز کے ایک طویل اجلاس کی صدارت کرتے تھے۔ اس سے انہیں نیشنل سیکورٹی کونسل کا ایجنڈا تیار کرنے میں مدد ملتی—95 فیصد ان کا کام اور 5 فیصد محنتی ویراٹونگا کا—جو صدر کو ان کے بہترین باخبر فوجی اور پولیس مشیروں سے بھی ایک دو قدم آگے رہنے کے قابل بناتا تھا۔

انٹیلیجنس

منگل کو انٹیلیجنس کی میٹنگز کولمبو میں وزارتِ دفاع کے ہیڈکوارٹر میں منعقد ہوتی تھیں۔ یہ ایک سادہ اور عملی عمارت ہے، جس میں اعلیٰ افسران کے دفاتر بھی عام سے اور پرانے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کے ارد گرد پھیلے ہوئے ریتلے ساحل کا دلکش منظر بھی موجود ہے۔ قومی انٹیلیجنس کی میٹنگز کا آغاز صبح 10:30 بجے ہوتا اور یہ میٹنگز پانچ گھنٹوں تک جاری رہتی تھیں۔ ان میٹنگز کی صدارت گوٹابایا راجاپاکسا کرتے تھے۔ لیکن اگر ویراٹونگا نیشنل سیکیورٹی کونسل کی پوشیدہ شخصیت تھے، تو قومی انٹیلیجنس میٹنگز کا غالب تنظیمی کردار میجر جنرل کپلا ہنداوِتھرانا، جو کہ قومی انٹیلیجنس کے سربراہ تھے، کے پاس تھا۔ چشمہ پہنے ہوئے میجر جنرل کوئی جسمانی طور پر نمایاں شخصیت نہیں تھے؛ وہ کسی بھی ماحول میں ایسے گھل مل جاتے جیسے ایشیائی ورژن میں جان لی کیری کے پراسرار جاسوسی چیف، جارج سمائلی ہوں۔ عام طور پر، انٹیلیجنس میٹنگز میں تقریباً بارہ افراد شرکت کرتے تھے، جن میں گوٹابایا راجاپاکسا، سری لنکن انٹیلیجنس سروس (SIS) کے ڈائریکٹر، بحری اور فضائی انٹیلیجنس کے سربراہان اور پولیس کے ماہرین شامل ہوتے تھے، جن میں خصوصی برانچ اور CID کے افسران بھی شامل ہوتے تھے، اور وقتاً فوقتاً صدارتی سیکیورٹی کے سربراہ جیسے ماہرین بھی شامل کیے جاتے تھے (لالیتھ ویراٹونگا شرکت نہیں کرتے تھے)۔ ایک اہم رکن فوجی انٹیلیجنس کا ڈائریکٹر (DMI) تھا۔ DMI انٹیلیجنس کور کی چھ انٹیلیجنس رجمنٹس (تقریباً 2,000 اہلکاروں پر مشتمل) کو کنٹرول کرتا

تھا۔ یہ میٹنگز بہت کم ایسی شخصی اختلافات پیدا کرتی تھیں جو نیشنل سیکیورٹی کونسل کی میٹنگز میں دیکھنے کو ملتے تھے۔

چارٹ تصویر انٹیلیجنس

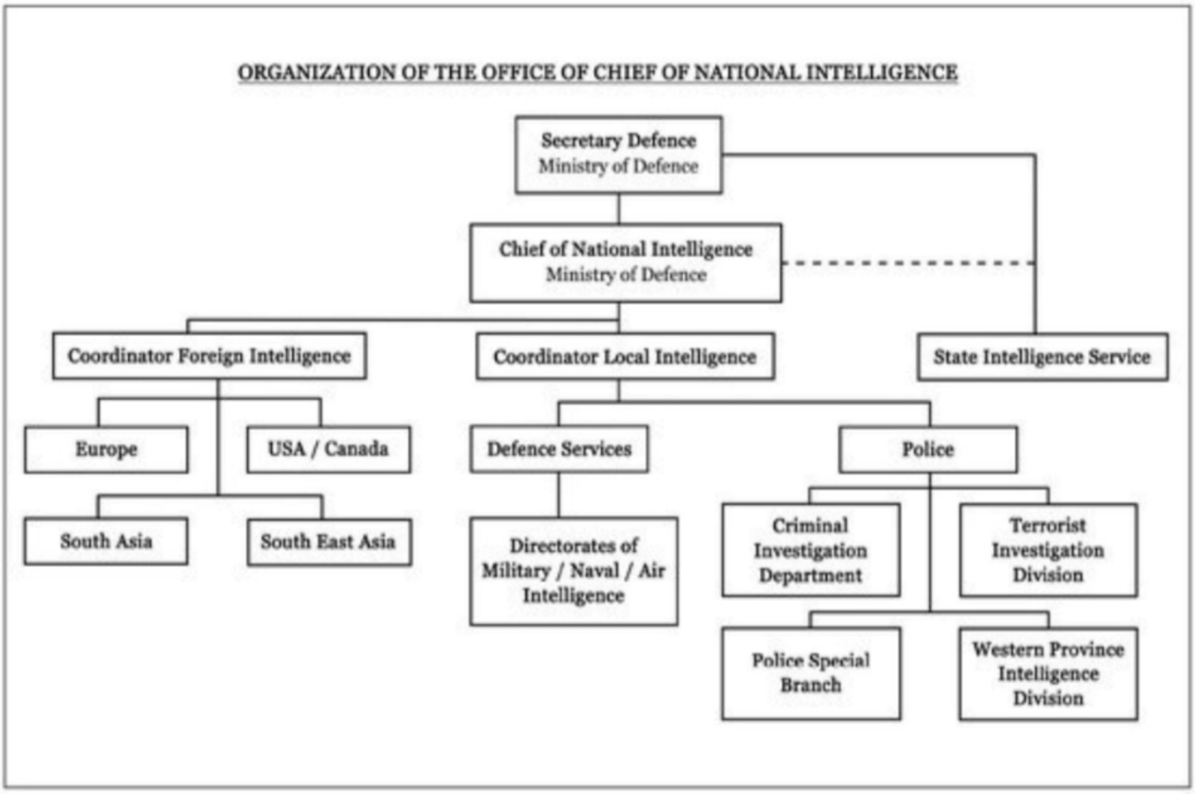

ہنداوِتھرانا تمام رازوں کے محافظ تھے اور انہیں معلوم تھا کہ سیاسی "ڈھانچے" کہاں دفن ہیں۔ خوش قسمتی سے سری لنکا کے لیے، وہ تمام انٹیلیجنس سروسز کے سربراہ تھے۔ یہاں برطانوی انٹیلیجنس کی

طرح MI5 اور MI6 یا اسپیشل برانچ کے درمیان جھگڑے نہیں تھے، اور نہ ہی امریکہ کی ایف بی آئی اور سی آئی اے کے درمیان داخلی اور بین الاقوامی دائرہ اختیار پر کوئی لڑائی تھی۔ یہی وہ بنیادی وجہ تھی جس کی بنا پر 9/11 کے متعدد انتباہات کے باوجود "نشانیاں جوڑنے" میں ناکامی ہوئی۔ اگر ایف بی آئی اور سی آئی اے نے تھوڑی زیادہ معلومات کا تبادلہ کیا ہوتا، تو القاعدہ کی سازش کے کچھ مجرموں کو پکڑا جا سکتا تھا اس سے پہلے کہ وہ ٹوئن ٹاورز پر حملہ کرتے۔ سری لنکا کے جاسوسی سپریمو کے پاس ملکی اور بین الاقوامی وسائل پر اختیار تھا۔ ہنداوِتھرانا، جو سخت لیکن نہایت شائستہ تھے، چھ سال تک ملٹری انٹیلیجنس کے ڈائریکٹر اور گیارہ سال تک SIS میں انسداد دہشت گردی کے سربراہ رہے تھے۔ اگرچہ سری لنکا کے پاس جدید ترین سرویلنس کے طریقے تھے، ہنداوِتھرانا پرانے اسکول سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ہر چیز ہارڈ کاپی "رجسٹری" میں کہاں رکھی گئی ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: "مجھے معلوم تھا کہ رجسٹری میں سب کچھ کہاں تھا—ہر چیز رجسٹری میں بھیجی جاتی تھی۔" ایس آئی ایس سری لنکا کی مرکزی انٹیلیجنس ایجنسی تھی۔ اسے پولیس کنٹرول نہیں کرتی تھی بلکہ یہ وزارت دفاع کے ماتحت ایک فوجی تنظیم تھی۔ یہاں بھی برطانیہ اور امریکہ کے برعکس، جہاں انٹیلیجنس کو وزارت داخلہ، وزارت خارجہ و دولت مشترکہ اور وزارت دفاع کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے، اور امریکہ میں بھی محکمہ خارجہ، پینٹاگون اور ہوم لینڈ سیکیورٹی کے درمیان تقسیم ہوتی ہے،

سری لنکا کا نظام زیادہ منظم تھا۔ قومی انٹیلیجنس کے سربراہ کو نہ صرف تمام فوجی اور پولیس کے ڈیٹا پر نگرانی حاصل تھی بلکہ وہ CIA اور بھارتی ایجنسیوں کے ساتھ تعاون کرتے تھے اور کبھی کبھار برطانوی ایجنسیوں کے ساتھ بھی۔ انٹیلیجنس کے سربراہ براہِ راست گوٹابایا راجاپکسا یا کبھی کبھار ضرورت کے تحت صدر، جو کمانڈر انچیف اور وزیر دفاع بھی تھے، کو رپورٹ کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ چھوٹے سے جزیرے میں "نشانیاں جوڑنا" ممکن تھا۔ سری لنکا کے جاسوس سربراہ ایک آدمی تھے جن کے اندر خاموشی سے ایک حق بجانب غصہ بھرا ہوا تھا۔ دوسرے اعلیٰ افسران شاید راجاپکسا انکارپوریٹڈ کو رسمی اطاعت ادا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ سرکاری نعرے پر یقین رکھتے تھے، لیکن وہ جانتے تھے کہ اسے شائستگی سے اور بار بار کہنا ضروری ہے۔ لیکن قومی انٹیلیجنس کے ڈائریکٹر کے ساتھ، عزم کی آگ ان کے دل میں گہری جل رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ کس طرح پچھلی حکومتوں کی جان لیوا پس و پیش نے انٹیلیجنس کی قیمتی معلومات کو ضائع کر دیا۔ چیف اسپوک نے کئی ایسے مستقل سیکرٹریز کے ماتحت کام کیا تھا جو صدر مملکت سے ملنے کی جرات بھی نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے سادہ الفاظ میں کہا: "جنگ جیتنے کی کنجی بھائیوں کا اتحاد تھا۔ اور سیکرٹری نے قابو پا لیا۔ مسلح افواج کی تعداد 100,000 سے بڑھا کر 300,000 کر دی گئی اور جنگ لڑنے کے لیے وسائل فراہم کیے گئے۔" انٹیلیجنس کے سربراہ کو ناکام جنگ بندیوں پر بھی گہرا شک تھا۔ "پہلے، مجھ سے کہا گیا کہ فوج کو آدھا

کر دو۔ میں نے کہا، 'نہیں، میرے پیر کاٹ کر یہ توقع نہ کریں کہ میں دوڑ سکوں گا۔' میں کبھی نہیں بدلا۔ میں نے کبھی بھی جنگ بندی کے دوران طاقت کو کم نہیں کیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ہمیں لڑنا ہو گا... بار بار سیاستدان بین الاقوامی دباؤ کے سامنے جھک جاتے تھے۔" اور اس نے کبھی دشمن کی مہارت اور لڑنے کے عزم کو کم نہیں سمجھا۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ ایل ٹی ٹی ای کا موازنہ دیگر بغاوتوں سے کیسے کرتے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا: "وہ یقینی طور پر دنیا کے سب سے خطرناک گروہوں میں سے ایک تھے۔ ان کے پاس زمینی لڑاکا دستے تھے۔ ان کا سمندری ٹائیگر ونگ بہت مضبوط تھا۔ ان کا فضائی ونگ خوف پھیلانے میں کامیاب رہا۔ اور پھر ان کے خودکش دستوں کے درمیان خودکشی کی ثقافت تھی۔ دنیا کا کوئی اور دہشت گرد گروہ تینوں شعبوں میں ماہر نہیں تھا۔" قومی انٹیلیجنس کے ڈائریکٹر اپنی کامیابیوں پر بات کرنے کے لیے بھی تیار تھے: "کے پی (بعد از جنگ ٹائیگر چیف) کو پکڑنا اور کبوتر جہازوں (ایل ٹی ٹی ای کے تیرتے ہوئے اسلحہ خانوں) کو روکنا، اور سمندری سپلائی کی کھیپوں کو باقاعدگی سے روکنا۔ ہم نے ان میں سے بیشتر کو ختم کر دیا،" انہوں نے کہا۔ انہوں نے یہ بھی وضاحت کی کہ ایل ٹی ٹی ای کے ایک تہائی دستے، کرنل کرونا کی قیادت میں، حکومت کے ساتھ ملنے کا کام قومی انٹیلیجنس کا تھا، سیاستدانوں کا نہیں۔

اور سب سے بڑی ناکامیاں؟

جاسوسی چیف نے اعتراف کیا کہ 2001 میں ایک بڑی غلطی ہوئی جب پولیس نے ان کے کچھ اہلکاروں کو گرفتار کر لیا، جو پربھاکرن کو قتل کرنے کی ذمہ داری پر تھے، اور ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ اس ٹیم کو وزیر اعظم کو قتل کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ جنگ ختم ہو چکی ہے، کیا اب کچھ اور راز افشا کیے جا سکتے ہیں؟

"ہم خاموشی سے تکلیف برداشت کرتے ہیں۔"

پروپیگنڈا

زیادہ تر جنگوں میں، لوگ وہی یقین کرتے ہیں جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ کئی جنگوں میں – جیسے نیٹو کی افغانستان میں جنگ یا روڈیشیا میں سفید فام آبادی – عوام اپنے آپ کو یقین دلاتی ہے کہ ان کا فریق جیت رہا ہے۔ سری لنکا میں 2006 سے پہلے، زیادہ تر لوگ، چاہے وہ مقامی ہوں یا بیرون ملک، یہ مانتے تھے کہ کولمبو کی حکومت ٹائیگرز کو شکست نہیں دے سکتی۔ راجاپکسا خاندان نے ملک کو جنگ کے لیے

متحرک کرنے کے لیے ایک بڑی میڈیا اور پی آر مہم کا آغاز کیا۔ ٹیلی ویژن کا تعارف سری لنکا میں 1981 میں ہوا؛ اگلے سال روپاواہنی قومی ٹی وی اسٹیشن بن گیا (جسے ابتدا میں جاپانی حکومت نے مالی مدد فراہم کی)۔ ٹی وی جلد ہی بے حد مقبول ہو گیا، حتیٰ کہ جہاں دیہاتی ایک عمارت میں مشترکہ طور پر ایک سیٹ استعمال کرتے تھے۔ یہ جلد ہی ریڈیو کو پیچھے چھوڑ گیا اور تینوں مرکزی زبانوں میں خبریں اور تفریح فراہم کرنے والا مقبول ذریعہ بن گیا۔ فوج نے اس کے ممکنہ اثرات کو فوری طور پر بھانپ لیا۔ 1987 میں کمانڈوز پر مبنی ایک ڈاکیوڈراما نشر کیا گیا جس کا نام تھا "نوحلک نوماتھا" (کمانڈو کا نعرہ: 'کچھ بھی ناممکن نہیں')۔ ڈراموں کے علاوہ، مختلف حکومتی سپانسر شدہ اشتہاری مہمات نے نوجوانوں کو "کچھ بھی ناممکن نہیں" کی فوجی ثقافت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ مہمات کامیاب نہیں ہو سکیں۔ 2002 کے وسط میں ایک مہم کے نتیجے میں صرف 470 فوجی بھرتی ہوئے، جبکہ ہدف 5,000 کا تھا۔ افرادی قوت کی کمی حکومت کی 2002 کی جنگ بندی کے معاہدے کی ایک وجہ تھی۔

جب راجاپاکسا خاندان نے اقتدار سنبھالا، تو میڈیا مہم کو پوری رفتار سے چلایا گیا۔ خاص طور پر نوجوانوں کو متوجہ کرنے والے چمکتے دمکتے ٹی وی اشتہارات تیار کیے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ، حقیقی سماجی بہبود کی اصلاحات کی گئیں اور دو بڑے اداروں میں معذوروں کی دیکھ بھال کے لیے پیسہ لگایا گیا، جو "جرات کرنے والوں کی دیکھ بھال" کے بینر تلے کام کر رہے تھے۔ فوجی ناکامیوں، خاص طور پر ایلیفینٹ پاس

میں بڑی شکست اور ناقص بھرتیوں نے سپاہی کی بہت منفی شبیہہ بنا دی تھی۔ گوٹابایا راجاپاکسا کے مطابق، "ہم لوگوں کے ذہنوں میں سپاہی کی شبیہہ کو مکمل طور پر تبدیل کرنا چاہتے تھے؛ کہ فوجی کوئی باہر کا فرد نہیں ہے، وہ ہم میں سے ایک ہے-ایک نجات دہندہ۔" سینئر فوجی رہنماؤں کو میڈیا سے بات کرنے کی ترغیب دی گئی- حکومت زیادہ تر پریس کو کنٹرول کرتی تھی- کیونکہ سمارٹ یونیفارم میں ملبوس صاف گو فوجی سیاسی رہنماؤں کے فوجی کامیابیوں کے دعوؤں سے کہیں زیادہ قابل اعتماد تھے۔ مہم کا ایک حصہ فوجیوں کی تنخواہوں اور سہولتوں میں بہتری اور زخمیوں اور ان کے خاندانوں کی دیکھ بھال پر مشتمل تھا۔ فیچر فلمیں، اشتہارات، اور ٹی وی وریڈیو پر جِنگلز نشر کیے گئے۔ کچھ جِنگلز اتنے مقبول ہوئے کہ انہیں موبائل فونز کے لیے رنگ ٹونز کے طور پر ڈاؤن لوڈ کیا گیا۔ کامیابی مزید کامیابی کو جنم دیتی ہے، لہٰذا 2006 کے بعد میدان جنگ میں ہونے والی پیش رفت کے ساتھ ساتھ میڈیا مہمات بھی جاری رہیں۔ وزیر دفاع نے ان مہمات کو اس طرح سمیٹا: "ہم نے میڈیا کلچر پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔" مسئلہ یہ تھا کہ کولمبو کی حکومت زیادہ تر پہلے سے ہی حامیوں کو تبلیغ کر رہی تھی۔ جی ہاں، موثر میڈیا مہمات سنگھالیوں کا حوصلہ بلند کر سکتی تھیں اور بھرتیوں میں اضافہ کر سکتی تھیں، لیکن یہ نہ تو تاملوں میں گھریلو طور پر ایل ٹی ٹی ای کے پروپیگنڈے کا مقابلہ کر سکتی تھیں اور نہ ہی ایل

ٹی ٹی ای کی جانب سے نئی میڈیا کے ماہرانہ استعمال کا، جس کے ذریعے وہ اپنی پیغامات کو تامل ڈائیسپورا والے ممالک میں مؤثر طریقے سے پہنچاتے تھے۔

تصویر

سری لنکا کے صدر، مہندا راجا پاکسا۔

وزرات دفاع کے مستقل سیکرٹری گوٹابایاراجاپاکسا

تصویراوران کے اہم مخالف، تامل ٹائیگرز کے رہنما، ویلوپلئی پربھاکرن۔(تامل نیٹ)

چیف آف ڈیفنس اسٹاف، ایئر چیف مارشل روشن

تصویر

گونتیلیکے۔ کمانڈر آف دی آرمی لیفٹیننٹ جنرل جگت جایا سوریا۔

تصویر چیف آف نیشنل انٹیلیجنس، میجر جنرل کپیلا ہنداوِیتھارانا۔

تصویر سابق سربراہ فوج، جنرل سارتھ فونسیکا۔ (وزارت دفاع سری لنکا)

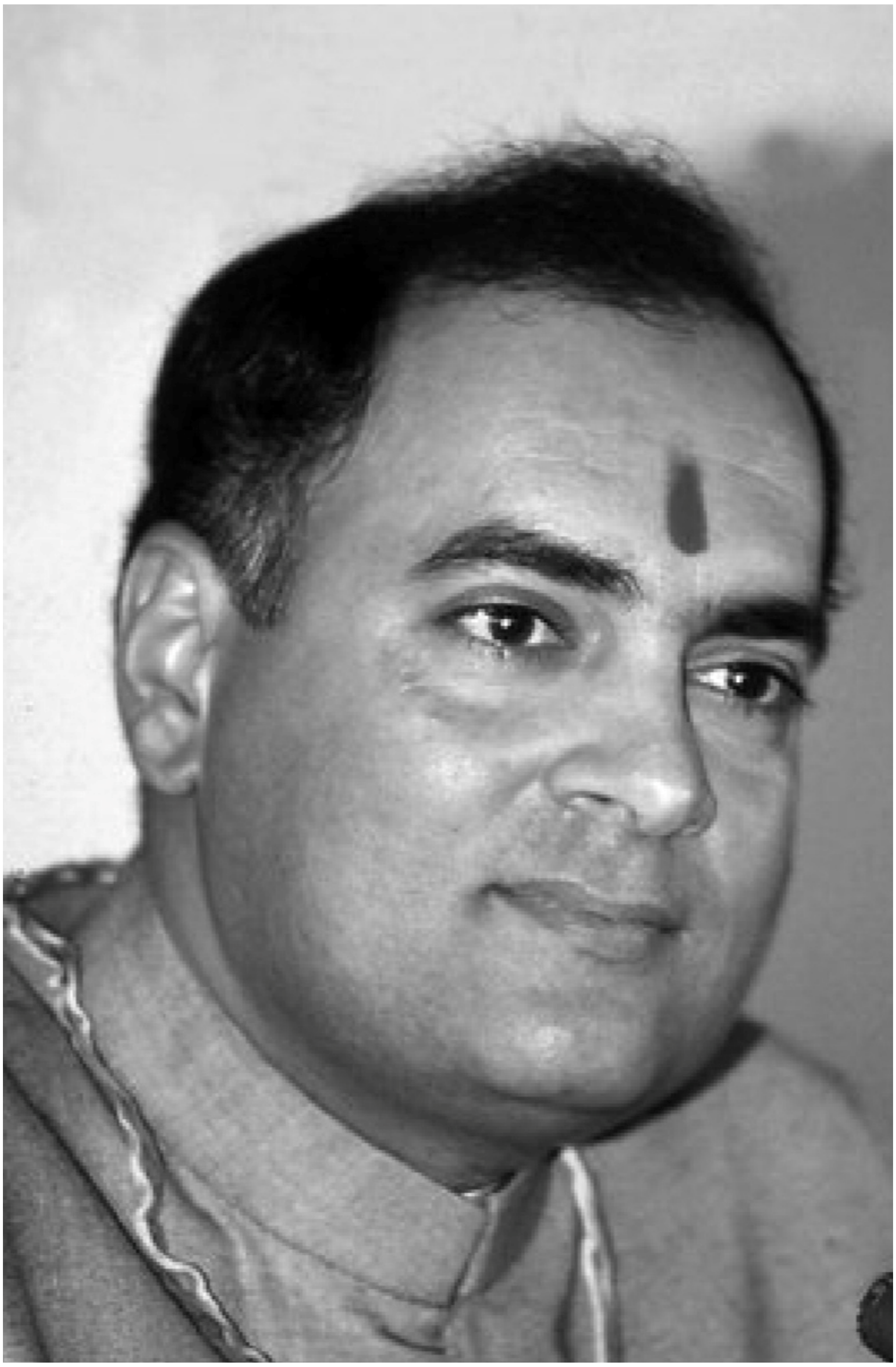

تصویر سابق بھارتی وزیر اعظم، راجیو گاندھی، کو 1991 میں ایل ٹی ٹی ای (لبریشن ٹائیگرز آف تمل ایلم) نے قتل کیا تھا۔

تصویر راجاپاکسا بھارتی وزیر اعظم منموہن سنگھ کے ساتھ۔

ایک فوجی بکتر بند اہلکار بردار گاڑی جافنا کے قریب گشت پر۔(مصنف)

چینی ساختہ ایمفیبیئس ٹینک۔(وزارت دفاع)

تصویر: مل Mi-24 ہیلی کاپٹر کو فضائیہ نے انتہائی حد تک استعمال کیا۔(وزارت دفاع)

ایم آئی 24-(جسے نیٹو نے "ہنڈ" کا کوڈ نام دیا تھا) اکثر آپریشنز سے واپس آتے وقت فریم میں پچاس سے زیادہ گولیوں کے سوراخ لیے ہوتے تھے۔ طیارہ ساز عملے کو اکثر اپنے بیڑے کے دیگر ہیلی کاپٹروں کے پرزے نکال کر اسکواڈرن کو پرواز کے قابل رکھنا پڑتا تھا۔ (مصنف)

تصویر: خصوصی فورسز بیل ہیلی کاپٹر (امریکی 'ہیوئی' ویتنام میں) سے آپریٹ کر رہی ہیں۔ (مصنف)

IAI سرچرز UAV، فضائیہ کا واحد زندہ بچ جانے والا۔ (مصنف)

تصویر: ریٹائر کیا گیا MiG-27 (نیٹو کوڈ نام: فلوگر)۔ (مصنف)

ایک پُرکشش اسرائیلی ساختہ کفیر، اپنی عمر کے باوجود اگلی صف کا لڑاکا طیارہ۔ (مصنف)

بحریہ کی فاسٹ اٹیک فلوٹیلا ترنکومالی بندرگاہ میں۔ (مصنف)

سمندری ٹائیگرز کی فائبر گلاس کشتی۔(مصنف)

تصویر: سمندری ٹائیگرز کا ایک کبوتری جہاز، جو بحریہ نے قبضے میں لیا، ترنکومالی بندرگاہ میں لنگر اندازہ

تصویر: ٹائیگرز کی جانب سے بچھائی گئی گھریلو ساختہ، چینی، سنگاپوری اور پاکستانی بارودی سرنگوں کا

مجموعہ، جو ابھی فوج کے ساپرز نے ہٹایا ہے۔(مصنف)

تصویر دوبارہ تعمیر کی گئی جافنا لائبریری، جو تامل ثقافت کا خزانہ ہے۔ ایل ٹی ٹی ای نے فوج اور/یا

پولیس کو اس پر دوبار آگ لگانے کا الزام دیا۔ (مصنف)

ایل ٹی ٹی ای نے بین الاقوامی سطح پر ایک بہت کامیاب پروپیگنڈا جنگ لڑی۔ (تامل نیٹ) تصویر:

قدرت نے مداخلت کی: دسمبر 2004 کا سونامی۔ 30,000 سے زیادہ سری لنکن ہلاک ہوئے؛ گال

کے قریب ایک زندہ بچ جانے والا۔

تصویر: ٹائیگرز اپنی کنٹرول شدہ علاقے میں گشت کرتے ہوئے۔ (تامل نیٹ)

تصویر: کرنل سوسائی، سی ٹائیگرز کے سربراہ، ایک تیز حملہ آور کشتی میں، 2003 تصویر: پولیس ایک

بس کی حفاظت کر رہی ہے جسے بُٹالا میں ایل ٹی ٹی ای کی بارودی سرنگ نے نشانہ بنایا۔ (سری لنکن پولیس)

چھوٹی یونٹ کی گہری دراندازی فوج کی کامیاب انسداد بغاوت کی مہم کے اہم عناصر میں سے ایک

تھی۔(وزارت دفاع)

تصویر: زیادہ تر لڑائی پیدل چل کر لڑائی کے میدان تک پہنچنے پر منحصر تھی؛ نہ کوئی ہوائی دستے اتارے گئے اور نہ ہی ہیلی کاپٹر ٹرانسپورٹ کا زیادہ استعمال ہوا۔ سڑکیں نایاب تھیں اور اکثر بارودی سرنگوں

اور مون سون کی وجہ سے ناقابلِ عبور ہوتی تھیں۔ (وزارت دفاع)

تصویر: بالواسطہ فائر، یعنی مارٹر اور توپخانہ، دونوں جانب سے زیادہ تر ہلاکتوں کا سبب بنا۔ (وزارت

دفاع)

دو تصویر: جنگ کے آخری چند مہینوں میں زیادہ تر لڑائی تالابوں اور سیلاب زدہ ذخائر کے ارد گرد لڑی

گئی۔ (وزارت دفاع)

تصویر: جنگ کے آخری چند ہفتوں میں نندیکدل جھیل کے ارد گرد لڑائی۔ (وزارت دفاع)

دو تصویر: اغوا کیے گئے اور پھر گراؤنڈ کیے گئے اردنی جہاز کو سمندری ٹائیگرز کے آخری اڈے کے طور

پر استعمال کیا گیا۔

تصویر: کیمپ کے آخری چند گھنٹے: ایک سپاہی ایک مایوس شہری کو پانی پیش کر رہا ہے۔ (وزارت دفاع)

جب بندوقیں خاموش ہو گئیں۔ مصنف نے کیمپ کا دورہ کیا اور ہر طرف تباہ شدہ گاڑیاں اور بسیں دیکھیں، لیکن شاید سب سے زیادہ دل کو چھو لینے والا منظر سینکڑوں گز تک پھیلے ہوئے زنگ آلود سائیکلوں کی قرینے سے ترتیب دی گئی قطاریں تھیں۔(مصنف)

دو تصویر: کیج میں لڑائی کے اختتام پر فتح کی پریڈ کے لیے لائن میں کھڑی بکتر بند گاڑیاں۔(وزارت

دفاع)

تصویر: فوج نے آخری معرکے کے مقام کے قریب فتح کی یادگار تعمیر کی۔ (مصنف)

تصویر: غیر ملکی ناقدین نے جنگ کے آخری مراحل میں بے گھر ہونے والے 300,000 سے زائد شہریوں کے لیے قائم کیے گئے آئی ڈی پی کیمپوں میں حالات کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔

تصویر: زیادہ تر آئی ڈی پیز کو اٹھارہ ماہ کے اندر اپنے گھروں کو واپس بھیج دیا گیا، اگرچہ کچھ کو اپنے

دیہات سے بارودی سرنگیں ہٹائے جانے کا انتظار کرنا پڑا۔ (مصنف)

تصویر نیچے دو اور: دل و دماغ کی جنگ: فوجی جافنا کے قریب ایک ہندو رسم میں حصہ لے رہے ہیں۔

(مصنف)

سخت گیر ٹائیگر خواتین بحالی کیمپ میں۔ (مصنف)

تصویر: فوج کا ایک خاتون سپاہی کولمبو میں قومی یادگار پر شہید ہونے والے مرد اور خواتین فوجیوں کے

نام دکھا رہا ہے۔ (مصنف)

امریکی میرینز نے جنگ کے بعد سری لنکن اسپیشل بوٹ اسکواڈرن کو دوبارہ تربیت دی۔ (امریکی محکمہ

دفاع)

سری لنکن فورسز نے 2010 میں ہیٹی میں اپنی اقوام متحدہ کی تعیناتی جاری رکھی۔ (امریکی محکمہ دفاع

باب دھم

ٹائیگرز کی کہانی

ایک آدمی کی جنگ

سری لنکا میں کبھی ایک ریلوے نظام تھا جو دنیا کے سب سے خوبصورت راستوں سے گزرتا تھا۔ پہلی بار 1864 میں نمودار ہونے والی ٹرینوں کو مقامی لوگ 'کوئلہ کھانے والی، پانی پینے والی، دوڑتی ہوئی دھات کی یاک' کہتے تھے۔ 1950 کی دہائی میں بھاپ کی جگہ ڈیزل انجنوں نے لینی شروع کی۔ یال دیوی، یا شمالی لائن، کولمبو سے جافنا اور اس سے آگے تک چلتی تھی۔ یہ راستہ انورادھاپورہ سے گزرتا، جو کہ جزیرے کا قدیم دارالحکومت تھا، کبھی خانقاہوں، شاہی محلات، تفریحی باغات اور مصنوعی جھیلوں سے بھرپور ہوتا تھا۔ پھر یہ ٹرین کلینوچی اور ایلیفینٹ پاس سے گزر کر جافنا جزیرہ نما میں داخل ہوتی تھی۔ ریلوے لائن جزیرہ نما کے شمالی کنارے پر واقع ایک چھوٹے ساحلی قصبے، ویلویٹیٹورائی، کے قریب سے گزرتی تھی۔ 26 نومبر 1954 کو ایک بچہ جافنا کے ایک چھوٹے سے

اسپتال میں پیدا ہوا اور پھر اس کے والدین اسے اپنے گھر ویلوٹیٹورائی لے گئے۔ وہ بچہ بڑا ہو کر ٹائیگرز کا لیڈر بنا، جس کا نام تھا تھروینکڈم ویلوپیلا پرابھاکرن۔ جو جنگ اس نے شروع کی، اس نے بہت سی چیزوں کو تباہ کیا، جن میں ریلوے نظام بھی شامل تھا۔ جافنا کا کبھی مصروف اور خوبصورت نوآبادیاتی ریلوے اسٹیشن، جو 1902 میں پہلی بار کھلا تھا، ایک ویران ڈھانچے میں تبدیل ہو گیا تھا، جہاں صرف ایک بے گھر شخص رہتا تھا۔ اسے ٹائیگرز نے حملہ کر کے تباہ کیا اور فضائیہ نے بمباری کی۔ تاہم، ایک غیر ملکی سیاح شاید سوچتا کہ ریلوے پٹریاں کہاں گئیں؟ اس کا جواب سیدھا سادہ ہے: سالوں کے دوران اسٹیل کی پٹریوں کو شمالی اور مشرقی علاقوں میں بے شمار بنکرز بنانے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ پرابھاکرن کی مایوسی اور خوف نے ایک وسیع بنکر ذہنیت کو جنم دیا۔ اب سڑکیں کھلی ہوئی ہیں اور شمالی لائن کو آہستہ آہستہ دوبارہ تعمیر کیا جا رہا ہے، لیکن تاملوں اور سنہالیوں کی جنگی ذہنی حالت کو شفا دینے میں زیادہ وقت لگے گا۔ ہندوں گھروں میں بیٹے کی پیدائش کو خاص طور پر خوشی کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ پرابھاکرن اپنے والدین کا چوتھا اور آخری بچہ تھا اور والدین نے اسے بہت لاڈ پیار دیا۔ اس کی ماں بہت مذہبی تھی اور اس کا والد، جو سرکاری ملازم کی حیثیت سے ضلع کے زمین دار کے طور پر کام کرتا تھا، ایک محبت کرنے والا لیکن سخت آدمی تھا جو اپنے دو بیٹوں اور دو بیٹیوں سے مکمل نظم وضبط کا تقاضا کرتا تھا۔ خاندان کو قصبے میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بطور بچہ، پرابھاکرن باقاعدگی سے

مقامی مندر جایا کرتا تھا، جو کہ ہندو دیوتا شیوا کے نام پر تھا، جو تباہی کا دیوتا ہے، شاید یہ اس کی آنے والی زندگی کا اشارہ تھا۔ لاڈ پیار کرنے والے بچے کا عرفی نام، ماضی میں دیکھا جائے تو، اچھا نہیں تھا: 'دورائی' یا 'نوجوان آقا'۔ یہ وہ اصطلاح تھی جو تامل خادم نو آبادیاتی آقاؤں کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ والدین نے کوشش کی کہ بچے کو گھر میں زیادہ سے زیادہ رکھا جائے؛ اس زمانے کے خاندان کے دوست اسے 'گھر میں رہنے والا' بیان کرتے ہیں۔ وہ لڑکا ایک تنہا مزاج کا تھا، لڑکیوں کے سامنے شرماتا تھا اور عموماً خود کو کتابوں اور تامل کامکس میں گم کر لیتا تھا۔ اپنے ایک نایاب انٹرویو میں پربھاکرن نے اعتراف کیا: 'چھوٹی عمر سے ہی مجھے کتابوں سے محبت رہی ہے۔ جو جیب خرچ میرے والدین دیتے، میں اسے کتابوں پر خرچ کرتا تھا۔ میرے گاؤں میں ایک کتابوں کی دکان تھی۔ یہ ایک عادت بن گئی کہ وہاں کی ساری قیمتی کتابیں خرید کر انہیں پڑھوں۔ 1950 کی دہائی میں بہت سے نوجوان تامل مہاتما گاندھی کی عدم تشدد کی تحریک کو ہیرو مانتے تھے۔ پربھاکرن کو ان بھارتیوں کے بارے میں پڑھنا پسند تھا جنہوں نے سامراجی حکومت کے خلاف طاقت کا استعمال کیا تھا۔ ایک ان میں بھگت سنگھ تھا، جو ایک نوجوان سکھ تھا اور جس نے ایک خفیہ تنظیم بنائی تھی اور جسے 1931 میں برطانوی حکومت نے پھانسی دی تھی۔ پربھاکرن کا ایک اور ہیرو سبھاش چندر بوس تھا، جس نے جاپانیوں کے قیدیوں میں سے فوجی بھرتی کیے تھے اور انہیں برطانویوں کے خلاف–ناکام–

قیادت کی تھی۔ پر ابھاکرن نے بوس کا ایک جملہ یاد کر لیا تھا اور اکثر اسے دہرایا کرتا تھا: 'میں اپنے ملک کی آزادی کے لیے آخری خون کے قطرے تک لڑوں گا۔' نوجوان انقلابی نے نپولین کی مہمات کے بارے میں بھی دلچسپی سے پڑھا۔ پر ابھاکرن پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندو رزمیہ مہابھارتا سے بہت متاثر تھا، جو دنیا کی طویل ترین نظموں میں سے ایک ہے۔ یہ نظم نہ صرف قدیم جنگوں کا بہترین بیان ہے، جو تقریباً مکمل طور پر پیادہ سپاہیوں کے درمیان تیر کمانوں کے ساتھ لڑی جاتی تھی، بلکہ اس میں سیاست کی مہارت سے کی گئی جنگوں کی بڑی داستانیں بھی شامل ہیں۔ بہت زیادہ مطالعہ کرنے کے باوجود، نوجوان پر ابھاکرن ایک کامیاب طالب علم نہیں تھا۔ اس کے والد کو فکر تھی کہ اس کے خراب نتائج اسے اچھی سرکاری ملازمت سے محروم کر دیں گے۔ ایک جز وقتی استاد کا انتظام کیا گیا، جو اتفاقاً ایک تمل قوم پرست تھا۔ پر ابھاکرن نے بعد میں یاد کرتے ہوئے کہا کہ وہ یہی جز وقتی استاد تھا جس نے اس پر مسلح جدوجہد کی ضرورت کو اجاگر کیا اور اسے اس پر بھروسہ کرنے پر قائل کیا۔ اس وقت جافنا کا جزیرہ نما جنوبی بھارت کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ دکانیں ساڑیوں سے بھری ہوئی تھیں اور تمل فلمی ستاروں کے پوسٹر اور رسالے عام تھے۔ دکانوں سے تمل موسیقی کی آواز گونجتی تھی۔ کچھ اسکول کے اساتذہ بھی ہمسایہ ریاست تمل ناڈو سے آئے تھے۔ بہت سے تمل، جنوبی کولمبو میں سنہالی قوم پرستوں کے بجائے، بھارت میں اپنے ہم زبان تملوں کی طرف دیکھتے تھے۔ اسی ماحول میں

پر ابھا کرن پروان چڑھا، جو کہ ایک روشن دماغ، لیکن تعلیمی لحاظ سے ناکام تھا۔ تمل قوم پرستوں کو پہلے ہی ظلم و ستم کا سامنا تھا۔ اس شدید نوجوان نے ایک مقصد کے لیے غیر متزلزل عزم پیدا کر لیا: سری لنکا میں تمل وطن کی آزادی۔ پر ابھا کرن نے اپنے آپ کو اس مقصد کے لیے ایک جنگجو سمجھا۔

اس نے پتنگ بازی چھوڑ دی اور فوجی مہارتیں سیکھنے پر توجہ مرکوز کی۔ غلیل کی جگہ ایک ہوائی بندوق نے لے لی، اور وہ مسلسل اس کی مشق کرتا رہا۔ اس نے جودو اور کراٹے شروع کیا، جس پر اس کا خاندان ہنستا تھا، کیونکہ وہ اسے اب بھی ایک شرمیلا اسکول کا لڑکا سمجھتے تھے۔ اس نے آتشبازی کے پٹاخوں سے بنائے گئے دیسی بموں کے ساتھ بھی تجربات کیے، جو بعد میں اس وقت سنجیدہ ہو گئے جب اس نے اسکولوں سے کیمیکلز چرا کر مولوتوف کاک ٹیل بنانے شروع کر دیے۔ لڑکا جوان ہوا اور اس کی بندوقوں سے دلچسپی کم نہ ہوئی۔ لیکن ایک نوجوان نفسیاتی قاتل، یا ایک ابتدائی پول پوٹ کی شکل کو ایک طرف رکھتے ہوئے، پر ابھا کرن کے ایک پرانے اور سب سے بھروسہ مند دوست، اور بعد میں سینئر ٹائیگر رہنما، 'کے پی' (کومارن پاتھماناتھن) نے مجھے انٹرویو میں بتایا۔ 'کے پی' کا اصرار تھا کہ گوریلا لیڈر کا 'ایک نرم پہلو' بھی تھا۔ وہ طاقت کا بھوکا نہیں تھا، بلکہ بہت نظم و ضبط کا حامل اور اپنے مقصد کے ساتھ بہت پر عزم تھا۔ اور اسے کوئی افسوس نہیں تھا، یہاں تک کہ جب اس کے بیٹے اور

بیٹی کو قتل کیا گیا۔ وہ ایک قدرتی لیڈر تھا... لیکن وہ معاشی طاقت کے ذریعے زیادہ حاصل کر سکتا تھا۔ اسے کھانا پکانا اور بیڈ منٹن پسند تھا؛ وہ عورتوں یا شراب کا عادی نہیں تھا۔ لیکن اسے بندوقیں اور شکار پسند تھا۔ 1972–73 تک، نوجوان کی ہتھیاروں، تشدد اور تمل علیحدگی پسندی کے لیے دلچسپی نے پولیس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی، خاص طور پر ایک سنجیدہ تمل پولیس انسپکٹر ٹی بی بستیام پلئی کی، جو تمل عسکریت پسندوں کا سراغ لگانے میں شہرت رکھتا تھا۔ انسپکٹر نے اس کے گھر کا دورہ کیا لیکن پرابھاکرن وہاں موجود نہیں تھا۔ پولیس افسر (جسے بعد میں ٹائیگرز نے قتل کیا) نے پرابھاکرن کی ماں کو سخت وارننگ دی: 'اگر میں نے تمہارے بیٹے کو پکڑ لیا تو اسے سو ٹکڑوں میں توڑ دوں گا۔' یہ ایک سخت زبان تھی، جو ایک افسر کی طرف سے استعمال کی گئی تھی، جسے ایک سخت اور نڈر کردار کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اگلی بار انسپکٹر رات کے وقت آیا۔ مضبوط جسامت والے افسر کے پاس ہمیشہ کی طرح دو ریوالور تھے۔ پرابھاکرن نے اپنے کپڑے تیار رکھے تھے اور وہ گھر کے پچھلے حصے سے نکل کر اپنے چچا کے گھر میں داخل ہو گیا۔ باڑ پھلانگتے وقت اس کی قمیض پھٹ گئی، لیکن چچا نے اسے دوسری قمیض دی۔ اس وقت پرابھاکرن کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ وہ اپنے گھر سے نکلا اور کبھی واپس نہ آیا۔ گھر چھوڑنے سے پہلے اس نے اپنی تمام تصاویر تباہ کر دیں۔ نوجوان انقلابی پہلے بھارت گیا لیکن جلد ہی مسلح جدوجہد کے لیے واپس آ گیا۔ ایک تمل ورژن 'اسکارلیٹ پمپرنیل' کی طرح، وہ اگلے سینتیس

سال تک مفرور زندگی گزارنے والا تھا، خوش قسمتی سے پہلی بار غصے میں بھری پولیس سے بچتا رہا، اور بعد میں انتقامی پیشہ ور فوجیوں کی بٹالینز سے بھی۔

ایل ٹی ٹی ای کی ابتدا

پربھاکرن کا آبائی شہر، دیگر ساحلی دیہات کی طرح، سمگلنگ کا مرکز تھا۔ عسکریت پسندی، جرائم اور سمگلنگ کا سب سے پہلا امتزاج ویلویٹ ٹورائی کے ایک معروف مقامی ماہی گیر نادر جا تھنگا ویلو میں نظر آیا۔ مقامی لوگ ان سخت گیر سمگلروں کو 'اوٹی' کہتے تھے۔ نوجوان پربھاکرن نے تھنگا ویلو کا رخ کیا۔ یہ قریبی سمگلنگ کمیونٹی اور تامل ناڈو تک رسائی ایک نوجوان انقلابی کے لیے خاصی دلچسپی کا باعث تھی۔ 1972 میں، پربھاکرن نے تامل نیو ٹائیگرز (TNT) کی بنیاد رکھی، جو تاملوں کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک کے خلاف احتجاج کرنے والی کئی تنظیموں میں سے ایک تھی۔ مئی 1976 میں TNT کا نام بدل کر لبریشن ٹائیگرز آف تامل ایلم (LTTE) رکھا گیا اور یہ عام طور پر ٹائیگرز کے نام سے مشہور ہو گئے۔ زیادہ تر تامل گروہ حکومت کے حامی تامل تحریکوں میں شامل ہو گئے،

لیکن پربھاکرن ہمیشہ سخت گیر رہے۔ بعد کے سالوں میں وہ شمالی ویتنامی ماڈل کو اپنائیں گے جس میں لڑنا اور بات چیت کرنا اور جنگ بندی کو حکمت عملی کے طور پر استعمال کرنا شامل تھا۔ ایل ٹی ٹی ای کے قیام کے وقت، فوجی اور پولیس انٹیلی جنس کے مطابق تامل عسکریت پسندی میں 37 تنظیمیں سرگرم تھیں۔ زیادہ تر سری لنکا کی ریاست کے لیے معمولی مسئلہ تھیں۔ ایل ٹی ٹی ای کے علاوہ صرف چار بڑی آپریشنل اور سیاسی اہمیت کی حامل تھیں: People's Liberation Organization Of Tamil Eelam (PLOTE)، جس کی قیادت اُما مہیشورن کر رہے تھے، Tamil Eelam Liberation Organization (TELO)، جس کی قیادت سری سباراتنم کر رہے تھے، Eelam People's Revolutionary Liberation Front (EPRLF)، جس کی قیادت کے ایس پدم نابھا کر رہے تھے، Eelam Revolutionary Organization Of Students (EROS)، جس کی قیادت ویلوپیلئی بالا کمار کر رہے تھے۔ یہ گروہ اکثر معمولی اور غیر واضح سیاسی اختلافات کو نمایاں کرتے تھے، جس سے مونٹی پائتھن کی فلم The Life Of Brian میں فلسطینی گروہوں کی پیروڈی کی یاد آتی ہے۔ ان میں اکثر اختلافات کی بنیاد ذاتی تھی بجائے سیاسی کے، اور ان کے درمیان رقابت جان لیوا ثابت ہوتی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای نے اپنے قیام کے بعد ایک دہائی سے زیادہ عرصے تک حریفوں کو شامل کرنے یا تباہ کرنے کی کوشش کی۔ مثال کے طور پر،

جنوری 1982 میں، ایل ٹی ٹی ای نے جافنا میں PLOTE پر حملہ کیا۔ بعض اوقات یہ ذاتی رقابتیں بہت زیادہ ذاتی ہو جاتیں۔ اسی سال مئی میں، مدراس کے پونڈی بازار میں PLOTE کے رہنماؤں مہیشورن اور خود پربھاکرن کے درمیان مڈبھیڑ ہوئی جس میں دونوں بچ گئے۔

نظریہ

کولمبو نے پربھاکرن کو اکثر منفی طور پر پیش کیا، جیسے کہ ایک خونخوار نسلی سردار اور بعد میں ایک جنونی شخص جو قدیم چولا سلطنت کو دوبارہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ کچھ تاملوں کی یہ خواہش تھی کہ انہیں تامل ناڈو میں ضم کر دیا جائے اور چنئی سے حکومت کی جائے، نہ کہ کولمبو سے۔ ایل ٹی ٹی ای کی بغاوت کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے متعدد ذات پات اور طبقاتی وضاحتیں پیش کی گئی ہیں۔ لیکن سب سے سیدھی اور زوردار وجہ نسلی علیحدگی پسندی کی قوم پرستی تھی، جو سنگھالی اکثریت کی طویل مدتی بالادستی پر مبنی تھی۔ تامل خود کو مسلمانوں جیسے دیگر اقلیتی گروہوں میں سب سے الگ تصور کرتے تھے۔ سنگھالی ریاست میں اکثریت میں تھے، لیکن بعض اوقات ایسے برتاؤ کرتے تھے جیسے وہ اقلیت میں

ہوں۔ اس 'اقلیت کے احساس والی اکثریت' کی وضاحت کولمبو کے خوف سے کی جا سکتی ہے، جو نہ صرف بھارتی سپر پاور سے تھا بلکہ تامل ناڈو میں موجود 60 ملین سے زائد تاملوں اور اس علاقے میں تامل بولنے والوں کی اکثریت سے بھی تھا۔ تاہم، سنگھالیوں کا یہ احساس تاملوں کے دکھ درد کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، جو 1958، 1961، 1974، 1977، 1979 اور 1981 میں ہونے والے خوفناک فسادات کے سلسلے میں شدید تھا، جو 1983 کے قتل عام پر منتج ہوا۔ کئی برسوں تک وفاقی حل اور غیر متشدد احتجاج پر بات چیت کے بعد، ٹائیگرز نے اعلان کیا کہ مسلح جدوجہد ہی تامل ایلم کے حصول کا واحد راستہ ہے۔ لیکن یہ ریاست 60 فیصد ساحلی پٹی اور تقریباً 30 فیصد زمینی رقبے پر مشتمل ہوتی، جو کسی بھی سنگھالی سیاسی رہنما کے لیے ناقابل قبول تھا اور وہ دفتر میں رہنے کی امید نہیں کر سکتا تھا۔

بہت سے بدھ مت کے پیروکاروں نے الزام لگایا کہ یہ جنگ بنیادی طور پر مذہبی ہے، لیکن ایل ٹی ٹی ای نے ہندو مقصد کو آگے نہیں بڑھایا۔ ایل ٹی ٹی ای کے ابتدائی کپتانوں میں سے ایک چارلس لوکاس انتھونی تھے، جو کہ ترنکومالی کا ایک نوجوان کیتھولک انقلابی تھا۔ ایل ٹی ٹی ای کے سیاسی فلسفے میں جو کچھ گزرتا تھا اس کا مبہم مارکسی لیننی رخ واضح طور پر سیکولر تھا۔ پربھاکرن نے خود وضاحت کی کہ ایک بار جب تامل ایلم حاصل ہو گیا تو اس کی نئی ریاست کے اندر اس کا مقصد 'انقلابی سوشلسٹ ازم اور مساوات پر مبنی معاشرے کی تشکیل' ہو گا۔ ایل ٹی ٹی ای کا چیف نظریہ دان انتون سٹینسلاس

بلا سنگھم تھا، جس کی پرورش ہندو- کیتھولک والدین کے ہاں ہوئی تھی۔ اس کے مارکسی رجحانات مضبوط تھے۔ اس کی 1979 میں شائع ہونے والی کتاب 'Towards Socialist Eelam' کو ایل ٹی ٹی ای نے اپنے منشور کے طور پر اپنایا۔ پربھاکرن بلاشبہ کرشماتی شخصیت کے مالک تھے، ان لوگوں کے مطابق جنہوں نے ان کے ساتھ قریبی کام کیا۔ اور ان کی فوجی کامیابیاں بے پناہ تھیں: انہوں نے ممکنہ طور پر 1945 کے بعد دنیا میں ابھرنے والی سب سے مؤثر اور منظم بغاوت کی قوت تیار کی۔ کچھ مداحوں نے ان کا موازنہ افغانستان کے احمد شاہ مسعود سے کیا، جب کہ دشمنوں نے ان کی سختی کو پول پاٹ سے تشبیہ دی۔ ٹائیگر لیڈر نے چے گویرا سے موازنہ منظور کیا تھا، اور قیادت کے کچھ خفیہ ناموں کا کیوبا کے ساتھ تعلق تھا۔ پربھاکرن نے چے پر لکھی گئی ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ تامل میں کروایا تاکہ وہ اسے بغیر کسی مدد کے پڑھ سکیں۔ ٹائیگر لیڈر کی شخصیت کا کلٹ اسٹالن سے مماثلت رکھتا تھا پربھاکرن نے اپنے پیروکاروں کے سوویت طرز کے صفایا کو نافذ کیا- لیکن فوجی حکمت عملی ماؤ کے اصولوں سے قریب تھیں۔ جنگی کیڈروں پر عائد کردہ سخت خالص اصول شمالی کوریا کی یاد دلاتے تھے، جہاں سے زیادہ تر ہتھیاروں کی فراہمی ہوئی۔ ایل ٹی ٹی ای کے زیر کنٹرول علاقوں میں انتظامیہ میں مساوات کی جھلک نظر آتی تھی، خاص طور پر ذات پات اور عورتوں کے ساتھ امتیاز کے خاتمے میں (خود پربھاکرن بھی نچلی ذات کے تھے)۔ مجموعی انتظامیہ سخت تھی اور

سزائیں اکثر سخت ہوتی تھیں، حالانکہ ایل ٹی ٹی ای-یا اس کا سیاسی بازو، پیپلز فرنٹ آف لبریشن ٹائیگرز- نے وضاحت کی کہ جنگ کے وقت کے تقاضے اضافی نظم و ضبط کا تقاضا کرتے ہیں۔

فوجی ڈھانچہ

سیاسی اور فوجی ونگز کی تکنیکی علیحدگی کے باوجود، ایل ٹی ٹی ای کا ایک ہی سپریم کمانڈر اور صدر تھا: پربھاکرن۔ بیرون ملک، تنظیم نے ایک جدید سیاسی اور پروپیگنڈا نظام کے طور پر محنت کی، لیکن گھر پر، آزاد شدہ علاقوں میں فوجی ڈھانچہ غالب تھا۔ ایل ٹی ٹی ای کا ملکی ڈھانچہ اگلے صفحے پر دکھایا گیا ہے۔ 2006 میں ایلام جنگ چہارم کے آغاز میں، سری لنکا کی فوجی انٹیلیجنس نے ایل ٹی ٹی ای کی زمینی افواج کی تعداد 25,000 لگائی تھی۔ اس میں باقاعدہ اور معاون افواج شامل تھیں جو جارحانہ اور دفاعی کرداروں کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ 2008 تک، جب جنگ شدید ہوئی، تو کیڈرز کی تعداد 30,000 تک بڑھ گئی، جزوی طور پر زبردستی بھرتیوں کا نتیجہ تھا، جس میں اٹھارہ سال سے کم عمر کے نوجوانوں کی زبردستی بھرتی بھی شامل تھی (حالانکہ ایل ٹی ٹی ای طویل عرصے سے اس بات پر متفق

تھی کہ وہ بچوں کو فوج میں بھرتی نہیں کرے گی)۔ خصوصی استثنات کے ساتھ، ہر خاندان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ جنگی کوششوں کے لیے کم از کم ایک نوجوان لڑکے یا لڑکی کو دے گا۔

چارٹ تصویر

زمینی افواج

کل 30,000 کی جنگی قوت کی بڑی اکثریت زمینی افواج پر مشتمل تھی۔1970 کی دہائی سے، جب کہ ایک چھوٹے سے گروہ کے پاس کبھی کبھار دیسی ہتھیار ہوتے تھے، ایل ٹی ٹی ای ایک انتہائی مؤثر قوت بن چکی تھی جو گوریلا اور روایتی جنگ کو ملا کر لڑنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ دو قسم کی معاون افواج استعمال کی جاتی تھیں: ایلا پادائی: تقریباً5,000 رضاکار ہوم گارڈز پر مشتمل، جو عام طور پر ساکت رہتے تھے سوائے ہنگامی صورتحال کے۔ گراما پادائی : تقریباً5,000 افراد پر مشتمل جو زیادہ فعال انداز میں تعینات ہوتے تھے، اکثر لاجسٹک کرداروں میں۔ ایل ٹی ٹی ای کے پاس جدید ہتھیار اور خصوصی یونٹ تھے۔ نمایاں یونٹس میں شامل تھے :ا سپیشل ریکونیسنس گروپ: یہ گروپ

انٹیلیجنس ونگ کے ساتھ مل کر کام کرتا تھا، اور تمام رجمنٹوں سے سب سے قابل کیڈرز کو اس میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ اسنائپرز: انہیں ایل ٹی ٹی ای کے بڑے حملوں کے دوران فوج کی نقل و حرکت کو محدود کرنے اور شہری علاقوں میں سیاسی اور فوجی قتل کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسالٹ پائینئرز : یہ گوریلا اہم انجینئرنگ کے کام انجام دیتے تھے۔ بارودی سرنگیں بچھانے والی ٹیمیں۔ ٹینک رجمنٹ اور اینٹی ٹینک رجمنٹ: ان یونٹوں کا بنیادی کام بکتر بند گاڑیوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای نے اپنی بکتر بند گاڑیاں مختلف ذرائع سے حاصل کی تھیں، جن میں بعض اوقات ٹریکٹرز اور زمین کی کھدائی کی مشینری کو بڑی مہارت سے تبدیل کیا جاتا تھا۔

سامان

ایل ٹی ٹی ای نے جب تک ایک جدید بین الاقوامی اسلحہ خریداری کا نیٹ ورک قائم نہیں کیا تھا، اس کے ہتھیار بنیادی نوعیت کے تھے۔ پہلے یہ مقامی ذرائع پر انحصار کرتی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای اپنے ہتھیار، خاص طور پر آئی ای ڈی، خود بناتی تھی۔ اس نے فوج اور پولیس سے چھاپوں اور گھات لگا کر حملے کر

کے ہتھیار بھی حاصل کیے۔ اس کے پہلے غیر ملکی ہتھیار بھارت سے آئے: کچھ پرانے انفنٹری ہتھیار بھارتی انٹیلیجنس کی طرف سے فراہم کردہ تربیت کے ساتھ آئے۔ بعد میں ایل ٹی ٹی ای نے پاکستان اور افغانستان میں تنازعات سے منسلک اسلحہ فراہم کرنے والوں سے سودے کیے۔ تاہم، جب بیرون ملک سے رقم آنے لگی تو اسلحہ خانے میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ ایل ٹی ٹی ای کے پاس بالآخر ایک وسیع رینج کا سامان تھا، جس میں شامل تھے :

1 X T55 ٹینک

12 X 130mm توپ (ٹائپ 59-1)

9 X 152mm ہووٹزرز (ٹائپ 66)

2 X 122mm بندوقیں

2 X 107mm راکٹ توپ

4 X 140mm مارٹر

150 X 120mm مارٹر

500 X 82/81mm مارٹر

350 X RPG راکٹ لانچرز

16 X SA-16 (IGLA) میزائل

5 X IGLA میزائل لانچرز

زمین پر جنگی حکمت عملی

باغی عام طور پر اپنے مقامی علاقے میں لڑتے تھے، اس لیے انہیں اپنے علاقے کی اچھی طرح سے واقفیت ہوتی تھی۔ وہ اکثر سویلین کپڑوں میں تعینات ہوتے تھے تاکہ جنگی محاذ پر داخلے اور پیچھے ہٹنے کے دوران مقامی لوگوں میں گھل مل سکیں۔ سویلین لباس انہیں سیکیورٹی فورسز کی سرگرمیوں پر انٹیلیجنس تک رسائی بھی بہتر بناتا تھا۔ باغیوں نے عام طور پر الگ تھلگ چھاؤنیوں پر حملے کیے اور پھر اپنی روایتی افواج کا استعمال کرتے ہوئے فوج کی محاصرے میں پھنسے ہوئے یونٹس کو مدد پہنچانے کی

صلاحیت کو ناکام بنایا۔ ایک ہی وقت میں، ایل ٹی ٹی ای نے متعدد محاذوں پر امدادی فوجوں پر گوریلا حملے کیے۔ بعض مواقع پر، جیسے کہ ہاتھی پاس کے اہم اڈے پر بار بار ہونے والی لڑائیوں میں، ایل ٹی ٹی ای نے سینکڑوں فوجیوں کو ہلاک کیا (10 جولائی 1991: 156 ہلاک اور 748 زخمی؛ 23 اپریل 2000: 708 ہلاک اور 2,576 زخمی)۔ ایل ٹی ٹی ای کا مقصد مسلسل حملوں اور خودکش یونٹوں کے ذریعے حکومتی فوجوں میں خوف وہراس پھیلانا تھا، ساتھ ہی ساتھ اپنی بلاواسطہ فائرنگ کی صلاحیت کو مؤثر طریقے سے استعمال کرنا تھا۔ متعدد آئی ای ڈی (دھماکہ خیز آلات) اور قیدی نہ بنانے کا رجحان (یا ہتھیار ڈالنے کے بعد قیدیوں کو قتل کر دینا) نے بھی حکومتی فوجوں کو مایوس کیا۔ ایل ٹی ٹی ای اکثر اپنی جارحانہ کارروائیوں میں کامیاب رہی۔ 2006 کے بعد جنگ کے آخری مرحلے سے پہلے، ایل ٹی ٹی ای نے 19,282 سیکیورٹی فورس کے اہلکاروں کو ہلاک کیا تھا؛ 82,104 زخمی ہوئے تھے؛ اور 2,609 لاپتہ ہوئے تھے۔ یہ ایک چھوٹی پیشہ ور فوج کے لیے بہت زیادہ تعداد تھی۔

تربیت

ایل ٹی ٹی ای کے کنٹرول میں تقریباً ہر گاؤں میں بنیادی تربیت دی جاتی تھی۔ باقاعدہ جنگجوؤں کو اکثر تازہ تربیت دی جاتی تھی۔ خاص آپریشنز کی تربیت لمبے فاصلے کے حملوں اور زمین اور سمندر پر خودکش حملوں کے لیے دی جاتی تھی۔ بنیادی تربیت میں ہتھیاروں کا استعمال، دھماکہ خیز مواد کے ساتھ کام کرنا، نقشے پڑھنا، مواصلات، گھات لگا کر حملہ کرنا اور بقا کی مہارتیں شامل تھیں۔ مزید اعلیٰ تربیت میں انٹیلیجنس جمع کرنا، خفیہ معلومات کا حصول، دھماکہ خیز آلات بنانا، جعلسازی کی تکنیک اور کمپیوٹر کی تربیت شامل تھی۔

بھرتی

ایل ٹی ٹی ای نے بھرتی کا ایک انتہائی سخت نظام اپنایا تھا جہاں ہر خاندان سے کم از کم ایک شخص، مرد یا عورت، کو فوجی خدمات انجام دینا ضروری تھا۔ تاہم، تحریک ہمیشہ اس پالیسی پر عمل نہیں کرتی تھی۔ جنگ کے آخری مراحل میں، ہر قابل جسمانی تامل سے لڑنے کی توقع کی جاتی تھی۔ بہت سے لوگوں کو زبردستی لڑنے پر مجبور کیا گیا، لیکن اعلی درجے کی پروپیگنڈا مہمات اور جنگ کی مسلسل تعریف پر

مبنی تقریبات نے رضاکارانہ طور پر بھرتی ہونے کی حوصلہ افزائی کی۔ ایل ٹی ٹی ای کی زیر نگرانی چلنے والے یتیم خانوں میں نوجوان بچوں کو، جو اکثر ذہنی طور پر متاثر ہوتے تھے، بارہ سے پندرہ سال کی عمر میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ بچوں کو ہر قسم کی خدمات کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، جیسے انفنٹری سے لے کر انٹیلیجنس کے کام تک۔ انہیں خودکش مشنوں کے لیے بھی تربیت دی جاتی تھی۔ خواتین اور بچوں کو حکومت کے چیک پوائنٹس پر تفصیلی تلاشی کا کم خطرہ ہوتا تھا۔ جب کرنل کرونا مشہور طور پر پربھاکرن سے علیحدہ ہو گئے، تو وہ بڑی تعداد میں جنگجوؤں کے ساتھ منحرف ہو گئے، جن میں پولیس ذرائع کے مطابق تقریباً 2,000 بچے شامل تھے۔ خواتین اور لڑکیوں کو مالتی بریگیڈ اور سوتھیا بریگیڈ جیسے خواتین کے دستوں میں بھرتی کیا گیا، جبکہ کچھ کو خواتین سی ٹائیگر بریگیڈ میں شامل کیا گیا۔ خواتین بڑی تعداد میں لڑتی اور ماری جاتی تھیں۔

ڈسپلن

ایل ٹی ٹی ای کے اصل آئین میں ایک ضابطہ اخلاق بیان کیا گیا تھا جو شاید ایک نئی قوم کے لیے منصوبہ بندی کے بجائے ایک خانقاہ کے احکام کے زیادہ موزوں تھا۔ اس آئین نے محبت کے تعلقات کو صریحاً منع کیا تھا اور بے وفائی کی سزا موت مقرر کی تھی۔ پربھاکرن کو صفائی کے بارے میں ایک ذاتی جنون تھا، اور یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ اخلاقی اصولوں پر بہت زیادہ زور دیتا تھا۔ وہ ہم جنس پرستوں سے اتنی ہی نفرت کرتا تھا جتنی کہ ایک شدت پسند امام۔ سگریٹ نوشی، شراب اور جنسی تعلقات ایل ٹی ٹی ای کے جنگجوؤں کے لیے منع تھے، اگرچہ بعض اوقات انحرافات کو نظر انداز بھی کیا جاتا تھا۔ گوریلا لیڈر خاص طور پر اپنے قریبی حلقے سے اعلیٰ اخلاقی معیار کی توقع کرتا تھا۔ پربھاکرن کے قریبی سیکیورٹی عملے میں سے ایک شخص نے اس وقت اعتراف کیا جب ایک خاتون جنگجو جو لیڈر کے ساتھ کام کر رہی تھی، حاملہ پائی گئی۔ دونوں نے یہ تسلیم کیا کہ انہوں نے ڈیوٹی کے دوران جنسی تعلقات قائم کیے تھے، جو کہ ایک اور سنگین جرم تھا۔ پربھاکرن نے کسی بھی قسم کی معافی کی درخواست کو مسترد کر دیا اور دونوں کو سزائے موت دی گئی۔ ہتھیاروں کے معاملے میں بھی سخت نظم وضبط تھا۔ اگر کوئی باغی اپنا ہتھیار کھو دیتا، تو اسے دوبارہ کبھی مسلح نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر کسی جنگجو نے بے دھیانی میں اپنے ہتھیار کا فائر کر دیا، تو اسے ایک مقررہ مدت تک باورچی خانے کے کاموں پر لگا دیا جاتا تھا۔ اگر اس گولی سے کوئی زخمی ہو جاتا، تو اسے کیمپ میں قید کر دیا جاتا اور باورچی خانے میں

برتن دھونے یا بیت الخلاء کی صفائی جیسے کاموں کے لیے بہت لمبے عرصے تک سزا دی جاتی۔ سخت ضابطہ اخلاق کے باوجود، جنگ کے آغاز میں ماؤنواز مساوات کا ایک عنصر غالب تھا۔ کوئی باضابطہ عہدے کا ڈھانچہ عوامی سطح پر موجود نہیں تھا۔ عہدہ صرف جنگ میں موت کے بعد ظاہر کیا جاتا تھا، اور بعد از مرگ ترقی دی جاتی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای کی رکنیت اور عہدے ان مردوں اور عورتوں کو نہیں دیے جاتے تھے جو 'مددگار' کے طور پر جانے جاتے تھے اور پورے ملک میں خفیہ لاجسٹک مدد فراہم کرتے تھے۔ انٹیلیجنس اور سامان کی خریداری کے ماہرین بھی اپنی وابستگی اور عہدوں کو چھپاتے تھے۔ ایک چھوٹے سے گروپ کا کام قتل کرنا تھا۔ اس نام نہاد 'پستول گروپ' نے ایل ٹی ٹی ای کے ساتھ اپنے تعلقات کو ظاہر نہیں کیا اور انہیں قتل کی کارروائیوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تاکہ ایل ٹی ٹی ای کسی بھی کارروائی سے انکار کر سکے۔ ڈسپلن کو برقرار رکھنے کے لیے کلاسیکی اسٹالن طرز کی فوجی صفائیوں کا بھی سہارا لیا جاتا تھا۔ انہیں 'جوابی انٹیلیجنس کامیابیاں' کہا جاتا تھا۔ جدوجہد کے آغاز سے پربھاکرن کا ساتھی اور بعد میں سینئر ساتھی، مہاتھایا، ان ابتدائی متاثرین میں سے ایک تھا۔ بعض اوقات ایل ٹی ٹی ای کی جوابی انٹیلیجنس نے 'مہاتھایا گروپس' سے چھٹکارا حاصل کرنے کی بات کی۔ 2004 میں کرنل کرونا کی بغاوت کی وجہ یہ خوف تھا کہ مشرقی تامل لیڈر اگلی صفائی کے لیے تیار کیے جا رہے تھے۔

سی ٹائیگرز

1984 میں تشکیل دی گئی یہ فورس اپنے عروج پر تقریباً 3000 افراد پر مشتمل تھی۔ 1991 میں کرنل سوسائی (تھلیا مپلم سیوانیسن) اس کے کمانڈر بنے۔ ایل ٹی ٹی ای ایک اچھی طرح سے لیس اور تربیت یافتہ سمندری جنگی فورس لانچ کر سکتی تھی جو نیم روایتی، گوریلا اور خودکش مشنز میں بحریہ کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای کو سمندری صلاحیت کی ضرورت تھی تاکہ اپنے وسیع ہتھیاروں کی فراہمی کو یقینی بنایا جاسکے، جو سمندر کے راستے آتی تھی۔ یہ ساحلی علاقوں میں دراندازی کی صلاحیت بھی فراہم کرتی تھی۔ 1980 کی دہائی کے اوائل میں ایل ٹی ٹی ای نے اسمگلنگ اور ہتھیاروں کی ترسیل کے لیے ماہی گیری کی کشتیاں استعمال کیں۔ 1990 کی دہائی میں، انہوں نے بڑے آؤٹ بورڈ موٹرز کے ساتھ تیز رفتار کشتیوں کا استعمال شروع کیا، جو پانچ یا چھ کشتیوں کے گروپوں میں لڑتی تھیں تاکہ بحریہ کے ساتھ " وولف پیک "حکمت عملی کے تحت مقابلہ کریں۔ جب بحریہ نے اسی طرح کی حکمت عملی اپنائی، تو سی ٹائیگرز نے فائبر گلاس کی کشتیاں استعمال کرنا شروع کیں جن میں عام طور پر دو افراد کا عملہ ہوتا تھا اور وہ دھماکہ خیز مواد سے بھری ہوتی تھیں۔ خودکش کشتیاں مچھلیاں پکڑنے والی کشتیوں کے ساتھ مل کر اچانک حملے کرتی تھیں۔ 1990 کی دہائی کے آخر میں ایل ٹی ٹی ای نے

خودکش غوطہ خوروں اور نیم آبدوز کشتیوں کے ساتھ تجربات کرنا شروع کر دیے۔ جنگ کے آخری سالوں میں، ایل ٹی ٹی ای نے اپنی منی آبدوزیں بنانے کا کام شروع کیا۔ سی ٹائیگرز نے سمندری بارودی سرنگیں بھی استعمال کیں۔ ایل ٹی ٹی ای محفوظ بندرگاہوں یا لانچنگ ایریاز کا استعمال نہیں کر سکتی تھی کیونکہ کولمبو کی فضائی برتری تھی، اس لیے باغیوں نے اپنی کشتیوں کو لانچ اور بازیافت کرنے کے لیے ٹریلرز کا استعمال کیا۔ انہیں چند کلومیٹر اندرون ملک ٹریکٹروں کے ذریعے لے جایا جاتا تھا اور اگلے اچانک حملے کا حکم آنے تک چھپایا جاتا تھا۔ سری لنکا کی بحریہ کی کارروائیوں اور جنگی نقصان کے باوجود، سی ٹائیگرز اپنی توانائی اور اختراعات کی وجہ سے لڑائی میں ڈٹے رہے۔ 2006 میں بحریہ کا سی ٹائیگرز کے ساتھ اکیس بڑی جھڑپیں ہوئیں، جبکہ 2008 میں یہ تعداد کم ہو کر چار ہو گئی تھی۔ جنگ کے آخری عرصے میں ٹائیگرز کو اپنی جان بچانے کے لیے سمندری بارودی سرنگیں اور نیم آبدوزوں کے ساتھ غوطہ خوروں کو تعینات کرنے جیسے انتہائی اقدام کرنے پڑے۔

ایل ٹی ٹی ای کے اہم سمندری اثاثے درج ذیل تھے:

25 سے زیادہ مال بردار جہاز

30/20 تیز حملہ آور کشتیاں

20 سے زیادہ ٹرانسپورٹ کشتیاں

23 خود کش کشتیاں

6 مقامی طور پر تیار کردہ آبدوزیں

20 سے زیادہ پانی کے نیچے / غوطہ خوری کے سکوٹر

1 ریموٹ کنٹرول کشتی

76 فائبر گلاس کشتیاں

115 فائبر گلاس ڈنگیز

ایل ٹی ٹی ای نے ریڈار کی ایک وسیع رینج بھی تعینات کی، جن میں FURONO، KOEN، JRC، JMA، TOKIMEC اور Ray Marine شامل تھے۔ فائبر گلاس کی کشتیوں میں چار بنیادی اقسام شامل تھیں۔ 45 ناٹ " تھریکا"، جس میں چار عملے کے ارکان اور ایک مشین گن ہوتی تھی، اور اسے غوطہ خوروں کو تعینات کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ 45 ناٹ " موراج " میں عام طور پر تقریباً دس افراد کا عملہ ہوتا تھا جس میں تین مشین گنز نصب ہوتی تھیں؛ اسے حملے اور

زمینی دستوں کو تعینات کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ دو افراد پر مشتمل 45 ناٹ" ایڈیان " خودکش کشتی تھی جو ٹکرانے پر دھماکہ کر دیتی تھی۔ 10 ناٹ" سودیا "ایک مشین گن سے مسلح تھی۔ یہ کشتیاں اکثر جنگل میں بنائی گئی ورکشاپس میں عام مواد سے بنائی جاتی تھیں اور بے روزگار کاریگروں اور انجینئرنگ کے گریجویٹس کے ذریعے تیار کی جاتی تھیں۔ ان دیسی کشتیوں کے ڈھانچے کم ہوتے تھے جس سے ان کی خفیہ خصوصیات کو بڑھاوا ملتا تھا۔ ایک فوجی مبصر نے کہا، 'انہوں نے صرف مرضی اور فائبر گلاس سے ایک ایسی فورس بنائی جو جنگ کے ہر محاذ پر لڑ سکتی تھی۔' سی ٹائیگرز نے کئی گھنٹوں تک جاری رہنے والے سمندری معرکوں میں، خاص طور پر خودکش کشتیوں نے آٹھ بڑی بحری جہازوں، بیس تیز رفتار حملہ آور کشتیوں اور اٹھائیس انشور گشت کشتیوں کو ڈبو دیا، جس کے نتیجے میں 52 افسران اور 348 ملاح ہلاک ہوئے۔ سی ٹائیگرز نے سری لنکا کے ساحلوں کے قریب بارہ تجارتی جہازوں، بشمول ایک چینی ٹرالر پر حملہ کر کے بین الاقوامی سمندری قزاقی میں بھی حصہ لیا۔

ایئر ٹائیگرز

دنیا بھر میں تقریباً بے مثال، ایل ٹی ٹی ای نے ایک فضائی ونگ بھی قائم کیا۔ ان کے اثاثوں میں وہ سول ہوائی جہاز شامل تھے جو بیرون ملک محاذی تنظیموں کے ذریعے حاصل کیے گئے، پھر سی ٹائیگر کے مال بردار جہازوں کے ذریعے سری لنکا میں اسمگل کیے گئے اور جنگی مقاصد کے لیے تبدیل کیے گئے۔ ایرانا ماڈو، مولاٹیو اور کلینیچی کے علاقوں میں کئی رن وے بنائے گئے جن میں ہینگرز، نیویگیشن ایڈز اور پارکنگ ایریاز شامل تھے۔ پائلٹوں کو جنوب مشرقی ایشیائی ممالک میں نجی فلائنگ اسکولوں میں تربیت دی گئی۔ کیڈرز نے جنگ کے آخری مرحلے سے پہلے ہوائی جہاز کی دیکھ بھال اور پیراشوٹنگ کے کورسز بھی کیے۔ ایئر ٹائیگرز نے SAM میزائلوں، بشمول Stingers، کو استعمال کیا تاکہ پچاس سے زیادہ ہوائی جہازوں، فوجی اور سول، کے ساتھ ساتھ ہیلی کاپٹروں کو بھی نشانہ بنایا جاسکے۔ ایل ٹی ٹی ای کے فضائی ونگ نے اپنے ہلکے طیاروں میں فضائی حملے بھی کیے، جن میں کٹونائیکے کے بین الاقوامی ہوائی اڈے اور کولوناوا آئل ریفائنری پر حملے شامل تھے۔

2مائیکرولائٹس , زیلن 143 ہلکے طیارے اور دو ہیلی کاپٹر

فضائی اور زمینی حملوں میں ایئر ٹائیگرز کا سب سے ڈرامائی حملہ 24 جولائی 2001 کو ہوا جب کولمبو کے مرکزی ہوائی اڈوں کو نشانہ بنایا گیا۔ کٹونائیکے میں فضائیہ کے اڈے پر حملے میں دس طیارے تباہ

ہوئے، جن میں فرنٹ لائن کے دو کفیر بھی شامل تھے۔ قریبی بین الاقوامی ہوائی اڈے پر ایک ایئربس A340 اور ایک A330 بھی تباہ ہو گئے۔ اس حملے میں چھ افراد ہلاک ہوئے۔ فضائیہ کے ٹرانسپورٹ طیاروں اور ہیلی کاپٹروں پر SAM میزائل حملوں کی ایک سیریز میں اموات کہیں زیادہ ہوئیں (1995 میں تین پروازوں پر حملے میں 163 افراد ہلاک ہوئے؛ 1996 میں ایک حملے میں انتالیس افراد ہلاک ہوئے؛ اور ستمبر 1998 میں ایک انتونوو An-24 پر حملے میں 54 افراد ہلاک ہوئے)۔ اکتوبر 2007 میں انورادھاپورہ ایئر بیس پر آٹھ طیارے اور ہیلی کاپٹر تباہ ہو گئے، اور اس حملے میں بیس اہلکار ہلاک ہو گئے۔

بلیک ٹائیگرز

ایل ٹی ٹی ای نے خودکشی کو مقصد کی خاطر شہادت کی ایک قسم کے طور پر فروغ دیا، جسے وہ "پنیتا یوتھم "(پاک / مقدس جنگ) کہتے تھے۔ عام جنگجو اپنی گردن میں سائینائیڈ کیپسول پہنتے تھے تاکہ گرفتاری کے امکان کی صورت میں عصمت دری، تشدد، تفتیش یا موت سے بچ سکیں۔ لیکن بلیک

ٹائیگرز مختلف تھے: وہ انتہائی تربیت یافتہ شہید تھے جنہیں خاص مشنز دیے جاتے تھے جن میں ان کی خود قربانی شامل ہوتی تھی۔ خصوصی فورسز کی تکنیکوں جیسی تربیت کے علاوہ، انہیں ایل ٹی ای تنظیم میں اعلیٰ مقام دیا جاتا تھا۔ وہ اپنے مشن کی باریک بینی سے مشق کرتے تھے، اکثر اگر ہدف عمارتیں ہوتیں تو ان کی نقل پر تربیت کی جاتی تھی۔ کبھی کبھی ان کے ہدف سیکیورٹی فورسز کے گروپ ہوتے، اور بعض اوقات وی آئی پی شہری بھی نشانہ بنتے تھے، جیسے کہ راجیو گاندھی کا مشہور قتل۔ منصوبہ بندی میں برسوں لگ سکتے تھے اور یہ عام طور پر بہت محتاط ہوتی تھی، جیسے صدر پریماداسا کا قتل۔ ایک بلیک ٹائیگر نے اپنے مشن پر تین سال گزارے، جن میں سے دو سال سے زیادہ صدر کے قریبی حلقے میں گھل مل کر گزارے۔ ایل ٹی ای نے عوامی طور پر اعتراف کیا کہ 5 جولائی 1987 سے 20 نومبر 2008 کے درمیان 274 مرد خودکش بمبار اور 104 خواتین خودکش بمبار کارروائیوں میں مارے گئے۔

خودکش کارروائیاں

چند دیگر گروپوں نے، بشمول شدت پسند جہادی، خود کش حکمت عملیوں کو اتنے مؤثر انداز میں بہتر کیا جتنا کہ ایل ٹی ٹی ای (ٹائیگرز) نے کیا۔ ٹائیگرز اس لحاظ سے منفرد تھے کہ انہوں نے دو مختلف ممالک میں دو قومی رہنماؤں کو قتل کیا۔ 1987 سے 2009 کے درمیان، ایل ٹی ٹی ای نے زمین، سمندر اور ہوا میں 123 خود کش حملے کیے۔ وی آئی پیز کو قتل کرنے کے علاوہ، ٹائیگرز نے مذہبی، اقتصادی اور فوجی ڈھانچوں کو بھی تباہ کیا۔ انہوں نے کچھ تحریک 1983 میں حزب اللہ کے امریکی میرینز پر حملے سے لی۔ پربھاکرن نے حال ہی میں اپنی فوج کے لیے سائینائیڈ کیپسول متعارف کروائے تھے، یہ اعلان کرتے ہوئے کہ 'اپنی زندگی کو رضاکارانہ طور پر ختم کرنا سب سے اعلیٰ اور شاندار کامیابی ہے'۔ ایل ٹی ٹی ای نے جولائی 1987 میں اپنی پہلی خود کش یونٹ بنائی، جو فوراً جافنا میں سری لنکن فوج کے خلاف کارروائی میں چلی گئی۔ بھارتی امن فوج کے ساتھ لڑائی نے بلیک ٹائیگرز (جنہیں ایل ٹی ٹی ای "کروم پلیگل" کہتی تھی) کی ترقی میں خلل ڈالا۔ ایل ٹی ٹی ای کے انٹیلی جنس ونگ کے سربراہ اور خود کش کارروائیوں کے ماسٹر مائنڈ، پوٹو امن، زخمی ہوئے اور انہیں جنوبی بھارت منتقل کیا گیا۔ 1990 کے بعد جنگ کے دوسرے مرحلے میں پہلا سمندری خود کش مشن ہوا۔ جنگجوؤں نے 10 جولائی کو ویلویٹ ٹورائی کے قریب، جہاں پربھاکرن کا بچپن گزرا تھا، بحری جہاز ایڈیتھرا سے اپنی بارود سے بھری کشتی ٹکرانے کی کوشش کی۔ 1995 کے بعد جنگ کے تیسرے

مرحلے میں بلیک ٹائیگرز نے مذہبی مقامات کو نشانہ بنایا۔ انہوں نے ایک دھماکہ خیز مواد سے بھری گاڑی کے ذریعے بدھ مت کے مقدس مقام دالد املیگاوا کو نشانہ بنایا، جہاں بدھ کے مقدس دانت کا ذخیرہ موجود تھا۔ اقتصادی اہداف پر پہلا خودکش حملہ 20 اکتوبر 1995 کو کولمبو میں تیل کی تنصیبات پر کیا گیا۔ ٹائیگرز نے آپریشنز کا آغاز گاڑیوں میں نصب آئی ای ڈی سے کیا، اور پھر انسانی بموں، سمندری اور ہوائی حملوں تک پھیلایا۔ انسانی بم نظام میں خودکش جیکٹوں کو بہتر بنانے کے لیے کئی مراحل میں تبدیلیاں کی گئیں۔ پہلی نسل کی جیکٹیں بڑی اور بھاری تھیں، جن میں جیلگنائٹ اور C-3 دھماکہ خیز مواد ہوتا تھا۔ اس قسم کی جیکٹوں نے راجیو گاندھی اور صدر پریماداسا کی جان لی۔ دوسری نسل کی جیکٹیں چھوٹی اور TNT دھماکہ خیز مواد سے بھری ہوتی تھیں۔ بال بیئرنگ اور دھماکہ خیز مواد کو 1:2 کے تناسب سے استعمال کیا جاتا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ تباہی ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خودکش حملہ آور کو بہت قریب نہیں آنا پڑتا تھا۔ جیکٹیں پھر مزید چھوٹی ہو گئیں اور C-4 دھماکہ خیز مواد سے بھری گئیں۔ القاعدہ کے " انڈر پینٹس "تجربات سے ایک دہائی قبل، ایل ٹی ٹی ای کے ماہرین نے دھماکہ خیز مواد سے بھرے انڈرویئر ڈیزائن کرنا شروع کیے، جو معمولی تلاشیوں کے دوران، خاص طور پر خواتین کی سڑک پر تلاشی یا وی آئی پیز کی حفاظت کے دوران، تلاش کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ نوجوان بلیک ٹائیگرز میں شامل ہونے کے لیے مقابلہ کرتے تھے۔ کچھ کو بچپن سے

ہی نظریاتی طور پر تیار کیا گیا تھا، جبکہ دوسرے اپنے خاندانوں کے خلاف حکومتی کارروائیوں کا بدلہ لینے کے خواہاں ہوتے تھے، چاہے وہ کارروائیاں حقیقی ہوں یا خیالی۔ ایک عام شہادت کا کلچر فروغ دیا گیا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای نے درج ذیل معیار کے تحت رضاکاروں کو شارٹ لسٹ کیا:

رہنما کے لیے وفاداری

عمر پندرہ سال سے زیادہ

غیر شادی شدہ

جسمانی طور پر فٹ، اگرچہ کبھی کبھار جنگی زخم یا کوئی اور معذوری قابل قبول ہوتی

جنگ میں کسی خاندان کے فرد کا نقصان

تنازع کے دوران بے گھر ہونے والے

بے روزگار

دشمن کے خلاف غصہ / دشمنی

سنہالی زبان بولنے کی صلاحیت

اپنے پیروکاروں کے لیے اپنے سالانہ پیغام میں، پربھاکرن بلیک ٹائیگرز کے لیے رضاکاروں سے درخواست کرتے تھے۔2006 تک، زبردست ردعمل کا مطلب تھا کہ صرف بہترین افراد کو بھرتی کیا جاتا تھا۔اس انتخابی عمل نے یقینی بنایا کہ شہادت یونٹ نے مسلسل ان دیگر دہشت گرد تنظیموں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا جو اس حکمت عملی کو اپناتی تھیں۔ہر سال منتخب اور تربیت یافتہ ایل ٹی ٹی ای کے جنگجوؤں کو اگلے سال خود کو فہرست سے خارج کرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔کامیاب سالانہ اپیل کے باوجود، ایل ٹی ٹی ای کے انٹیلی جنس افسران اسکولوں کا باقاعدہ دورہ کرتے تاکہ بلیک ٹائیگرز کے لیے بہترین امیدواروں کی شناخت کر سکیں۔یتیم خانے (خاص طور پر وانی کے علاقے میں سینچولائی اور کندروبان) بھی رضاکار فراہم کرتے تھے۔2006 کے بعد، بچوں کی بھرتی پر بین الاقوامی تنقید اور یتیم خانوں سے ملنے والی غیر ملکی امداد کی وجہ سے، ایل ٹی ٹی ای ان یتیم خانوں اور دیگر اسکولوں سے بچوں کی بھرتی کے معاملے میں زیادہ محتاط ہو گئی۔لیکن جنگ کے آخری مایوس کن مہینوں میں یہ تمام احتیاط نظر انداز کر دی گئی۔بلیک ٹائیگر کے بھرتی شدگان عام طور پر تین ماہ کی بنیادی فوجی تربیت سے گزرتے تھے۔اگر وہ پاس کر لیتے، تو انہیں اپنے منتخب ہدف کی نقل پر تربیت دی جاتی، اس کے ساتھ مخصوص مہارتیں، جیسے موٹر سائیکل چلانا، ٹرک چلانا، کشتیاں چلانا یا دھماکہ خیز مواد کو سنبھالنا بھی سکھایا جاتا۔انہیں بنیادی انٹیلی جنس کی مہارتیں بھی سکھائی جاتیں، جیسے کہ

نگرانی سے بچاؤ کی تکنیکیں۔ ان کے فارغ اوقات میں انہیں انگریزی زبان کی ایڈونچر فلمیں دکھائی جاتیں، جن میں شہادت مشنوں کی ویڈیوز بھی شامل ہوتیں۔ تربیت مکمل ہونے کے بعد، فرد یا گروپ کو پربھاکرن کے ساتھ کھانے کا موقع دیا جاتا تھا۔ یہاں نوجوان رضاکار پہلے شہداء کی تصاویر کی گیلری کی تعریف کرسکتے تھے، اور ان کی اپنی تصاویر بھی اس میں شامل کردی جاتی تھیں۔ ہدف کا انتخاب فطری طور پر انتہائی خفیہ ہوتا تھا اور مختلف سیل، جو عام طور پر ایک دوسرے سے نامعلوم ہوتے تھے، زمین ہموار کرتے تھے، جب ایک بار لیڈر اور انٹیلی جنس کے سربراہ نے ہدف کا انتخاب کرلیا ہوتا تھا۔ ہدف کی فوجی اہمیت کا اندازہ لگایا جاتا تھا، ساتھ ہی گھریلو اقتصادی اور سیاسی اثرات، اور ممکنہ بین الاقوامی ردعمل کو بھی دیکھا جاتا تھا۔ کم از کم تین ایجنٹ ہدف کی جگہوں پر آزادانہ طور پر کام کرتے تھے، علاقے میں ایل ٹی ٹی ای کے ہمدردوں کی موجودگی کی جانچ کرتے تھے، اور نقشوں اور سیٹلائٹ تصاویر کا محتاط استعمال کرتے تھے۔ ایک آپریشنل انٹیلی جنس سیل ایک محفوظ گھر قائم کرتا تھا، کھانے، نقل و حمل اور سیکیورٹی فراہم کرتا تھا، اور اس بات کو یقینی بناتا تھا کہ گروپ یا خودکش جیکٹ کے لیے ہتھیار دستیاب ہوں۔ عموماً خودکش حملہ آور یا گروپ منصوبہ بند مشن کی انجام دہی سے چند دن پہلے محفوظ گھر میں منتقل ہوجاتے تھے۔ کیڈر جعلی دستاویزات کے ساتھ ایل ٹی ٹی ای کے زیرکنٹرول علاقوں سے روانہ ہوتے تھے، اور وجوہات جیسے کہ بیرون ملک ملازمت کی تلاش، اعلیٰ

تعلیم، طبی علاج، یا شاید تمل پارلیمنٹ کے اراکین کے ڈرائیورز یا اسسٹنٹس کے طور پر ملازمت، یا حکومتی علاقوں میں کسی این جی اوز میں کام کا حوالہ دیتے تھے۔ یہ گروپ یا فرد محفوظ گھر اور ہدف کے علاقے کے ارد گرد کے علاقے سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے چند دن گزارتا تھا۔ فوجی مشنز میں اکثر سب سے مشکل عنصر نکاسی ہوتا ہے، لیکن موت یقینی ہونے کے باعث، بلیک ٹائیگرز کو اس مسئلے کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ سمندری حملے مختلف تھے۔ سمندری ٹائیگرز کے سربراہ مشن کا انتخاب قیادت سے مشاورت کے بعد کرتے تھے۔ کشتیاں دھماکہ خیز مواد سے بھر دی جاتی تھیں جن پر کنٹرول پینل اور سوئچ لگا ہوتا تھا۔ عام طور پر کشتیاں دو250 HP انجنوں سے چلتی تھیں اور دور کنی عملہ اکثر معذور کیڈر پر مشتمل ہوتا تھا۔ پانچ یا دس تک ایل ٹی ٹی ای حملہ آور کشتیاں ایک بحری جہاز کو الگ کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ مرکزی گروپ کی زیادہ سے زیادہ فائر پاور کے تحت، خودکش کشتی ایل ٹی ٹی ای کی کمانڈ کشتی کے پیچھے پیچھے چلتی تھی۔ کمانڈ کشتی دشمن کے جہاز کے ہل کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی تھی اور یہ وہی مقام ہوتا تھا جہاں خودکش کشتی حملہ کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

123 بڑے خودکش حملوں میں:

46 جیکٹس کے ذریعے کیے گئے۔

44 کشتیوں کے ذریعے۔

23 گاڑیوں کے ذریعے۔

2 ہوائی جہاز کے ذریعے۔

8 زمینی گروپ حملوں کے ذریعے۔

1987 سے 2009 کے درمیان ان حملوں میں تقریباً 432 بلیک ٹائیگرز ہلاک ہوئے (سری لنکن انٹیلی جنس کے مطابق)۔ مرد کیڈرز 74 فیصد تھے؛ باقی 26 فیصد خواتین بلیک ٹائیگرز تھیں۔ تقریباً تمام گروپ آپریشنز میں مردوں کو تعینات کیا گیا؛ انفرادی مشنز میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوتی تھی۔ اگرچہ بعض حملوں میں پندرہ سال کی عمر کے کیڈرز کا استعمال کیا گیا، لیکن خودکش لڑاکوں کی اکثریت بیس سے پینتیس سال کے درمیان تھی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایل ٹی ٹی ای نے جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے حامل پختہ نوجوانوں کو ترجیح دی۔ ان حکمت عملیوں سے کیا حاصل ہوا؟ پربھاکرن نے کہا، 'استقامت اور قربانی سے، تمل ایلام کو 100 سال میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم بلیک ٹائیگر آپریشنز کریں، تو ہم عوام کی تکالیف کو کم کر سکتے ہیں اور تمل ایلام کو کم وقت میں حاصل کر سکتے ہیں۔' یقیناً، سینئر سیاسی رہنماؤں کے سلسلہ وار قتل نے حکومت کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ اقتصادی

اثر بھی اہم تھا، اور نہ صرف سیاحت اور غیر ملکی سرمایہ کاری پر۔ مرکزی بینک، ورلڈ ٹریڈ سینٹر، کولوناوامیں تیل کے ذخیرے کی تنصیبات اور بین الاقوامی ہوائی اڈے پر حملے اہم ضربیں تھیں۔ فوجی تنصیبات اور اعلیٰ افسران پر خودکش حملوں نے بھی بھاری نقصان پہنچایا، مثال کے طور پر بحریہ کے سابق کمانڈر ایڈمرل کلینسی فرنینڈو کا قتل۔ جنگ کے اہم معماروں گوٹابایا راجاپاکسا اور جنرل سرتھ فونسیکا پر حملے میں بال بال بچت ہوئی ۔

انٹیلی جنس ونگ

ایل ٹی ٹی ای نے اپنے ایجنٹس کو کولمبو میں دراندازی کر کے ایک وسیع جال قائم کیا۔ یہ ایجنٹس خودکش کیڈرز کے ہینڈلرز کے طور پر کام کرتے اور محفوظ گھروں کا انتظام کرتے تھے۔ انٹیلی جنس ایجنٹس نے مسلح افواج اور پولیس میں خدمات انجام دینے والے کئی سنہالی اور مسلمانوں کو بھی زیر کر لیا۔ اس کے علاوہ، ایل ٹی ٹی ای کے انٹیلی جنس آپریٹیوز ملک بھر میں فوجی اور پولیس کے اڈوں پر حملوں کی منصوبہ بندی میں مدد کرتے تھے۔ وہ ایل ٹی ٹی ای کے منحرفین اور پکڑے گئے سیکورٹی

فورس کے ارکان کے لیے قید خانے اور تفتیشی مراکز بھی چلاتے تھے؛ ان میں سے بہت کم لوگ اپنے تجربات سے بچ پاتے تھے۔

داخلی انتظامیہ

ایل ٹی ٹی ای کی ریاست نے کبھی آزادی کا اعلان نہیں کیا، لیکن اس نے ایک مکمل انتظامیہ چلائی، جس میں ایک وسیع میڈیا اور پروپیگنڈہ سیکشن بھی شامل تھا۔ اس نے ایک عدالتی نظام قائم کیا اور ایک پولیس فورس بھی تعینات کی۔ خواتین کو تمل ایلام پولیس میں شامل ہونے کی ترغیب دی گئی تھی۔ جرائم کی شرح میں نمایاں کمی واقع ہوئی، خاص طور پر جافنا کے علاقے میں، اور خواتین نے بھی زیادہ محفوظ محسوس کیا، خاص طور پر جب وہ اکیلے سفر کر رہی تھیں، کیونکہ خواتین پولیس افسران کی تعیناتی کی گئی تھی۔ قانون و انصاف اور مالیات کے علاوہ، ایل ٹی ٹی ای کا سیاسی محاذ، پیپلز فرنٹ آف لبریشن ٹائیگرز، 'آزاد' علاقوں کا انتظام چلاتا تھا۔ اپنے عروج کے وقت، ایل ٹی ٹی ای نے 15,000 مربع کلومیٹر کا کنٹرول حاصل کر لیا تھا، جو جزیرے کے ایک چوتھائی سے کچھ کم تھا۔ تاہم، یہ ایلام

کے لیے دعویٰ کردہ ایک تہائی رقبے سے کم تھا۔ ایل ٹی ٹی ای مشرقی اور شمالی صوبے کا پورا کنٹرول حاصل نہیں کر سکا تھا، لیکن اس نے دو اضلاع، ملاٹیو اور کلینوچی، میں طویل مدت کے لیے مکمل کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ دیگر علاقوں میں، حکومتی فوجی اڈے یا جوابی کارروائیاں، سوائے جنگ بندی کے ادوار کے، ایک غیر مستحکم نیم ریاست کی صورت حال پیدا کر دیتے تھے۔ علاوہ ازیں، ایل ٹی ٹی ای کے زیر کنٹرول علاقوں میں عوامی خدمات اکثر سری لنکا کی حکومت کی جانب سے فراہم کی جاتی تھیں، جن میں صحت، تعلیم، بجلی، پانی اور کچھ خوراک کی سپلائی شامل تھیں۔ سرکاری ملازمین، جنہیں حکومت کی طرف سے تنخواہیں اور سپلائیز ملتی تھیں، مختلف غیر رسمی سمجھوتے کرتے تھے، جن کے تحت وہ ایل ٹی ٹی ای کے سخت قوانین کی بھی پیروی کرتے تھے۔ سری لنکا کے انٹیلی جنس کے سربراہ نے اس تضاد کا درست خلاصہ کیا: 'یہ واحد دہشت گرد گروہ تھا جسے حکومت کی طرف سے خوراک فراہم کی جاتی تھی۔'

تارکین وطن کی اکثریت جلاوطنوں پر مشتمل تھی؛ بہت سے لوگ مغربی ممالک میں پناہ لینے کے لیے گئے تھے۔ یہ ایک ستم ظریفی تھی کہ تمل جلاوطنوں کی ایل ٹی ٹی ای کی حمایت نے تشدد میں اضافہ کیا، اور حکومتی جوابی تشدد نے ایک انتقامی دائرہ پیدا کیا جس نے تارکین وطن کی تعداد میں اضافہ کیا۔ کچھ ممالک میں، تمل برادری نے، اگر دولت میں نہیں تو شاید تنظیم کے لحاظ سے، یہودی تارکین وطن کے قریب کھڑا ہو گیا؛ یہ برادری کم جذب ہونے والی تھی۔ یہ اپنے میزبان ممالک میں دلوں کو پگھلانے میں بھی ہوشیار تھی، جب کہ یہ گھر پر ایک بغاوت کے لیے فنڈز فراہم کر رہی تھی۔ اس معاملے میں، اس نے کرد، آئرش، کشمیری اور یہاں تک کہ فلسطینی تارکین وطن کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ میزبان ممالک میں بہت سے لوگ ایل ٹی ٹی ای کو دہشت گرد سمجھ سکتے تھے، لیکن ان لوگوں کی حالت کو نظر انداز کرنا مشکل تھا جو محسوس کرتے تھے کہ انہیں ایک اجنبی (اگرچہ زیادہ خوشحال) ثقافت میں جینا پڑ رہا ہے، اور شاید نسلی امتیاز اور کم سماجی حیثیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، بجائے اس کے کہ وہ اپنے وطن میں ذلت اور رسوائی کا سامنا کریں، جسے وہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ایل ٹی ٹی ای نے بیرون ملک اپنے سیاسی اتحادیوں اور حمایتی گروپوں سے پروپیگنڈا اور رقم کے لیے ہر ممکن فائدہ اٹھایا۔ ٹائیگرز کے بین الاقوامی سیکرٹریٹ نے ہتھیاروں کی خریداری، مالی اور سیاسی حمایت اور میڈیا کے اداروں کا ایک عالمی نظام قائم کیا۔ نیٹ ورک کا ایک بڑا حصہ سری لنکا میں بغاوت کی شکست

کے بعد بھی برقرار رہا۔ بین الاقوامی نظام بہت پیچیدہ تھا اور اکثر مجرمانہ یا نظریاتی گروہوں کو شامل کرتا تھا جن کے اراکین تمل نہیں ہوتے تھے-یہ لوگ اکثر ذاتی فائدے کے لیے شامل ہوتے تھے۔ ایل ٹی ٹی ای کا بیرون ملک کا مرکزی نظام دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ایک کی قیادت انٹیلی جنس چیف، پوٹو امن، کرتا تھا۔ بعض اوقات اسے آیانا گروپ کہا جاتا تھا، یہ غیر ملکی نفاذ کا کام کرتا تھا، جسے اصطلاح میں 'گیلے کام' کہا جاتا تھا: قتل۔ اس میں کچھ بھی ہو سکتا تھا جس کے لیے طاقت کی ضرورت ہوتی تھی، جیسے لندن میں پروٹیکشن ریکیٹ کے لیے پولیسنگ یا ٹورنٹو میں کسی ہچکچاتے کاروباری عطیہ دہندہ کو اغوا کرنا یا دنیا بھر میں ابھرنے والے مختلف 'چھوٹے جافنا' میں کہیں بھی کارروائی کرنا۔ نیٹ ورک کے دوسرے حصے، جسے رسمی طور پر دفتر برائے بیرون ملک خریداری کہا جاتا تھا، اس کی سربراہی کے. پی (کمارن پتھماناتھن) کرتا تھا، اور یہ ہتھیاروں کی خریداری کا ذمہ دار تھا۔ کے پی ایک پیدائشی کاروباری تھا، اور افریقہ یا ایشیا کے بغیر حکومتی علاقوں یا سمندر جیسے غیر مستحکم مقامات پر کام کرنے کا ماہر تھا۔ اس نے اتنی دولت بنائی کہ اس کے اسکول کے زمانے کے دوست، پربھاکرن، کو شبہ ہوا کہ وہ اپنی جیبیں بھر رہا ہے۔ کے. پی نے بتایا، 'مجھے الگ کر دیا گیا تھا، ' اس نے غمزدہ انداز میں کہا۔ اگرچہ اس نے دعویٰ کیا کہ اس کی ذاتی تنخواہ ایک اسکول ٹیچر سے بھی کم تھی، لیکن اس نے کبھی ٹائیگرز کے فنڈز میں ہاتھ نہیں ڈالا۔ آخر کار، پربھاکرن نے جنگ کے آخری مراحل میں اسے دوبارہ

گروپ میں شامل کر لیا۔ فنڈنگ ایک بڑی تعداد میں فرنٹ تنظیموں کے ذریعے کی گئی، جن میں سے اکثر خیراتی اداروں کے طور پر رجسٹرڈ تھیں، خاص طور پر کینیڈا اور برطانیہ جیسے ممالک میں جہاں بڑی تمل برادریاں تھیں۔ فنڈ جمع کرنے کے طریقے، قانونی اور غیر قانونی، بہت مختلف تھے۔ کچھ رضاکارانہ عطیات پر مبنی تھے، جبکہ دیگر زبردستی وصول کیے جاتے تھے۔ بیرون ملک رہنے والے سری لنکن تملوں کو جو مزاحمت کرتے تھے، اکثر کہا جاتا تھا کہ ان کے سری لنکا میں مقیم رشتہ داروں کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی، اور نہ ہی ان کی اپنے وطن واپسی کے سفر کو پریشانی سے پاک کہا جا سکتا ہے۔ غیر سرکاری ٹیکس بیرون ملک تمل کاروباروں پر عائد کیے گئے، خاص طور پر پیٹرول اسٹیشن اور سپر مارکیٹ جیسے چھوٹے کاروباروں پر۔ کچھ کاروباروں کو دھوکہ دہی جیسے کہ کریڈٹ کارڈ فراڈ چلانے کے لیے بھی کہا گیا۔ جمع کی گئی رقم کو پھر ہتھیار خریدنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای پر جب امریکہ اور یورپی یونین میں پابندی عائد کی گئی تو مختلف فرنٹ تنظیمیں بتیس ممالک کے چوٹی مقامات پر قائم کی گئیں۔ ایل ٹی ٹی ای میں کچھ بہترین پروپیگنڈا کرنے والے افراد تھے جنہوں نے ٹی وی اور ریڈیو سٹیشنز، ویب سائٹس اور چھپے ہوئے میڈیا کے ذریعے اپنی تشہیر کی۔ یہ فرنٹ تنظیمیں غیر ملکی سیاستدانوں اور تقریباً دس لاکھ تامل جلاوطنوں، خاص طور پر یورپ اور شمالی امریکہ میں، پر محنت سے کام کر رہی تھیں۔ برطانیہ میں 300,000 سے زائد تامل جلاوطن رہائش

پذیر تھے اور کینیڈا میں تقریباً 380,000۔ صرف ٹورنٹو میں سری لنکا کے کسی بھی شہر سے زیادہ تامل آباد تھے۔ بھارت میں سیاسی سرگرمی بھی بہت زیادہ تھی، جہاں تقریباً 150,000 تامل جلاوطن رہ رہے تھے۔ جرمنی، فرانس اور آسٹریلیا میں بھی بڑی اور سیاسی طور پر متحرک ایل ٹی ٹی ای کی حمایتی آبادی موجود تھی۔ ڈائیسپورا علاقوں میں سیکڑوں تامل اسکول قائم کیے گئے (صرف یورپ میں 350)، تاکہ تیسری نسل کے بچوں کو ایل ٹی ٹی ای کی حمایت میں تربیت دی جاسکے۔ اکثر یہ بچے ایل ٹی ٹی ای کے حمایتی مظاہروں کے لیے متحرک کیے جاتے تھے۔ سری لنکن انٹیلیجنس نے اندازہ لگایا کہ تامل جلاوطنوں کا تقریباً دس فیصد حصہ سرگرم شدت پسند تھا۔ یہ اکثر کامیاب کاروباری افراد تھے اور ان علاقوں اور شہروں میں ووٹ بینک منظم کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتے تھے جہاں ان کی تعداد مقامی ووٹ پر اثر انداز ہو سکتی تھی اور اس طرح سیاستدانوں سے تعاون حاصل کیا جاسکتا تھا۔ برطانیہ میں ایل ٹی ٹی ای (سیاسی اور قانونی لبادے میں) نے لیبر اور کنزرویٹو پارٹیوں سے رابطے کے لیے مخصوص تنظیمیں قائم کیں۔ سری لنکا کی حکومت کو انسانی حقوق کی پالیسیوں پر تنقید کے باعث بین الاقوامی دباؤ کا سامنا تھا۔ مثال کے طور پر، 2007 میں امریکہ نے تمام فوجی امداد روک دی۔ تاہم، ایل ٹی ٹی ای پر پابندی وسیع تر تھی۔ بھارت نے 1992 میں ایل ٹی ٹی ای پر پابندی عائد کی۔ اکتوبر 1997 میں واشنگٹن نے اس تحریک کو غیر ملکی دہشت گرد تنظیم کے طور پر فہرست میں شامل

کیا؛ برطانیہ نے 2001 میں ایسا ہی کیا۔ 2005 میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایل ٹی ٹی ای کو بچوں کی بھرتی پر مذمت کی۔ 2005 میں برطانیہ نے کچھ فرنٹ تنظیموں کے خلاف کارروائی کی اور انہیں خیراتی اداروں کے طور پر فہرست سے نکال دیا۔ 2006 میں کینیڈا اور یورپی یونین نے بھی ایل ٹی ٹی ای پر پابندی عائد کر دی۔ اس کے باوجود، ایل ٹی ٹی ای کا بین الاقوامی سیکریٹریٹ اپنی ملک میں شورش کو بڑھانے کے لیے کام کرتا رہا۔ آخر کار، ایل ٹی ٹی ای نے ایک بڑی شپنگ ایمپائر قائم کی، جو کے پی چلا رہا تھا۔ بیس سے زیادہ بڑے جہاز اور کافی تعداد میں ٹرالرز مختلف جھنڈوں کے تحت حاصل اور رجسٹر کیے گئے۔ جنوب مشرقی ایشیائی ممالک، خاص طور پر تھائی لینڈ میں بوٹ یارڈز بھی خریدے گئے۔ تھائی لینڈ میں ایل ٹی ٹی ای کا بڑا اسلحہ سپلائی مرکز بھی تھا، جہاں اسلحہ عام کارگو کے طور پر بھیجا جاتا تھا۔ ان جہازوں میں سمندری کبوتر کہلائے جانے والے جہاز بھی شامل تھے، جو دراصل تیرتے ہوئے ہتھیاروں کے گودام تھے۔ جنگ کے ابتدائی مراحل میں، بھارتی اور ملائیشین بحریہ ان جہازوں کو ضبط کر کے تباہ کر رہی تھی؛ جبکہ جنگ کے آخری مرحلے میں سری لنکن بحریہ نے کارگو جہازوں کو غرق کر دیا۔ لیکن ایک طویل عرصے تک ایل ٹی ٹی ای نے ایک بہت وسیع اور پیچیدہ خریداری کا سلسلہ چلایا۔ حالانکہ زیادہ تر فوجی سازوسامان شمالی کوریا سے آیا، لیکن زیادہ تر سامان مشرقی یورپ سے اوڈیسا (یوکرین) اور ورنا (بلغاریہ) کے ذریعے منتقل کیا گیا۔ بڑے جہاز اکثر جاپان سے

خریدے گئے، جو ہر دس سال بعد اپنا تجارتی بیڑا تبدیل کر کے پرانے جہازوں کو کم قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای کی ایک مثال پانچ چیک لائٹ طیارے خریدنا تھا۔ انہیں بڑی کنٹینروں میں زمین کے ذریعے ہیمبرگ منتقل کیا گیا، پھر سنگاپور بھیجا گیا اور پھر سمندر کے راستے انڈونیشیا لے جایا گیا۔ غیر قانونی اسلحہ اسمگلنگ کی وسیع سلطنت کو دیگر منافع بخش مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے ڈھالنا آسان تھا۔ منشیات کی اسمگلنگ ان میں سے ایک تھی۔ مثال کے طور پر، 1986 میں ایل ٹی ٹی ای کے بین الاقوامی سیکریٹریٹ کے ایک سابق سربراہ کو منشیات کی اسمگلنگ کے الزام میں فرانس میں گرفتار کر کے سزا سنائی گئی۔ انسانی اسمگلنگ بھی ایل ٹی ٹی ای کے خزانے میں بہت ساری رقم لائی۔ اس کی پہلی مثالیں 1980 کی دہائی کی ہیں، جب 155 تاملوں کو مغربی جرمنی سے کینیڈا کے پانیوں میں اسمگل کیا گیا اور انہیں لائف بوٹس میں چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں، لوگوں کی اسمگلنگ جنوب مشرقی ایشیائی ممالک جیسے کمبوڈیا، لاؤس، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، ملائیشیا اور سنگاپور پر مرکوز رہی، جو مغربی ممالک میں منتقلی کے لیے عارضی پوائنٹس بنے۔ انسانی اسمگلنگ کی ایک مثال 2010 میں سمندری جہاز 'سن سی' اور 'اوشن لیڈی' کے ذریعے کینیڈا تک کی گئی، جس میں جنوب مشرقی ایشیاء سے لوگ اسمگل کیے گئے۔ سری لنکن انٹیلیجنس کے تخمینے کے مطابق، بین الاقوامی سیکریٹریٹ نے 1993 سے 2002 کے درمیان ہر سال 50 سے 75 ملین ڈالر اکٹھے کیے۔ 2002 سے 2008 تک یہ رقم بڑھ

کر200 ملین ڈالر سے تجاوز کر گئی۔ کچھ اندازوں کے مطابق یہ رقم 300 ملین ڈالر تک پہنچ گئی۔ اس 200 ملین ڈالر میں سے شاید صرف 8 ملین ڈالر سالانہ ٹائیگر کے زیر انتظام سری لنکا کے علاقوں میں استعمال ہوئے۔ اسلحہ کی خریداری کی بلیک مارکیٹ قیمتیں زیادہ تھیں، لیکن جینز انٹیلیجنس ریویو کے مطابق، " آپریٹنگ بجٹ کا منافع کسی بھی کثیر القومی کمپنی کی حسرت کا باعث ہو سکتا تھا۔" بہت سے ملینز ابھی بھی خفیہ بینک اکاؤنٹس میں موجود تھے۔ اور اس رقم کو کھولنے کی کلید مالیاتی ماسٹر مائنڈ، کے پی، تھا، اسی لیے وہ اب بھی کولمبو میں گھر میں نظر بند تھا، حالانکہ اس نے عوامی طور پر مسلح جدوجہد کو ترک کر دیا تھا۔

ایل ٹی ٹی ای کی اسٹریٹجک کامیابیاں

پربھاکرن نے اپنے امیج کے مطابق ایک تنظیم بنائی: بے خوف، انتہائی پرعزم، منظم اور بے رحم۔ داخلی پروپیگنڈا بین الاقوامی جنگی کوششوں کی موثر انداز میں ہم آہنگی کرتا تھا- ایل ٹی ٹی ای کے زیر انتظام بدلتے ہوئے علاقوں کے باشندے یا تو قائل کیے گئے یا زبردستی ایک ایسی جنگ میں شامل کیے

گئے جو تقریباً تین دہائیوں تک جاری رہی۔ 2002 کے جنگ بندی سے پہلے جنگی تھکن ظاہر ہونے لگی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای کے شدت پسند کہتے ہیں کہ جنگ بندی ان وجوہات میں سے ایک تھی جس کی وجہ سے کچھ کیڈرز امن پسند ہو گئے تھے۔

باب یازداھم

پہلے امن کی کوشش

مہندا راجاپاکسا نے نومبر 2005 کے صدارتی انتخابات میں ملک کی تاریخ میں سب سے کم مارجن سے کامیابی حاصل کی–جزوی طور پر اس لیے کہ ایل ٹی ٹی ای نے اپنے لوگوں کو ووٹ نہ دینے کا حکم دیا تھا۔ ٹائیگرز کی خاموشی کی وجہ سے صدر کی جیت پر ابھاکرن کی سب سے بڑی اسٹریٹجک غلطیوں میں سے ایک ثابت ہوئی، شاید راجیو گاندھی کے قتل کے برابر۔ دونوں طرف سے کم سطحی تشدد جاری رہا۔ ایل ٹی ٹی ای نے فوج پر اپنے کلے مور مائن حملوں اور سمندری جھڑپوں میں اضافہ کر دیا۔ ایل ٹی ٹی ای نے حکومت پر اپنے حامیوں کو قتل کرنے کا الزام لگایا، جن میں ایک مشہور اور بڑے پیمانے پر پڑھے جانے والے پرو–ایل ٹی ٹی ای صحافی، ترا کی سیورام بھی شامل تھے، جنہیں 'وائٹ وین' اغوا کے بعد قتل کیا گیا، جو مبینہ طور پر حکومت کے خفیہ بلیک آپریشنز کا عام طریقہ تھا۔ ایل ٹی ٹی ای کے حامی رکن پارلیمنٹ جوزف پارراجا سنگھم کو بھی قتل کیا گیا۔ ایل ٹی ٹی ای نے حکومت کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

2005 کے آخر میں اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے فلپ ایلٹن نے جزیرے کے دورے کے

’دوران تبصرہ کیا کہ جنگ بندی ‘غیر معمولی دباؤ میں ہے۔ ایلٹن نے ایل ٹی ٹی ای کے سیاسی ونگ کے سربراہ ایس پی تمل سیلوا سے ملاقات کی اور تحریک پر زور دیا کہ وہ اپنے حملوں کو روکیں۔ اگرچہ نئے صدر کو ایل ٹی ٹی ای کی امن کے عزم پر شک تھا، راجاپاکسا نے اعلان کیا کہ وہ جنگ بندی کو ، برقرار رکھنے اور اسے امن معاہدے میں تبدیل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ وہ اکثر کہتے تھے میں یہ مسئلہ اگلی نسل کو منتقل نہیں کرنا چاہتا۔" صدر نے ٹونی بلیئر سے ملاقات کی اور ان سے بے حد" متاثر ہوئے۔ برطانوی وزیر اعظم نے کچھ وقت یہ بتانے میں گزارا کہ بیلفاسٹ معاہدے نے شمالی آئرلینڈ میں انتشار کو کیسے ختم کیا۔ لیکن حقیقت پسند نئے صدر کو یہ بھی معلوم تھا کہ انہیں مکمل جنگ کے دوبارہ شروع ہونے کے لیے تیار رہنا ہو گا۔ جب انہوں نے صدارتی دوڑ میں جیت کی خبر سنی تو ان کا پہلا اقدام اپنے بھائی گوتابایا کو سیکرٹری دفاع مقرر کرنا تھا۔ سابق کرنل تین ماہ کی چھٹی پر تھے تاکہ وہ اپنے بھائی کے لیے انتخابی مہم میں مدد کریں اور ذاتی سیکورٹی کا انتظام کریں۔ نئے مستقل سیکرٹری دفاع ایک پتلے، دبلا پتلا، سفید بالوں والے شخص تھے، جو ہمیشہ حرکت میں رہتے تھے—اپنے زیادہ پُرسکون اور مضبوط بڑے بھائی کے برعکس۔ وہ سننے والے بھی تھے اور بولنے والے بھی، اور انہوں ، نے ایک بہادر فوجی کے طور پر بہت سی غلطیوں پر غور کرتے ہوئے کافی وقت گزارا تھا۔ 2002 میں امریکی محکمہ دفاع نے کولمبو کو بحر الکاہل کمانڈ کی ٹیم کی طرف سے مرتب کردہ ایک طویل رپورٹ

بھیجی۔ اس کی بہت سی سفارشات نے گوتابایا راجاپاکسا کو متاثر کیا۔ ان میں قومی سلامتی کونسل کے مشترکہ آپریشن کی ضرورت شامل تھی جو ایک واضح قومی حکمت عملی کے تحت کام کرے۔ فوجی خدمات کو اپنے اپنے طریقوں سے اپنی اپنی جنگیں لڑنے کا رجحان تھا۔ ایک خاص نکتہ یہ تھا کہ میرٹ کی بجائے طویل سروس کی بنیاد پر ترقیوں کو ختم کرنا ضروری ہے۔ نئے سیکرٹری کا پہلا اقدام اپنے پرانے ساتھی سرتھ فون سیکا کو آرمی کمانڈر مقرر کرنا تھا، صرف چند دن پہلے ان کی ریٹائرمنٹ کا وقت تھا۔ فون سیکا مقبول انتخاب نہیں تھے، خاص طور پر اس وقت کے کمانڈر کے لیے جو اپنے عہدے کی مدت کے درمیان میں تھے (انہیں سفارتکاری سونپ دی گئی)۔ فون سیکا ایک بے رحم اور موثر فوجی ،لیڈر تھے، لیکن ان کے ساتھی ان کے سخت رویے پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ یہ طے ہونے کے بعد گوٹابایا راجاپاکسا نے امریکی رپورٹ میں بیان کردہ دیگر خامیوں کو دور کرنے کا بھی فیصلہ کیا، خاص طور ،پر ساز و سامان کے مسائل کو۔ سیکرٹری مسلح افواج کی انتظامی اصلاحات کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے لیکن وہ اپنی لمبی فہرست میں شامل ہتھیاروں کو کہاں سے حاصل کر سکتے تھے؟ دفتر سنبھالنے کے پہلے چند ہفتوں کے اندر، دونوں راجاپاکسا بھائی بھارتی دارالحکومت کے لیے روانہ ہوئے۔ نئے صدر نے پہلے بھارتی وزیر اعظم، منموہن سنگھ سے ایک ملاقات کی۔ بھارتی رہنما نے ایک قابل ذکر کیریئر کا لطف اٹھایا تھا۔ وہ ایک نمایاں آکسبرج (آکسفورڈ اور کیمبرج دونوں) ماہر اقتصادیات تھے اور بطور

سکھ، وہ پہلے غیر ہندو وزیر اعظم بنے۔ ابتدائی طور پر بدعنوانی سے پاک رہنے والے، انہوں نے مشہور طور پر ایک ماروتی 800 چلائی، جو مقامی کاروں میں سب سے معمولی تھی۔ خارجہ پالیسی میں حقیقت پسند ہونے کی وجہ سے وہ اسرائیل کے ساتھ فوجی تعلقات کو فروغ دینے کے خواہاں تھے۔ مختصر یہ کہ وہ ایک ایسے شخص تھے جس کے ساتھ مہندا راجا پاکسا کاروبار کر سکتے تھے۔ ان کی خوشگوار گفتگو کے بعد، گوتابایا کو بلایا گیا تاکہ بھارتی قومی سلامتی کے مشیروں کے ساتھ فوجی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا جا سکے۔ بھارتی اور سری لنکن حکام نے ایل ٹی ٹی ای کی پیش رفت کے بارے میں تفصیلی انٹیلی جنس شیئر کی، خاص طور پر نئے ہتھیاروں جیسے اسٹنگر زمین سے ہوا میں مار کرنے والے میزائل اور ایئر ٹائیگر ونگ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے بارے میں۔ اگر جنگ دوبارہ شروع ہوتی، تو پہلا مرحلہ جافنا میں سرکاری پوزیشنوں پر بڑے ایل ٹی ٹی ای حملے اور سمپور میں ایل ٹی ٹی ای کے نئے مضبوط گڑھ سے ترنکومالی پر قبضے کی کوشش ہوتی۔ خطرے کی نوعیت اور حد تک اتفاق کرنے کے بعد، سیکرٹری نے اپنی ہتھیاروں کی فہرست پیش کی۔ یہ امریکی سفارشات کے عین مطابق نہیں تھی، لیکن اس میں 10 مگ-27، نئے ٹرانسپورٹ طیارے، 5 ایم آئی-24 ہیلی کاپٹرز، اور یو اے ویز کے ساتھ ساتھ جسمانی بکتر اور ہیلمٹ جیسے انفنٹری اشیاء کی درخواست شامل تھی۔ فہرست مزید جاری رہی: دو بڑے آف شور گشتی جہاز اور ایل ٹی ٹی ای کے جہازوں کے خلاف لاجسٹک اور نگرانی گشت کے لیے ایک انٹیلی جنس

پلان۔ بھارت کے تین روزہ دورے کے دوران، ایل ٹی ٹی ای نے فوجی اڈوں اور پولیس اسٹیشنوں پر حملوں کی ایک سیریز کا آغاز کر دیا۔ سری لنکن حکومت اس بات سے مطمئن ہو کر واپس آئی کہ بھارتی حکومت سب کچھ فراہم نہیں کر سکتی تھی جو کولمبو چاہتا تھا، لیکن ایک نیا سیکیورٹی تعلق قائم ہو گیا جو دہائی کے آخر تک برقرار رہا۔ اس کے باوجود، صدر راجاپاکسا نے بھارتیوں کو یقین دلایا کہ وہ امن عمل کو دوبارہ شروع کرنے کی کوشش کریں گے اس حقیقت کے باوجود کہ ایل ٹی ٹی ای نے اپنی بیرون ملک فنڈ جمع کرنے کی مہم میں شدت لائی تھی۔ ان کے پاس بھی ایک طویل فوجی خریداری کی فہرست تھی۔ جنرل فون سیکا نے عوامی طور پر شکایت کی کہ جنگ بندی کے دوران ایل ٹی ٹی ای کے اسلحے کا ذخیرہ '10-15 گنا بڑا' ہو گیا تھا اور اپنی مایوسی کا اظہار کیا کہ اسکینڈے نیوین امن مشن نے ٹائیگرز کی جنگ بندی کی خلاف ورزیوں پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ اور گوتابایا راجاپاکسا نے مانیٹرنگ مشن سے باقاعدگی سے ملاقاتیں کیں تاکہ ایل ٹی ٹی ای کے بڑھتے ہوئے حملوں کو روکنے میں ان کی ناکامی کی شکایت کریں۔ جیسا کہ ان کے سوانح نگار نے نوٹ کیا، "حیرت کی بات نہیں، گوتابایا کی ایس ایل ایم ایم کے ساتھ ہونے والی بات چیت میں سے کوئی بھی خوشگوار یا دوستانہ نہیں تھی۔" اگرچہ ایرک سولہیم، ناروے میں حکومتی وزیر کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے، پھر بھی وہ ایک خصوصی ایلچی کے طور پر کام کر رہے تھے اور جنگ بندی کو بچانے کے لیے پر عزم تھے۔ دونوں راجاپاکسا بھائی انہیں

ایک متکبر اور زیادہ سرگرم مداخلت کار سمجھتے تھے، بجائے اس کے کہ وہ ایک غیر جانبدار ثالث کے طور پر کام کرتے۔ سولہیم روایتی سوچ کی نمائندگی کرتے تھے کہ جنگ کو فوجی طور پر جیتا نہیں جا سکتا۔ مارچ کے آخر میں، انہوں نے سری لنکن صدر سے کہا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ پرابھاکرن ایک فوجی جینئس ہے۔ مہندا راجاپاکسا نے کہا، "آپ سوچتے ہیں کہ وہ ملاٹیوو کا ایک جنگلی لڑکا ہے۔ تو میں بھی جنوب کا جنگلی لڑکا ہوں۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" صدر کے بھائی کی بھی ایس ایل ایم ایم کے دو اعلیٰ نارویجن حکام کے ساتھ ایسی ہی ملاقات ہوئی، جنہوں نے پوچھا کہ کیا سیکرٹری واقعی یہ سوچتے ہیں کہ ایل ٹی ٹی ای کو فوجی شکست دینا ممکن ہے۔ وہ اس وقت حیران رہ گئے جب سابق کرنل نے بھرپور 'ہاں' کے ساتھ جواب دیا۔ اور پھر بھی، اس عزم کے باوجود، نئی حکومت نے اب بھی امن مذاکرات کو زندہ کرنے کی پوری کوشش کی، اور یہ صرف بین الاقوامی رائے عامہ کو مطمئن کرنے کے لیے نہیں تھا۔ لالیت ویراٹونگا، صدارتی سیکرٹری، جو ایک بے جنگ شخصیت تھے، نے ایل ٹی ٹی ای کے سینئر لوگوں سے گوریلا علاقے میں گہرائی میں ملاقات کرنے کے لیے رضاکارانہ طور پر ایک خفیہ مشن پر جانے کا فیصلہ کیا۔ تاہم، اس غیر روایتی سفارتکاری کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ حکومت نے ہارورڈ یونیورسٹی کی ایک ٹیم کو بھی بھرتی کیا تاکہ وہ امن مذاکرات میں شامل تمام سینئر حکام اور وزراء کو تربیت دے۔ جنگ بندی کے معاہدے اور مذاکرات کی تکنیک کے بارے میں ورکشاپس کا انعقاد کیا گیا۔ امریکیوں

نے ایل ٹی ٹی ای پر دباؤ ڈالا کہ وہ جنگ بندی پر قائم رہے۔ بش انتظامیہ میں امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس نے بھی یورپی یونین پر دباؤ ڈالنے اور یورپ میں ایل ٹی ٹی ای پر پابندی عائد کرنے کی دھمکی دینے کی ترغیب دی۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے جنوب مشرقی ایشیا میں ایل ٹی ٹی ای کے اسلحے کی ،خریداری کے راستوں کی نگرانی کے لیے ایک غیر رسمی انٹیلی جنس گروپ تشکیل دیا۔ اس کے علاوہ ایف بی آئی نے ایل ٹی ٹی ای کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے ایک یونٹ قائم کیا۔ سری لنکا میں امریکی سفیر نے بھی عوامی طور پر ایل ٹی ٹی ای کو خبردار کیا کہ اگر جنگ دوبارہ شروع ہوئی تو ٹائیگرز کو پہلے سے زیادہ مضبوط فوج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ واشنگٹن کو راجاپاکسا کی جنگ کی تیاریوں کے بارے میں آگاہ کیا گیا تھا، اگر امن ناکام ہوتا ہے۔ سولہیم اور ایل ٹی ٹی ای کے اعلیٰ مذاکرات کار، اینٹن بالاسنگھم نے مل کر 2006 کے آخر میں جنیوا میں نئے مذاکرات کا اہتمام کیا۔ حکومت وسیع سیاسی مسائل پر بات کرنا چاہتی تھی، جیسے ایل ٹی ٹی ای کے اختیارات کی نوعیت، لیکن ٹائیگر قیادت نے ان پر توجہ مرکوز کی۔ 25 اپریل 2006 کو ایک حاملہ تامل خاتون نے کولمبو میں فوجی ہیڈ کوارٹر کے قریب ہسپتال میں زچگی کلینک میں شرکت کے لیے ایک پاس حاصل کیا۔ قومی انٹیلیجنس نے واضح انتباہ دیا تھا کہ راجاپاکسا برادران اور تینوں سروس چیفز کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ صدر نے اپنی ذاتی گاڑیوں کے بیڑے سے انہیں بلٹ پروف گاڑیاں دیں، جبکہ نئی گاڑیاں بھی منگوائی گئیں۔ لیکن 25 اپریل کو

جنرل فونسیکا نے شدید حفاظتی انتظامات کے باوجود مختصر فاصلہ طے کیا اور اپنی سرکاری پتلی جلد والی گاڑی استعمال کی۔ یہ ایک انتہائی منصوبہ بند قتل کی کوشش تھی۔ بلیک ٹائیگر خاتون، انوجا کوگنتھیر اساہ، نے اپنا بم دھماکہ سے اڑا دیا۔ اگرچہ کئی فوجی اہلکار ہلاک ہو گئے، جنرل سنگین زخموں ،کے باوجود بچ گئے۔ انہیں سنگاپور لے جایا گیا جہاں خصوصی سرجری کی گئی۔ سیکریٹری غصے میں تھے لیکن اپنے بھائی سے ایک ٹھنڈے اور حساب کتاب والے مکالمے کے بعد، طویل جنگ بندی کے آغاز کے بعد پہلی بار فضائیہ نے ٹرنکومالی کے جنوب میں سمپور میں ایل ٹی ٹی ای کے ٹھکانوں پر جوابی فضائی حملے کیے۔ مقامی حملوں نے بھی حکومت کو ہائی وے نائن روڈ بند کرنے پر مجبور کر دیا، جو شمال اور جنوب کے درمیان اہم رابطہ تھا۔ اس کے بعد تشدد تیزی سے بڑھ گیا۔ 11 مئی 2006 کو سی ٹائیگرز نے پرل کروز، ایک مسافر جہاز جس میں 710 فوجی اہلکار سوار تھے اور چار ڈوورا تیز رفتار حملے والے جہازوں کی حفاظت میں تھا، کو ڈبونے کی کوشش کی۔ ڈوورا نے سی ٹائیگر خودکش کشتیوں سے مقابلہ کیا جبکہ بڑا جہاز گہرے پانی میں چلا گیا۔ ایک ڈوورا ڈوب گئی، جس میں دو افسران اور پندرہ ملاح ہلاک ہو گئے۔ یہ جنگ بندی کی ایک بڑی خلاف ورزی تھی۔ اس کے فوراً بعد تمام یورپی یونین ممالک نے ایل ٹی ٹی ای پر پابندی لگا دی، جس میں واشنگٹن کے کچھ دباؤ کا بھی کردار تھا۔ ایل ٹی ٹی ای نے اس کا جواب دیتے ہوئے یورپی یونین کے ممالک سے تعلق رکھنے والے مانیٹرنگ مشن کے کسی بھی رکن کو شمال اور

مشرق سے نکل جانے کا حکم دیا، کیونکہ ان کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔ بین الاقوامی ثالثوں نے ایک بار پھر جنگ بندی کی بحالی کی کوشش کی۔ جون کے اوائل میں اوسلو میں بات چیت کا شیڈول بنایا گیا تھا۔ دونوں وفود پہنچ گئے، لیکن ایل ٹی ٹی ای نے حکومت کے نمائندوں سے ملاقات سے انکار کر دیا کیونکہ اس نے کہا کہ اس کے کچھ سینئر ارکان کو کولمبو نے محفوظ راستہ فراہم نہیں کیا تھا تاکہ وہ شرکت کر سکیں۔ یہ پھر سے پرانے ٹرانسپورٹ کے مسئلے کی طرف لوٹ آیا تھا۔ حتیٰ کہ ہمیشہ صابر اور ہمدرد سولہائم نے بھی کہا کہ ایل ٹی ٹی ای کو بات چیت کے ٹوٹنے کی براہ راست ذمہ داری لینی چاہیے۔ اسی ہفتے مانار ضلع کے گاؤں وانکالائی میں ایک تامل خاندان کے چار افراد کو تشدد کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا۔ ماں اور نو سالہ بیٹی کو مبینہ طور پر قتل سے پہلے زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ تامل نیٹ انٹرنیٹ سائٹس نے ان حملوں کی ہولناک تصاویر شائع کیں، جس سے بین الاقوامی سطح پر شدید تنازع پیدا ہوا۔ فوج پر الزام لگایا گیا؛ کولمبو نے کہا کہ یہ ایل ٹی ٹی ای کا حملہ تھا۔ ایک ہفتہ بعد دو کلیمور بارودی سرنگوں نے کیبیتھی گولے وا میں ایک بھیڑ بھری بس کو اڑا دیا، جس میں چونسٹھ سنگھالی مسافر ہلاک ہو گئے۔ راجاپاکسا برادران فوراً ایک ہیلی کاپٹر میں وہاں پہنچے۔ صدر نے قریبی ہسپتال کا دورہ کیا جہاں لاشیں لائی گئی تھیں۔ وہ اس منظر سے نمایاں طور پر اور واقعی متاثر ہوئے۔ وہ زخمیوں سے بات کرنے کے لیے وارڈز میں گئے۔ ہسپتال کے ارد گرد کے مقامی لوگوں کا موڈ کشیدہ اور مخالفانہ تھا۔ مہندا

راجا پاکسا خود محسوس کر سکتے تھے کہ لوگ جنگ اور حکومت کی ناکامی سے تنگ آ چکے ہیں۔ اضافی فوجی اور پولیس کمانڈوز اس علاقے میں بھیجے گئے تاکہ لوگوں کو یقین دلایا جا سکے۔ ایل ٹی ٹی ای کے ٹھکانوں پر توپ خانے کے جوابی حملے بھی کیے گئے، اور ساتھ ہی کلینوچی اور ملاٹیو میں فضائی حملے بھی کیے گئے۔ اب جنگ ناگزیر دکھائی دینے لگی تھی، حالانکہ حکومت ابھی بھی پیچھے ہٹی ہوئی تھی۔ 26 جون کو ٹائیگرز نے تیسرے بلند ترین فوجی افسر، میجر جنرل پارامی کولاتونگا کو خودکش حملے میں کولمبو کے باہر قتل کر دیا۔ 14 اگست کو ایک غیر معمولی حملہ ہوا۔ جو لوگ پہلی بار سری لنکا کے شہروں کا دورہ کرتے ہیں وہ ٹرائی شا (ٹک ٹک ڈرائیوروں کے، کامیکازے جیسے حربے دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ پاکستانی ہائی کمشنر کے مسلح قافلے پر کولمبو کے مرکز میں ایک ٹرائی شا میں چھپے ایل ٹی ٹی ای کے بم سے حملہ کیا گیا۔ سفارتکار بغیر کسی نقصان کے بچ گئے۔ یہ حملہ بھارتی انٹیلیجنس یا ایل ٹی ٹی ای کا کام سمجھا گیا کیونکہ پاکستان سری لنکا کو اسلحہ فراہم کر رہا تھا۔ اصل ہدف سری لنکا کا ایک وزیر تھا؛ ٹرائی شا کو ایک خودکش حملہ آور نہیں چلا رہا تھا بلکہ یہ ایک ریموٹ ڈیوائس سے کنٹرول کیا جا رہا تھا، جو کہ ناکام ہو گئی۔ متوقع ، ہدف ــــ وزیر ــــ گزر گیا اور اسے اپنی خوش قسمتی کا علم نہ ہو سکا۔ ریموٹ ڈیوائس کی مرمت کی گئی پھر ایک موٹر سائیکل جس کے ساتھ فوجی دستہ تھا، وہاں سے گزری۔ یہ سمجھا گیا کہ یہ کوئی حکومتی شخصیت ہے، غیر ملکی سفارتکار نہیں۔ ایل ٹی ٹی ای کے ایجنٹ نے دوبارہ کوشش کی۔ حالانکہ اس نے

چار فوجی کمانڈوز کو ہلاک کر دیا، جو کہ سفارتکار کے محافظ تھے، اور آٹھ دیگر افراد کو زخمی کر دیا، لیکن ایل ٹی ٹی ای کے ایجنٹ کو اپنی انٹیلیجنس کے سربراہ سے غلط ہدف کو نشانہ بنانے پر سخت ڈانٹ ملی۔

جنگ بندی کی خلاف ورزیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے باوجود، جواب تقریباً بے معنی ہو چکی تھی، زیادہ تر تجزیہ کار اب بھی سمجھتے تھے کہ مکمل جنگ کا امکان کم تھا۔ ایک جاری کم سطح کی بغاوت زیادہ متوقع دکھائی دیتی تھی، خاص طور پر کیونکہ ایل ٹی ٹی ای اپنے مضبوط علاقے میں اپنی گرفت مضبوط کر رہی تھی اور جزیرے کے دوسرے علاقوں میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ جب مسلح امن اتنا منافع بخش تھا تو جنگ کا خطرہ کیوں مول لیا جاتا؟ 2009 کے بعد سری لنکن انٹیلیجنس کو ایسے مضبوط شواہد ملے جن سے ان کے دیرینہ شبہات کی تصدیق ہوئی کہ ایل ٹی ٹی ای نے جنگ بندی کو دوبارہ اسلحہ اور تربیت حاصل کرنے کے بہانے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ پربھاکرن نے خاص طور پر اپنے علاقائی کمانڈرز کو پانچ سال کا وقت دیا تھا تاکہ وہ آخری حملے کے لیے تیار ہو سکیں۔ 2011 اور 2012 میں میرے ساتھ بات چیت کے دوران صدر راجاپاکسا نے کہا کہ صبر کا پیمانہ لبریز کرنے والے دو آخری واقعات بس قتل عام اور ایل ٹی ٹی ای کی جنیوا میں مذاکرات سے مسلسل انکار تھا۔ صدر نے آخرکار حقیقی امن معاہدے کی امید چھوڑ دی۔ اپنے پیشروؤں کی طرح انہیں بھی امن جنگ کے ذریعے حاصل کرنا پڑے گا۔ پھر امن اور جنگ کے درمیان حتمی نقطہ آیا: مویل ارو ڈیم کا تنازعہ۔ 21 جولائی

2006 کو ایل ٹی ٹی ای نے ترنکومالی ضلع کے حکومت کے زیر کنٹرول علاقوں میں 20,000 سے زائد دیہاتیوں کی پانی کی فراہمی منقطع کر دی۔ یہ پانی 9,510 مسلمانوں، 8,013 سنگالیوں اور 4,439 تملوں کے لیے استعمال ہوتا تھا جو بیس دیہاتوں میں رہتے تھے۔ یہ وقت ان کی فصلوں کے لیے بہت اہم تھا اور اگر ان کے کھیتوں کو پانی نہ ملا تو وہ بھوکے مر جائیں گے۔ چند دن بعد فوج شدید مارٹر اور توپوں کی فائرنگ کے دوران ڈیم کے 800 میٹر کے فاصلے تک پہنچ گئی۔ ان کی مزید پیش قدمی کو نہ صرف مضبوطی سے دفاع کیے گئے بنکروں اور خندقوں نے روکا بلکہ بارودی سرنگوں اور آئی ای ڈی کی زنجیروں نے بھی۔ کچھ شدید لڑائی اور ایس ایل ایم ایم کی مداخلت کے بعد، دروازے کھول دیے گئے۔ ایل ٹی ٹی ای نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے انسانیت کی خاطر تین سلوائس گیٹس دوبارہ کھول دیے ہیں، بین الاقوامی مبصرین نے خود کو مبارکباد دی اور چند (مقامی) فوجی نامہ نگاروں نے کہا کہ فوجی کارروائی نے تبدیلیاں لائی ہیں۔ چاہے سفید ٹوپیاں جو بھی پہن رہا ہو، فوج اپنی پوزیشن پر قائم رہی۔ اگرچہ آج راجاپاکسا خاندان اور سری لنکا کے اعلیٰ کمانڈر مویل اروواقعے کو فوری جنگ کی وجہ قرار دیتے ہیں، لیکن اصل میں یہ ایل ٹی ٹی ای کی ایک چال تھی۔ اصل ہدف ترنکومالی کی بندرگاہ تھی۔ 1 اگست 2006 کو، نئی حاصل شدہ جیٹ لائنر، جس پر 1,200 سے زیادہ فوجی سوار تھے اور جو تیز رفتار حملے کرنے والی کشتیاں کی حفاظت میں تھی، کو سی ٹائیگرز کے ایک بحری بیڑے نے اس وقت گھیر لیا

جب سرکاری قافلہ بندرگاہ میں داخل ہونے والا تھا۔ ٹائیگر کشتیوں نے اچانک کوڈیار بے کے جنوبی کنارے سے حملہ کیا (جہاں بحری بندرگاہ کا شمالی حصہ تھا)۔ ایل ٹی ٹی ای کے مضبوط گڑھ سمپور سے توپوں کی گولہ باری بھی شروع ہوگئی۔ بحریہ نے ہنڈ گن شپ کی مدد سے قیمتی سامان کو بحری بندرگاہ کی پناہ میں پہنچادیا۔ جیٹ لائنر کا ہلکا ایلومینیم کا جسم زیادہ دیر تک توپوں کی گولہ باری برداشت نہ کر پاتا۔ گولے بحری ڈاکیارڈ اور بحریہ کی اکیڈمی پر برسنے لگے۔ ایل ٹی ٹی ای کی بڑی توپیں پھر بندرگاہ کے مرکزی داخلی راستے پر نشانہ لگانے لگیں۔ یہ ایک ناکہ بندی تھی۔ ترنکومالی کے بغیر جافنا کو دوبارہ سپلائی کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ اسٹریٹجک مقصد تھا۔ حکومت کے دو اہم مضبوط مقامات کو قبضے میں لینا یا کم از کم ان کا گلا گھونٹ دینا۔ جیٹ لائنر کو وزارت دفاع نے حال ہی میں حاصل کیا تھا کیونکہ پچھلی بحری نقل و حمل کی کشتیوں میں مسافروں کو مویشیوں کی طرح سفر کرنا پڑتا تھا، اور طویل سفر کے دوران بیت الخلاء تک دستیاب نہیں تھے۔ فوجی پلاسٹک کے تھیلوں کا سہارا لینے پر مجبور تھے۔ نیا، تیز رفتار اور آرام دہ جیٹ لائنر ایک سابقہ کروز شپ تھا جو انڈونیشیا سے ایک ماہ سے بھی کم عرصہ پہلے خریدا گیا تھا۔ یہ ابھی بھی ایک (بہت ہی نروس) انڈونیشی عملے کے زیرِ نگرانی تھا، لیکن سری لنکن افسران اور ملاح ،تربیت حاصل کر رہے تھے تاکہ اس نئے اثاثے کو چلایا جاسکے۔ کولمبو سے احکامات ملنے سے پہلے مقامی بحریہ کے کمانڈروں کو جہاز کو بچانے کی ضرورت تھی۔ وہ رات کی تاریکی میں اسے بندرگاہ سے

نکالنے میں کامیاب ہوگئے اور جنوبی ساحل پر گالے کی بندر گاہ میں پناہ لے لی، جہاں یہ ایل ٹی ٹی ای کی توپوں کی پہنچ سے دور تھا۔ وہاں پہنچتے ہی انڈونیشی کپتان اور اس کے عملے نے فوراً جہاز چھوڑ دیا اور وطن روانہ ہوگئے۔ ایل ٹی ٹی ای نے بندر گاہ تک رسائی کا گلا گھونٹنے کے لیے اپنی کوششیں مکمل کیں۔

باغیوں نے مٹور شہر میں، جو بڑی خلیج کے جنوب مغرب میں واقع تھا، دراندازی کی، لیکن بحری گشتی دستوں، فوج اور پولیس کے مشترکہ دستے نے شہر کے جیٹی کے ارد گرد کے علاقے پر قبضہ بر قرار رکھا۔ خلیج کے دوسری طرف مرکزی بندر گاہ میں موجود بحریہ نے ایل ٹی ٹی ای کی توپوں کا مقابلہ کرنے کے لیے فوج کا ایک کثیر راکٹ لانچر ہائی جیک کیا۔ چار دن کی لڑائی کے بعد، سری لنکن افواج کے مشترکہ دستے ایل ٹی ٹی ای کو مٹور شہر سے نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ ایل ٹی ٹی ای نے اس علاقے میں دیگر فوجی کیمپوں پر بھی حملہ کیا، جس کے نتیجے میں 40,000 سے زیادہ مقامی مسلمان بے گھر ہوگئے۔ شمال میں، ایل ٹی ٹی ای نے جافنا کے گرد فوج کی بیرونی حدود کو توڑ دیا۔ توپوں کی گولہ باری ،پالالی کے اہم فضائی اڈے کو نشانہ بنا رہی تھی۔ آخر کار ایل ٹی ٹی ای کی لہروں کو پیچھے دھکیل دیا گیا جس میں بحریہ اور فوج کے نوے افراد جان کی بازی ہار گئے۔ جافنا جزیرہ نما میں لڑائی ستمبر تک جاری رہی، جس میں ایل ٹی ٹی ای کا کائٹس آئی لینڈ پر کیا گیا ایک حملہ بھی ناکام ہو گیا، جو کہ پہلے جافنا پر دوبارہ قبضے کے لیے فوج کا مرکزی نقطہ تھا۔ فضائیہ نے باغیوں کے گڑھ مولایتھیو میں ایک حملہ کیا، جس

میں متعدد تمل لڑکیاں ہلاک ہو گئیں۔ ایل ٹی ٹی ای نے 61 افراد کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا، جبکہ ایس ایل ایم ایم نے 19 لاشیں گنی تھیں۔ ٹائیگرز نے کہا کہ یہ لڑکیاں حکومت کے الزام کے مطابق لڑاکا تربیت یافتہ نہیں تھیں بلکہ یتیم خانے میں فرسٹ ایڈ کے کورس میں شرکت کرنے والی معصوم اسکول کی طالبات تھیں۔ اس حملے سے بین الاقوامی میڈیا میں شدید ہنگامہ برپا ہوا، جسے تمل نیٹ نے ہوا دی۔ اسی دوران، فرانسیسی فلاحی تنظیم ایکشن اگینسٹ ہنگر کے 17 امدادی کارکنوں کو مٹور میں اپنے دفتر میں منہ کے بل لیٹا ہوا پایا گیا۔ بظاہر انہیں گولی مار کر قتل کیا گیا تھا، حالانکہ وہ ایسے ٹی شرٹس پہنے ہوئے تھے جو انہیں بین الاقوامی امدادی کارکنوں کے طور پر ظاہر کر رہی تھیں۔ ایل ٹی ٹی ای اور ایس ایل ایم ای، نے اس قتل کا الزام حکومت پر لگایا۔ میڈیا میں جاری پروپیگنڈا جنگ کے باوجود تیزی سے خود کو دوبارہ منظم کرتی ہوئی سری لنکن جنگی مشین، جس کی قیادت مؤثر نیشنل سیکیورٹی کونسل کر رہی تھی، نے اپنے پہلے بڑے فوجی خطرے کا سامنا کیا تھا۔ جیٹ لائنر کا ڈوب جانا جزیرے کے تمام علاقوں سے تعلق رکھنے والے ایک ہزار سے زیادہ فوجیوں کی موت کا سبب بن سکتا تھا۔ اس سے حکومت، اس کے حامیوں اور سب سے بڑھ کر فوج کے حوصلے پست ہو جاتے۔ جولائی اور اگست 2006 کے واقعات پر بھاکرن کو اُس کا طویل عرصے سے مطلوبہ آزاد ایلام دے سکتے تھے۔ لیکن ترنکومالی کا محاصرہ توڑ دیا گیا اور جافنا بھی نہیں گرا۔ یہ کولمبو کے لیے ایک اہم فتح تھی کیونکہ شمال اور

مشرق میں مختلف محاذوں پر ہونے والی لڑائی ایل ٹی ٹی ای قیادت کی طویل منصوبہ بندی کا حصہ تھی۔

، کولمبو میں شہری دہشت گرد سیلوں کو بھی ختم کر دیا گیا، جہاں پولیس نے بارودی سرنگیں، دستی بم پستول اور اسالٹ رائفلوں کا ذخیرہ قبضے میں لیا۔ مجموعی طور پر، ایل ٹی ٹی ای کے جنگجو اپنی سابقہ لچک اور تیز رفتار نقل و حرکت کی صلاحیت نہیں دکھا سکے، جبکہ حکومتی افواج نے زیادہ مؤثر طریقے سے ہم آہنگی کا مظاہرہ کیا۔ مسلح افواج نے ایک پیچیدہ ایل ٹی ٹی ای جنگی منصوبے کے خلاف ردِ عمل کے طور پر مہم چلائی اور ایک بار کے لیے، سبقت حاصل کی۔ ایل ٹی ٹی ای نے راجاپکسے خاندان کو واضح طور پر کم سمجھا تھا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد، میں نے سب سے سینئر بچ جانے والے ٹائیگر، 'کے پی'- کمارن پتھمناتھن سے انٹرویو کیا۔ اس کا ماننا تھا کہ کچھ سینئر لڑاکا دستے طویل جنگ بندی کے دوران بڑی بڑی رہائش گاہوں میں رہتے ہوئے بوڑھے اور آرام طلب ہو گئے تھے۔ پربھاکرن، جو کہ حقیقی معنوں میں ایک فوجی جدت پسند تھا، بین الاقوامی رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات میں مشغول رہا اور تمل ڈائیسپورا کو اپنا ہمنوا بنانے میں مصروف تھا۔ اس کے علاوہ، ریاستی انتظامیہ کی ذمہ داریاں قیادت کو بھٹکا رہی تھیں جبکہ ٹیکس، عدالتوں اور نقل و حرکت کے اجازت ناموں کا بوجھ بہت سے سابقہ حامیوں کو متنفر کر رہا تھا۔ جنگ کی تھکن اور مہاجرت نے بھی اپنے اثرات چھوڑے تھے۔

ترنکومالی کو درپیش خطرہ مکمل طور پر ختم نہیں ہوا تھا۔ یہ تب تک ممکن نہیں تھا جب تک کہ ایل ٹی ٹی ای کے جنگجو سمپور کے ارد گرد کوڈیپارے کے جنوبی علاقے سے نکالے نہ جائیں۔ اگست کے آخر میں خصوصی فورس یونٹس نے ایل ٹی ٹی ای کی لکیروں کے درمیان اور ان کے اندر چھوٹے گروپوں میں کام کرتے ہوئے، سمپور کے ارد گرد کا علاقہ صاف کر دیا۔ ایل ٹی ٹی ای نے سمپور کے 30,000 باشندوں کے ساتھ جنوب کی طرف پسپائی اختیار کی۔ یہ طویل عرصے سے ٹائیگرز کا علاقہ تھا؛ اب بہتر حکمت عملی اور جوان فوجیوں نے اسے واپس لے لیا تھا۔ 2002 میں جنگ بندی کے آغاز کے بعد سے یہ پہلا اہم علاقائی کنٹرول کی تبدیلی تھی۔ اس شکست نے ایل ٹی ٹی ای کو متنبہ کیا کہ اگر فوج نے اپنی جارحیت نہ روکی تو جنگ بندی ختم ہو جائے گی۔ ٹائیگرز نے نارویجنوں کے ذریعے بیک چینل سے بھی اشارہ دیا کہ مذاکرات کی طرف واپسی ایک بہتر خیال ہو سکتا ہے۔ 11 اکتوبر 2006 کو فوج نے ایک حیرت انگیز حملہ کیا؛ یہ کولمبو میں نیشنل سیکیورٹی کونسل کے لیے یقینی طور پر ایک سرپرائز تھا۔ فوج نے محمالائی لائن کے پار حملہ کیا، جو شمال میں حکومت اور ایل ٹی ٹی ای کے علاقوں کے درمیان ایک گزرگاہ تھی۔ ایل ٹی ٹی ای نے اسے دو گھنٹے سے بھی کم وقت میں پسپا کر دیا، تقریباً 300 فوجیوں کو ہلاک کر دیا اور بڑی تعداد میں فوجی ہتھیار، بشمول آٹھ بکتر بند گاڑیاں اور چار ٹی 55 ٹینک، قبضے میں لے لیے۔ فضائیہ کو پرانی دفاعی لائن کو مستحکم کرنے کے لیے مداخلت کرنا پڑی۔ ٹینکوں کی گرفتاری

اور ایل ٹی ٹی ای کی جانب سے ہلاک شدہ فوجیوں کی لاشیں ریڈ کراس کو حوالے کرنے کی تصویریں حکومت، اور خاص طور پر گوتابایاراجاپاکسا کے لیے باعثِ شرمندگی بن گئیں۔ شمال میں یہ ، ،تباہی مشرق میں کامیابیوں کے بعد، وہ تمام ڈراؤنے خواب واپس لے آئی جنہیں گوتابایا نے ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ سیکرٹری کو یقیناً فوج کے کمانڈر، سرتھ فونسیکا، سے بہت واضح باتیں کرنا پڑیں، جو اب صحت یاب ہو چکے تھے اور دوبارہ کمان سنبھال چکے تھے۔ سرکاری موقف یہ تھا کہ یہ ایک غیر منصوبہ بند، جلدی میں تیار کیا گیا، موقع پرستی پر مبنی حملہ تھا اور اسی وجہ سے یہ ناکام ہوا۔ جافنا میں لائن برقرار رکھی گئی، لیکن نیشنل سیکیورٹی کونسل نے کمانڈروں کے ساتھ ایک واضح پیغام دیا۔ یہ ایک مشترکہ آپریشن کی جنگ تھی اور اب کسی کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ اپنی مرضی سے جنگ لڑے۔ ودن گزر گئے تھے۔ محمالائی کی تباہی کے چند دن بعد، ایک ایل ٹی ٹی ای خودکش ٹرک بمبار نے حبارانا کے قریب ایک بحری قافلے پر حملہ کیا، جس میں چھٹی پر جانے والے 107 ملاح ہلاک ہو گئے۔ یہ مسلح افواج کے خلاف سب سے مہلک خودکش حملہ تھا۔ دو دن بعد، پانچ خودکش کشتیوں نے جنوبی بندرگاہی شہر گال میں بحری اڈے پر حملہ کیا۔ حملہ پسپا کر دیا گیا: ایک ملاح مارا گیا، جبکہ پندرہ بلیک ٹائیگرز مارے گئے۔ تاہم نفسیاتی طور پر یہ ٹائیگرز کی جیت تھی، کیونکہ گال اتنی دور جنوب میں تبھی تک براہِ راست جنگ میں شامل نہیں تھا۔ جنگ بندی عملی طور پر ختم ہو چکی تھی، لیکن کوئی بھی

فریق اس کے باضابطہ اختتام کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تمام لڑائیوں کے باوجود، دونوں فریق اکتوبر کے آخر میں جنیوا میں دوبارہ مذاکرات کے لیے ملاقات کرنے پر رضامند ہو گئے۔ ایرک سولہیم نے وضاحت کی کہ بین الاقوامی برادری کسی فوجی حل کو تسلیم نہیں کرے گی۔ دونوں فریق A9 شاہراہ کی بندش پر بحث کرتے رہے، کیونکہ کولمبو کا کہنا تھا کہ ایل ٹی ٹی ای حکومت کی جانب سے گاڑیوں اور بسوں پر ٹیکس لگا کر حکومت سے لڑنے کے لیے ہتھیار خریدنے کے لیے رقم جمع کر رہی تھی۔ پیش گوئی کے مطابق مذاکرات ناکام ہو گئے، لیکن کسی بھی فریق نے بین الاقوامی ردعمل کے خوف سے باضابطہ طور پر جنگ بندی کو منسوخ نہیں کیا۔ قتل و غارت جاری رہی۔ دونوں فریق دعویٰ کر رہے تھے کہ جنگجو زیادہ شہریوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ 9 دسمبر 2006 کو ایک نمایاں انسانی حقوق کے وکیل اور تمل نیشنل الائنس کے رکن پارلیمان، نادراجہ رویراج کو دو موٹر سائیکل سوار قاتلوں نے کولمبو کے مرکز میں دن دہاڑے گولی مار کر قتل کر دیا۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی تمل آزادی کی حمایت کی، لیکن وہ ایل ٹی ٹی ای پر تنقید کرنے سے بھی نہیں ڈرتے تھے، خاص طور پر اپنی موت سے کچھ عرصہ قبل۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی کے انداز میں حکومت اور ایل ٹی ٹی ای نے ایک دوسرے پر الزام لگایا۔ غیر معمولی طور پر حکومت نے میٹروپولیٹن پولیس کو اسکاٹ لینڈ یارڈ سے ایک فرانزک ٹیم بھیجنے کی دعوت دی، جو انہوں نے قبول کی۔ جنگ کے خاتمے کے بعد سری لنکن پولیس

نے دعویٰ کیا کہ انہیں ایل ٹی ٹی ای کی سازش کے شواہد ملے ہیں۔ تین ہفتے بعد کولمبو کے مرکز میں ایک اور سازش کے تحت ایک نمایاں سری لنکن کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک ٹرائشا میں پچیس کلو سے زیادہ سی-4 دھماکہ خیز مواد بھر دیا گیا۔ اس کا ہدف ایک حکومتی قافلہ تھا، لیکن بمبار نے تھوڑا جلدی دھماکہ کر دیا اور پولیس کا آوٹ رائیڈر نشانہ بن گیا۔ یہ طاقتور بم اس انسانی بم سے کہیں زیادہ بڑا تھا جس نے سراتھ فون سیکا کو تقریباً نشانہ بنایا تھا۔ دھماکے سے ایک بکتر بند بی ایم ڈبلیو بھی تباہ ہو گئی۔ تین باڈی گارڈز مارے گئے، لیکن ہدف، گوٹابایا راجا پاکسا، بچ گیا۔ ان کے باقی بچ جانے والے محافظوں نے فوراً گاڑی تبدیل کی اور سیکرٹری کو سیدھا ٹمپل ٹریز، یعنی صدارتی رہائش گاہ، پہنچا دیا۔ دونوں بھائیوں کا ایک دوسرے کو گلے لگاتے ہوئے تصویر ایک نایاب موقع تھا جب میڈیا نے ان کی قریبی ذاتی تعلقات کو دکھایا۔ پولیس نے بعد میں انکشاف کیا کہ یہ منصوبہ کافی عرصے سے تیار ہو رہا تھا اور بہت سی تفصیلات میں عین مطابق تھا، لیکن ناکام ہو گیا، مگر معمولی فرق سے۔ اس حملے کا حکم ایل ٹی ٹی ای کے انٹیلی جنس سربراہ پوٹو آمان نے دیا تھا اور وہی اس کی ذاتی نگرانی کر رہا تھا۔ بات چیت کی ناکامی کے بعد، فوج مشرق میں شروع کیے گئے کام کو مکمل کرنے کے لیے بے تاب تھی (اگرچہ 'شمال پہلے' کی حکمت عملی ابھی بھی کچھ فوجی رہنماؤں میں مقبول تھی، جافنا کی پوزیشن سے ناکام بریک آوٹ نے ان کی آواز کو کچھ عرصے کے لیے خاموش کر دیا تھا)۔ سامپور سے ایل ٹی ٹی ای کی پسپائی کا مطلب یہ تھا

کہ جنگجو اور شہری بٹیکالوا ضلع کے واکارائی قلعہ میں جمع ہو گئے تھے۔ فوج نے دسمبر کے شروع میں حملہ کیا، لیکن جلد ہی بارشوں اور مقامی شہری آبادی اور حالیہ پناہ گزینوں کی موجودگی کی وجہ سے یہ آپریشن رک گیا۔ حکومت کی طرف سے بے گھر افراد کی دیکھ بھال اکثر مناسب تھی (اور جنگ کے خاتمے کے بعد بعض اوقات بہتر تھی)۔ لیکن ایل ٹی ٹی ای بین الاقوامی ایجنسیوں کے ساتھ کام کرنے ،کی خواہش مند تھی، جنہیں حکومت عام طور پر باغیوں کے ساتھ زیادہ دوستانہ سمجھتی تھی۔ بہر حال گوٹابایا راجا پاکسا سمجھتے تھے کہ بین الاقوامی تنظیموں کے ساتھ تعاون ضروری ہے۔ اکتوبر 2006 میں انسانی امداد پر مشاورتی کمیٹی سی ایچ ایچ اے قائم کی گئی۔ تکنیکی طور پر یہ کمیٹی آفات سے نمٹنے اور انسانی حقوق کی وزارت کے تحت تھی، لیکن یہ دراصل ایک دفاعی آپریشن تھا۔ کمیٹی ہر دو ہفتے بعد وزارت دفاع میں شمال اور مشرق میں امدادی کارروائیوں کو مربوط کرنے کے لیے ملتی تھی۔ اس گروپ میں بڑے این جی اوز کے علاوہ سفارتی حلقوں کے سینئر اراکین بھی شامل تھے، نیز اقوام متحدہ کے سینئر اہلکار جیسے وی آئی پی شرکت کرنے والے۔ یہ کمیٹی عام طور پر مؤثر تھی لیکن اس کے باوجود حکومت بعض اوقات این جی اوز کی سرگرمیوں کو معطل کر دیتی تھی، جس میں کچھ عرصے کے لیے عمومی طور پر معزز سمجھی جانے والی میڈیسن سان فرنٹیرز بھی شامل تھی، کیونکہ حکومت نے اسے باغیوں کے ساتھ ساز باز کا الزام دیا تھا۔ واکارائی کے اسٹریٹیجک قصبے کو قبضے میں لینے کا تاخیر سے

شروع ہونے والا آپریشن جنوری 2007 کے آخر تک جاری رہا۔ فوج نے پہلے جنگلات کو صاف کیا اور پھر شہروں اور دیہات کا کنٹرول حاصل کیا۔ خصوصی دستے اور کمانڈوز چھوٹے گروہوں میں کام کرتے ہوئے ایل ٹی ٹی ای کو رات اور کھانے کے وقت مسلسل گھات لگا کر حملوں سے پریشان کرتے رہے۔ ایل ٹی ٹی ای کو دفاعی پوزیشن پر دھکیل دیا گیا اور اس نے، کولمبو کے مطابق، بین الاقوامی مداخلت کی ایک بار پھر تحریک دلانے کے لیے شہری آبادی کو خوراک کی ترسیل روکنا شروع کر دی۔ این جی اوز نے فوج پر ناکہ بندی کا الزام لگایا، جیسا کہ تمل نیشنل الائنس نے پارلیمنٹ میں کیا۔ حتیٰ کہ آئی سی آر سی کو بھی خوراک کی ترسیل میں مشکلات کا سامنا تھا، لیکن بالآخر اس نے ایل ٹی ٹی ای کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا۔ جنوری 2007 کے آخر میں فوج نے وکارائی آپریشن کو ایک فتح قرار دیا اور کولمبو کے مطابق، ایک بھی شہری کی موت کے بغیر۔ تاہم، شمال میں ایل ٹی ٹی ای نے دعویٰ کیا کہ فضائیہ کے ایک حملے میں سی ٹائیگر کے اڈے پر پندرہ شہری ہلاک ہوئے ہیں۔ کولمبو نے پھر نشاندہی کی کہ ایل ٹی ٹی ای نے باتیکالوا ضلع میں متعدد سنہالی سونامی امدادی کارکنوں کو قتل کیا تھا۔ حکومت نے ٹائیگرز پر امپارا میں ایک شہری بس کو دھماکے سے اڑانے پر بھی تنقید کی، جس میں سترہ افراد ہلاک ہوئے، جن میں تین بچے بھی شامل تھے۔ باہمی الزامات ایل ٹی ٹی ای کی مشرق میں بڑی پسپائی کو چھپا نہیں سکے۔ یقینی طور پر، اس سے پہلے فوج نے کبھی اتنی بڑی مقدار میں ہلکے ہتھیار اور دو 152 ملی میٹر

آرٹلری کے ٹکڑے قبضے میں نہیں لیے تھے۔ وکارائی میں فوج کی کامیابی نے ریاست کے سربراہ کو ایک فعال محاذی پوزیشن کا نادر دورہ کرنے پر مجبور کیا۔ 3 فروری 2007 کو صدر راجاپاکسا وہاں پہنچے اور اپنی خصوصی افواج کے ساتھ کھڑے ہو کر میڈیا کے لیے تصویریں بنوائیں (ظاہر ہے کہ انہوں نے حکومتی پروپیگنڈا کے باوجود اسپیشل فورسز کی سیکیورٹی کے واضح خلاف ورزی کے باوجود کوئی اختیار نہیں دیا)۔ کولمبو مشرقی فتوحات کا اعلان کرنا چاہتا تھا، جو کافی حد تک حقیقی تھیں۔ باتیکالوا ضلع کو ایل ٹی ٹی ای سے بڑی حد تک پاک کر دیا گیا تھا، بشمول جنگل کی پناہ گاہوں کے۔ فوجی پبلسٹی ٹیموں نے میدان مارا ہوا تھا– ایک ملٹی بیرلڈ راکٹ لانچر کا قبضہ ایک زبردست پروپیگنڈا تصویر کا موقع تھا۔ جیسے جیسے ایل ٹی ٹی ای مزید جنوب امپارا کے علاقے کی طرف پسپائی اختیار کر رہی تھی، فوج نے کیڈرز کو دوبارہ گروپ اور مسلح ہونے کا کوئی موقع نہیں دیا۔ جولائی 2007 کے آخر تک فوج نے دعویٰ کیا کہ اس کا مشرق میں تقریباً مکمل کنٹرول ہے کیونکہ اس نے سیکورٹی پولیس کے حوالے کر دی تھی (جس میں کہا گیا کہ نئے بھرتی شدہ تامل پولیس اہلکار بھی شامل ہیں)۔ پندرہ سالوں میں پہلی بار حکومت اے 5 ہائی وے تک آزادانہ رسائی کا دعویٰ کر سکتی تھی۔ بارودی سرنگوں کی صفائی اور بے گھر افراد کے مسائل اب بھی بہت بڑے تھے۔ کچھ این جی اوز اور حکومت کے درمیان تنازعات شدت اختیار کر گئے۔ کولمبو خاص طور پر اقوام متحدہ کے بہت سے تاملوں سے پریشان تھا– کچھ پر ایل ٹی ٹی ای کی طرف سے

کولمبو میں ہتھیاروں اور دھماکہ خیز مواد پہنچانے کے لیے اپنے نقل و حرکت کی آزادی کا فائدہ اٹھانے کا الزام تھا۔ ایل ٹی ٹی ای، ہمیشہ کی طرح جب وہ پیچھے کی طرف جارہی تھی، بین الاقوامی جذبات کو این جی اوز اور اقوام متحدہ کے ذریعے حکومت کے کنٹرول والے نئے علاقوں میں شہریوں کے حالات کے حوالے سے ہیرا پھیری کرنے کی بھرپور کوشش کررہی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای اپنے مرکزی نظریہ دان اور مذاکرات کار، اینٹن بالاسنگھم کی موت کا بھی سوگ منارہی تھی، جو دسمبر 2006 میں قدرتی وجوہات کی بنا پر انتقال کر گئے تھے۔ ان کی موت ممکنہ طور پر ان لوگوں کو مضبوط کرے گی جو پربھاکرن کے ارد گرد تھے جو یقین رکھتے تھے کہ فوجی حل اب بھی ممکن ہے۔ مشرق میں بڑے نقصانات کے باوجود، ایل ٹی ٹی ای نے اسٹریٹجک پہل برقرار رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اسی وقت اس نے پچیس روایتی سمندری بارودی سرنگیں (نایارو کے قریب) لگائیں اور دو بہت ہی چالاکی سے بنائی گئی گھریلو لِمپٹ بارودی سرنگیں ایک تجارتی جہاز (ایم وی ٹیبر نیکل گریس) پر ٹرنکومالی بندرگاہ میں لگا دیں۔ بارودی سرنگیں چالاک تھیں لیکن اتنی چالاک نہیں کہ ان کے ساتھ ہٹانے کے خلاف کوئی حفاظتی نظام ہوتا۔ فوجی انٹیلی جنس نے دعویٰ کیا کہ یہ بارودی سرنگیں نقلی ہیں۔ پولیس کو درحقیقت نقلی لِمپٹ بارودی سرنگوں کی نقلیں دی گئیں تاکہ وہ میڈیا کے سامنے اعتماد کے ساتھ اپنا کردار ادا کر سکیں۔ انٹیلی جنس نہیں چاہتی تھی کہ تجارتی شپنگ کو خوفزدہ کیا جائے، اور نہ ہی انشورنس پریمیم میں بڑے

اضافے کا باعث بنا جائے۔ بارودی سرنگوں کی جنگ کی حکمت عملی کی ناکامی نے ایل ٹی ٹی ای کے کمانڈرز کو کہیں اور دیکھنے پر مجبور کیا تاکہ مشرق میں ہونے والی شکست کا ازالہ کیا جاسکے۔ ٹائیگرز ہمیشہ اختراعی تھے؛ لہٰذا ان کا فضائی مہم کی طرف رخ۔ کولمبو پر پہلا ایئر ٹائیگر حملہ 25 مارچ 2007 کو ہوا۔ بنیادی ہدف کٹونائیکے ایئر بیس تھا، جس سے کچھ نقصان اور چند ہلاکتیں ہوئیں۔ ٹائیگر فضائیہ کے چھوٹے چیک طیارے بچ نکلے۔ یہ حکمت عملی میں ایک دانشمندانہ تبدیلی تھی، لیکن حکومت کی بڑھتی ہوئی کامیابیوں کو موڑنے کے لیے کوئی بڑا کارنامہ نہیں تھا۔ کولمبو فضائی حملے سے پریشان تھا اور اس نے شمالی حکومتی دفاعی لائنوں میں دو پرانے محدود رینج والے فضائی دفاعی نظام نصب کیے تھے، نیز کولمبو کے ارد گرد ایک نظام لگایا تھا۔ یہ کولمبو کی درخواست پر بھارتی ردعمل تھا، کیونکہ نئی دہلی چین سے اسلحہ خریدنے کی حوصلہ شکنی کر رہا تھا۔ بہرحال، چینیوں نے جلد ہی زیادہ جدید نظام فراہم کیے۔ حکومت نے خاص طور پر کولمبو میں مزید اے اے گنز نصب کیں۔ انہوں نے دارالحکومت کے لیے بلیک آؤٹ طریقہ کار بھی تیار کیا۔ ہوٹلوں کو زائرین کو فضائی حملے سے احتیاطی تدابیر پر مبنی پمفلٹ جاری کرنا پڑے، جو کہ سیاحت کے لیے کوئی بہت بڑا محرک نہیں تھا۔ تاہم، بہت چھوٹے سنگل انجن والے طیاروں کو رات کے وقت اڑنے سے روکنے کے لیے کوئی آسان حل دستیاب نہیں تھا، جنہیں انتہا پسند اعلیٰ دھماکہ خیز مواد کے ساتھ چلا رہے تھے۔ کوشش سے، شہری بمباروں کو روکا جا سکتا تھا؛ اسی طرح

خود کش کشتیوں کے جتھوں کو بھی۔ رات کے وقت فضائیہ کے ذریعے چھوٹے طیاروں کے جتھوں کے ،خلاف رد عمل تیار کرنا عملی طور پر ممکن نہیں تھا۔ بین الاقوامی انٹیلی جنس کمیونٹی، خاص طور پر امریکی اس عالمگیر خطرے کے لیے کوئی سیدھا سادہ تکنیکی حل تلاش کرنے میں ناکام رہی تھی۔ زیادہ تر تیز رفتار جیٹ انٹر سیپٹرز بہت تیز سفر کرتے تھے، اور نہ ہی ہیلی کاپٹر گن شپ ایک متوازن قوت کے طور پر کام کر سکتے تھے۔ ایئر ٹائیگرز نے فوجی اور معاشی اہداف پر کئی چھاپے مارے، لیکن ان کا اثر عام طور پر زیادہ نفسیاتی ہوتا تھا–خاص طور پر دارالحکومت میں۔ ایل ٹی ٹی ای کا آخری بڑا حملہ کولمبو پر فروری 2009 میں دو طیاروں کے ذریعے ایک کامی کازے حملہ تھا؛ دونوں کو مار گرایا گیا۔ تاہم، ایل ٹی ٹی ای کی ایک زیادہ امید افزا حکمت عملی یہ تھی کہ آزمودہ اور کامیاب شہری دراندازی کی طرف رخ کرے۔ انٹیلی جنس خدمات نے شہر میں خوف و ہراس پھیلانے والے بم دھماکوں کی مہم کی پیش گوئی کی تھی۔ 2007 کے پہلے چار مہینوں میں بس بم حملوں میں 45 سے زیادہ افراد ہلاک اور 140 شہری زخمی ہوئے تھے۔ جون میں، کوٹاویہرا میں ایک چیک پوسٹ پر چوکس پولیس نے ایک ٹرک میں 1000 کلو سے زیادہ سی-4 دھماکہ خیز مواد برآمد کیا جو ناریل لے جا رہا تھا۔ چند دن بعد، ایل ٹی ٹی ای کی انٹیلی جنس میں گہرائی سے موجود ایک مخبر کی اطلاع پر، بحریہ نے ٹرنکومالی میں ایک فریزر ٹرک ضبط کیا جس میں 1،100 کلو سے زیادہ سی-4 دھماکہ خیز مواد چھپا ہوا تھا۔ یہ دو بم، 1996 میں سینٹرل

بینک پر ہونے والے دھماکے کے بم سے پانچ گنا بڑے تھے۔ دارالحکومت میں ایسے بڑے پیمانے پر بم دھماکے مشرق میں حاصل کی گئی کامیابی کو آسانی سے نقصان پہنچا سکتے تھے۔ جون 2007 میں پولیس نے کولمبو میں تقریباً 400 تاملوں کو حراست میں لیا جو عارضی طور پر شہر میں رہ رہے تھے، عام طور پر سستے ہاسٹلز میں، اور انہیں پولیس کے زیر حفاظت بسوں میں واپس ان کے آبائی علاقوں میں بھیجنے کا کہا گیا۔ سیکرٹری دفاع نے سخت تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "سب جانتے ہیں کہ ایل ٹی ٹی ای کولمبو میں دراندازی کر رہی ہے۔ ہم 300 لوگوں کو گرفتار کر کے حراست میں نہیں لے سکتے۔ بہترین رائے کیا ہے؟ آپ ان سے کہہ سکتے ہیں، 'آپ کا کولمبو میں کوئی قانونی کام نہیں ہے اور یہاں سیکورٹی کا مسئلہ ہے۔ ہم آپ کو حراست میں نہیں لینا چاہتے۔ آپ اپنے گھروں کو واپس جائیں۔'" تاہم، زیادہ تر لوگ بالآخر واؤنیا میں ایک حراستی مرکز میں پہنچے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے فوری طور پر اسے نسلی صفائی قرار دیا اور سپریم کورٹ نے مداخلت کی۔ اس کے بعد صدر نے پولیس کو تنقید کا نشانہ بنایا، جو دعویٰ کر رہے تھے کہ وہ کولمبو میں رہنے والی تامل کمیونٹی کی حفاظت کر رہے ہیں۔ تاہم، کولمبو میں رہنے والے طویل عرصے کے تاملوں کے ساتھ ساتھ عارضی رہائشیوں نے بھی پولیس کی جانب سے تلاشی اور حراست میں لیے جانے کی شکایات کیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک سنگھالی شخص کی طرف سے مستقل روڈ بلاک پر روکے جانے کے مقدمے نے چیف جسٹس کو تمام مستقل چیک پوائنٹس ہٹانے کا

حکم دیا کیونکہ یہ نقل و حرکت کی آزادی کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ عدالتوں نے گھروں کی تلاشی پر بھی پابندیاں عائد کر دیں، خاص طور پر رات کے وقت۔ یہ احکامات دسمبر 2007 میں، شمال میں ایک بڑے حملے اور شہری دہشت گردی کے ممکنہ رد عمل سے پہلے جاری کیے گئے تھے، جس سے انٹیلی جنس سروسز میں تشویش پیدا ہوئی۔ کچھ مستقل چیک پوائنٹس ہٹا دیے گئے؛ انہیں عام طور پر فوج اور پولیس نے 'موبائل یونٹس' کے طور پر تبدیل کر دیا۔ سیکرٹری نے اسرائیل کے متعدد دورے کیے تھے اور خود کش بمباروں کو مغربی کنارے سے داخل ہونے سے روکنے کے لیے بہت زیادہ جانچ پڑتال پر مبنی اسرائیلی ماڈل اپنانے کے خواہاں تھے۔ انٹیلی جنس سروسز نے مسلح افواج کے لیے ایک چھوٹا سا کتابچہ تیار کیا جس میں دھماکہ خیز مواد کو چھپانے کے اکثر چالاک طریقے درج تھے، بشمول ناریل میں رکھ کر۔ ایل ٹی ٹی ای نے 'خود کش برا' کا بھی استعمال کیا، جو بظاہر ایک عام پیڈڈ برا لگتا تھا۔ ایک ایسے آلے کا استعمال نومبر 2007 میں وزیر ڈگلس دیوانندا کو قتل کرنے کی کوشش میں کیا گیا۔ یہ ایک نادر مثال تھی کہ ایک انسانی بمبار خود کو دھماکے سے اڑاتے ہوئے پکڑا گیا، اور وزیر کے دفتر میں ایک سی سی ٹی وی کیمرے پر فلمایا گیا۔ فلم دیکھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ برا پہننے والے کے لیے مہلک تھا، لیکن اس کا اثر محدود تھا، یہاں تک کہ ایک محدود جگہ میں بھی۔ کیونکہ ایل ٹی ٹی ای نے تاملوں کے لیے پولیس میں شامل ہونا یا رہنا مشکل یا ناممکن بنا دیا تھا، اس لیے سیکیورٹی فورسز کو انٹیلی جنس میں

دراندازی یا عام پولیس کی تفتیش کے دوران ترجمے کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے تامل سنگھالی زبان بولتے تھے، لیکن بہت کم سنگھالی تامل زبان جانتے تھے۔ حکومت نے مشرق کو پرامن بنانے کے بعد تامل پولیس اہلکاروں کی بھرتی کی حوصلہ افزائی کر کے ان سماجی اور سیکورٹی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اکثر تامل مشتبہ افراد کی جانچ، خاص طور پر جون 2007 کے بڑے پیمانے پر پکڑ دھکڑ کے دوران، غیر منظم ہوتی تھی۔ انٹیلی جنس سروسز نے دعویٰ کیا کہ ان کی جانچ تامل زبان میں مکمل تھی اور تاملوں کو صرف اس صورت میں منتقل کیا گیا جب وہ یہ وضاحت نہ کر سکے کہ وہ دارالحکومت میں کیا کر رہے ہیں۔ خودکش دستے عام طور پر ان ہاسٹلوں اور محفوظ گھروں کا استعمال کرتے تھے، لیکن ان میں سے کتنے افراد ایل ٹی ٹی ای کے سخت جان کارکن تھے، یہ ثابت کرنا مشکل تھا۔ ان بے دخلیوں نے کولمبو میں 1983 کے قتل عام کی یادیں تازہ کیں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کی جانب سے شدید ردعمل کا سامنا کیا۔ ایل ٹی ٹی ای کے کچھ شہری منصوبے ان سیکورٹی اقدامات کی وجہ سے ناکام ہو گئے تھے، لیکن ایل ٹی ٹی ای کی حکمت عملی میں بنیادی تبدیلی شمال میں ہوئی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای اور فوج کے درمیان آگے کی دفاعی لائنوں کے پار ایک دوسرے پر جوابی توپ خانے کے حملے بڑھ گئے۔ شمال میں یہ لائنیں جافنا کے جزیرہ نما میں محملائی کے راستے 11 کلومیٹر طویل قلع بندی سے نشان زد تھیں۔ جنوب میں قلعہ بند لائن مانار سے کوکٹوڈووال تک اومان تھائی کے راستے پھیلی ہوئی

تھی؛ یہ لائن 140 کلومیٹر لمبی تھی۔ ان دو لائنوں کے اندر 6,792 مربع کلومیٹر پر مشتمل ٹائیگر کا علاقہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی دراندازیاں ایک بڑے حملے میں بدل گئیں جب فوج نے ایل ٹی ٹی ای کے اڈوں کو تباہ کیا اور پھر 27 دسمبر کو مانار ضلع میں باغیوں کے مرکزی گڑھ پر اپکانڈال پر قبضہ کر لیا۔ معمول کے مطابق، فوج کے کمانڈر میجر جنرل فونسیکا نے عوامی طور پر پیش گوئی کی کہ فوج چھ مہینوں میں وانی میں ایل ٹی ٹی ای کے اڈوں کو شکست دے دے گی۔ نیشنل سیکیورٹی کونسل کے دباؤ نے فونسیکا کو اپنی پیش گوئی میں کچھ حد تک پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا؛ دیگر فوجی رہنماؤں کا خیال تھا کہ فتح 2008 کے آخر میں ممکن تھی، لیکن دسمبر 2007 میں ہونے والی پیش رفت کے چھ مہینے بعد نہیں۔ دونوں طرف سے پروپیگنڈا میں شدت آگئی تھی، تاہم کولمبو کے پاس اب زیادہ دعوے کرنے کے لیے مواد تھا۔ فضائیہ نے دعویٰ کیا کہ نومبر میں جے نتھینا گر میں اپنے بنکر کمپلیکس میں کیے گئے ایک حملے میں پرابھاکرن کو شدید زخمی کر دیا گیا ہے۔ میں نے کچھ کمانڈ بنکرز کا دورہ کیا تھا؛ یہ انتہائی مضبوط اور مہارت سے چھپائے گئے تھے، اکثر ایک عام چھوٹے گھر کے نیچے دو مضبوط کنکریٹ کے لیول پر مشتمل ہوتے تھے (لیکن ان میں ایک ایمرجنسی اخراج کا راستہ بھی ہوتا تھا)۔ پرابھاکرن کے رہائشی کوارٹرز بہت چھوٹے اور سادہ تھے، حالانکہ بڑی تعداد میں محافظوں کے لیے انتظامات اور چھوٹے بنکرز کی موجودگی ان کی ذاتی سیکیورٹی کے شوق کو ظاہر کرتی تھی۔ کمانڈ بنکرز کو ہوا سے دیکھنا انتہائی مشکل تھا، اور پرابھاکرن

باقاعدگی سے اپنے مقامات تبدیل کرتے تھے، کبھی کبھار روزانہ کی بنیاد پر۔ لیڈر کی چوٹیں زیادہ تر خواہش پر مبنی افواہیں تھیں، اگرچہ شروع میں کچھ حقیقی انٹیلیجنس غلط فہمیاں پیدا ہوئی تھیں کیونکہ اسی وقت ایک علیحدہ فضائی حملے میں سیاسی ونگ کے سربراہ ایس پی تمل سلون ہلاک ہو گئے تھے۔ سیکیورٹی فورسز واضح طور پر 'سر قلم' کرنے کی حکمت عملی پر کام کر رہی تھیں، اور انہیں ایک خوش قسمت کامیابی ملی۔ 5 جنوری 2008 کو فوجی انٹیلیجنس کے سربراہ، کرنل چارلس (شنموگناتھن روی شنکر) ایک گھات لگائے حملے میں ہلاک ہو گئے، جس میں ایک کلیمور مائن استعمال کی گئی تھی، جو شاید اسپیشل فورسز کی گہرے علاقے میں دراندازی کا نتیجہ تھی۔ یہ شاید ایک طنزیہ انجام تھا اس شخص کے لیے جس نے اپنے مخالفین، چاہے وہ فوجی ہوں یا شہری، پر اتنے کلیمور حملے منظم کیے تھے۔ کرنل نے 1985 میں تحریک میں شمولیت اختیار کی تھی اور 2004 سے فوجی انٹیلیجنس ونگ کے سربراہ تھے۔ تمل نیٹ نے ان کی موت کی تصدیق کی تھی، جو اپنے تین لیفٹیننٹس کے ساتھ ایک وین میں سوار تھے۔ گوتابایا راجاپاکسا اب آخری بڑے حملے کے لیے پر عزم تھے، بغیر کسی سفارتی پابندی کے؛ دسمبر 2007 کے آخر میں وہ اپنے بھائی پر زور دے رہے تھے کہ جنگ بندی کے معاہدے کو باضابطہ طور پر ترک کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ 2 جنوری 2008 کو حکومت نے ایسا ہی کیا۔ چھ مہینوں سے بڑھتے ہوئے تنازعے نے تقریباً بے کار ہو چکے ایس ایل ایم ایم مشن کو جنگ بندی کی خلاف ورزیوں کی مناسب

تحقیقات کرنے سے روک دیا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای نے ایک سفارتی چال چلنے کی کوشش کی۔ اس نے دعویٰ کیا کہ کولمبو نے یکطرفہ طور پر 2002 کے معاہدے کو منسوخ کر دیا ہے، جبکہ ایل ٹی ٹی ای اب بھی اس کی پاسداری کرنے کے لیے تیار تھی، اس لیے مغربی ریاستوں کو اس پر لگائی گئی پابندیاں ختم کر دینی چاہئیں۔ لیکن یہ بات بین الاقوامی برادری میں زیادہ اثر انداز نہ ہو سکی۔ اب حکومتی افواج کو بڑے حملے کے لیے مکمل آزادی دی گئی۔ اب سے، باوجود کچھ عملی ناکامیوں کے، حکمت عملی کا مقصد ایک سال کے اندر ایل ٹی ٹی ای کو مکمل طور پر تباہ کرنا تھا، جو کہ قومی سلامتی کونسل کے پر امید لوگوں کی امیدوں سے چھ مہینے زیادہ تھا۔ یہ جدید دنیا کی سب سے شدید لڑائیوں میں سے ایک ہونے والی تھی، جس کا مشاہدہ دنیا کرے گی۔

باب دوازدھم

ایلام جنگ چہارم: مکمل جنگ کی طرف

مئی 2009 میں فتح کے نقطہ نظر سے، پچھلے دو سالوں کی لڑائی ایک تیز اور ناگزیر فتح کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ 2007 میں، اور حتیٰ کہ 2008 کے آخر تک، زمین پر موجود غریب سپاہیوں اور کابینہ میں موجود سیاستدانوں کے لیے فوجی فتح قطعی یقینی نہیں تھی۔ ایل ٹی ٹی ای (لبریشن ٹائیگرز آف تامل ایلام) ایک غیر معمولی حد تک سخت جان اور وسائل سے بھرپور دشمن تھا۔ سکریٹری نے جنگ کے آخری سالوں کا خلاصہ کرتے ہوئے مجھے بتایا: "ماویل آرو جنگ کا آغاز تھا۔ ہمیں وہیں سے شروع کرنا تھا۔ ہم شمال میں کام نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ ہم مشرق کو صاف نہیں کرتے اور اس سے پہلے کہ ہم وانی کو چھوتے۔ یہاں کوئی وقفہ نہیں تھا کہ شمال اور مشرق کے درمیان بحث ہو یا ایل ٹی ٹی ای کو خود کو مضبوط کرنے کا موقع ملتا۔ ہم نے مسلسل دباؤ ڈالے رکھا، جو جنگ کے اصولوں میں سے ایک تھا۔ یہ ڈھائی سال کی مسلسل جنگ تھی۔ یہ تو اوپر کا نقطہ نظر تھا۔ فروری 2012 میں اس وقت کے آرمی کمانڈر نے نیچے کے حالات کو اس طرح بیان کیا: "سپاہیوں کو معلوم تھا کہ ہم فتح کی راہ پر

ہیں۔ اگرچہ کچھ سپاہیوں نے دو سال تک بستر پر سویا نہیں... وہ درختوں کے نیچے، بنکروں میں، اور "خندقوں میں سوتے تھے۔ انہیں بستر کی آسائش میسر نہیں تھی لیکن پھر بھی ان کا حوصلہ بلند تھا۔

فوج کو تین سالوں میں 100 بٹالینز تک بڑھایا گیا، حالانکہ ان میں سے بہت سی یونٹوں میں ناتجربہ کار فوجی شامل تھے۔ 2006 اور 2009 کے درمیان، 121,000 نئے فوجیوں کو شامل کیا گیا، جو ایک بڑا لاجسٹک اور تربیتی عمل تھا۔ لیکن نقصانات اور زمین کے احاطے کی ضرورت نے ان تمام مردوں اور عورتوں کو جذب کر لیا۔ وزارت دفاع نے بحریہ، فضائیہ، پولیس اور شہری دفاع کے عملے کو تعینات کیا تاکہ فوج کو محاذ پر زیادہ سے زیادہ آگ کی طاقت استعمال کرنے کا موقع ملے۔ ہزاروں فوجی جو فعال ڈیوٹی پر واپس آنے کے قابل نہیں تھے انہیں انتظامی کرداروں میں تعینات کیا گیا تاکہ محاذ پر موجود فوجیوں کی مکمل گنتی یقینی بنائی جا سکے۔ زخمی فوجیوں، جو اکثر کسی ایک عضو سے محروم ہوتے، کو کولمبو میں انٹیلی جنس نگرانی کے کردار بھی دیے گئے۔ وانی میں بڑی پیش قدمی کے لیے لڑائی کی افواج اور سامان تیار تھے۔ تاہم، علاقے کی نوعیت مختلف تھی: گھنے جنگلات جو پالمیرا درختوں کی قریبی جھنڈوں سے گھری ہوئی تھیں، سے لے کر کھلی سوکھی جھاڑیوں تک اور دلدلی دھان کے کھیتوں تک۔ مشرق میں تیز کامیابیوں کے باوجود، وانی کے مانار صوبے میں پیش قدمی بہت سست تھی، جو ایل ٹی ٹی ای کا آخری گڑھ تھا۔ ابتدائی پسپائی جافنا میں اور مانار کے علاقے میں مشکل پیش قدمی نے ان لوگوں کو فائدہ

پہنچایا جو اب بھی فوجی حل کی مخالفت کر رہے تھے۔ 2009 کے بعد کے سیاسی عروج کے نقطہ نظر سے مہندا راجا پاکسا کی، یہ آسانی سے بھلایا جا سکتا ہے کہ ابتدا میں ان کی صدارتی جیت معمولی تھی اور پھر ان کا ڈھیلا اتحاد شاید انہیں جنگ میں پسپائیوں جتنی بے خوابی کی راتیں دیتا رہا (حالانکہ وہ ہمیشہ دعویٰ کرتے رہے کہ وہ اپنے مسائل گھر نہیں لے کر جاتے)۔ بین الاقوامی محاذ اور میدان جنگ کی عظیم حکمت عملی سری لنکن تاریخ کی سرخیوں میں جگہ پاتی، لیکن صدر کو بے شمار داخلی سیاسی اور اقتصادی ،معاملات پر توجہ دینا پڑی۔ ان کے بھائی، گوٹابایا، نے فوجی انتظام کا زیادہ تر بوجھ اٹھایا اور ایک اور بھائی بسل، اقتصادی امور پر کام کرتے رہے۔ قومی سلامتی کونسل میں صدر کو ہمیشہ آسانی نہیں ملی، حالانکہ ،ان کی برتری شاذ و نادر ہی چیلنج کی گئی۔ لیکن ان کی کابینہ میں ایسا نہیں تھا، جہاں انہیں اکثر چیلنج کیا گیا خاص طور پر منگلا سماراویرا کی طرف سے، جو بندرگاہوں اور شہری ہوابازی سمیت دیگر امور کے وزیر تھے۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ میڈیا میں اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے جنگ کے طرز عمل پر مسلسل تنقید کرتے رہے۔ انہوں نے اور ان کے اتحادیوں نے عمومی طور پر حملوں کو ایل ٹی ٹی ای ،سے علیحدہ کرنے اور انسانی حقوق کے مسائل پر زور دیا۔ 'امن کیمپ' کے غیر سرکاری اراکین نے کسی حد تک درست، اپنے نقطہ نظر کو اس بات کا سہرا دیا کہ انہوں نے کولمبو میں 1983 کے تمل مخالف فسادات کی دوبارہ تکرار کو روکنے میں مدد کی، حالانکہ شہر میں ٹائیگر بم دھماکوں نے مزید نسلی

کشیدگی پیدا کی تھی۔ وزیر کو برطرف کر دیا گیا، جزوی طور پر اس لیے کہ راجاپکسا برادران ایک متحدہ جنگی کوشش کو برقرار رکھنے کے لیے پرعزم تھے، خاص طور پر افواج کا حوصلہ بلند رکھنے کے لیے۔

اتحاد کے لیے حمایت مسلسل بدلتی رہتی: ایک مرحلے پر پارلیمنٹ میں اس کی اکثریت صرف چھ ووٹوں پر تھی۔ کبھی کبھار فوجی مہم پارلیمانی ساز باز سے براہ راست جڑ جاتی۔ انورادھاپورا میں 22 اکتوبر 2007 کو تباہ کن بلیک ٹائیگر حملہ ہوائی اڈے پر سخت بجٹ ووٹ کے ساتھ ہوا۔ یہاں تک کہ سخت گیر جے وی پی کی حمایت اکثر متزلزل ہوتی رہی۔ جب فوج ابھی مشرق میں تھوپیگالا کے جنگلات میں آخری باغیوں کی باقیات کو صاف کر رہی تھی، شمال کی طرف پیش قدمی شروع ہوئی۔ فوج نے جنوب سے آہستہ آہستہ مشرقی وانی کے جنگلاتی علاقوں میں پیش قدمی کی۔ جنگلات میں، فوج نے اپنی چھوٹے یونٹ کی حکمت عملی کو مزید ترقی دی۔ کمانڈوز اور خصوصی افواج کی چھوٹی فارمیشنز کی مداخلت، جو عام طور پر آٹھ افراد پر مشتمل ہوتی تھیں، مشرق میں عام تھی۔ بڑی فارمیشنز کی سابقہ پریکٹس، جو ایک خطی پیش قدمی کے ساتھ تھی، ایل ٹی ٹی ای کی توپ خانے کے لیے لامتناہی مواقع فراہم کرتی تھیں۔ ہدف کی شناخت کو کم کرنا ضروری تھا۔ چھوٹے یونٹ کے اصول کو عام انفنٹری میں اسپیشل انفنٹری آپریشنل ٹیموں کے قیام کے ذریعے لاگو کیا گیا۔ کمانڈوز کی ایک مہینے تک جاری رہنے والی لمبی دوری کی مداخلت کے برعکس (اسپیشل انفنٹری آپریشنل ٹیمیں رات کو لائنوں سے آگے بڑھتے اور ایک یا دو

کلو میٹر تک چالیس آٹھ گھنٹے کے لیے پیش قدمی کرتے، پھر واپس آتے اور ان کی جگہ بٹالین کی ایک اور یونٹ لے لیتی۔ وہ ایل ٹی ٹی ای کے پیچھے کی لائنز کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرتے، جس سے مرکزی افواج کی پیش قدمی میں مدد ملتی اور ساتھ ہی ایل ٹی ٹی ای کے افراد کو ہلاک کیا جاتا۔ ان حکمت عملیوں نے توپ خانے اور مارٹر فائر کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کو نمایاں طور پر کم کیا (جو کی ہلاکتوں کی شرح بڑھ گئی تھی۔ ہر SIOTs انفنٹری کی 60 فیصد ہلاکتوں کا سبب بنتا تھا) حالانکہ چھوٹے یونٹ کا مقصد روزانہ کم از کم ایک باغی کو ہلاک کرنا تھا، حالانکہ یہ ہدف اکثر ایک آئیڈیل ہوتا تھا نہ کہ حقیقت۔ فوج نے اپنے مداخلتی کرداروں کو شعوری طور پر روڈیشین افواج کی انسداد بغاوت یونٹ سیلوس اسکاؤٹس کی کامیاب حکمت عملیوں پر مبنی کیا۔ یہ مداخلتی حکمت عملی گھنے جنگلات میں ، بہتر کام کرتی تھی لیکن کھلے علاقوں میں کم موثر ثابت ہوتی تھی، جو شمال مغربی علاقے میں اے 9 شاہراہ کے مغرب میں زیادہ تر تھا۔ اس ٹائیگر علاقے کا بڑا حصہ جھاڑیوں پر مشتمل تھا، جس میں کئی کھلے مقامات تھے، خاص طور پر وہ علاقہ جسے 'چاول کا پیالہ' کہا جاتا تھا۔ 2007 کے آخری سہ ماہی میں ، زیادہ تر لڑائی اسی علاقے میں ہوئی۔ اگست میں ساحلی شہر اور سی ٹائیگر اڈہ سلاو تھورئی پر قبضہ کیا گیا لیکن چاول کے پیالے کے 80 مربع کلو میٹر کے علاقے میں تین ایل ٹی ٹی ای اڈے باقی تھے۔ دھان کے کھیتوں میں بہت کم چھپنے کی جگہ تھی اور جو کچھ بھی تھا وہ بارودی سرنگوں اور جالوں سے بھرا ہوا

تھا۔ مناظر اکثر سڑتے ہوئے جانوروں کی لاشوں سے داغ دار ہوتے تھے، جو بارودی سرنگوں کی کثرت کی علامت تھے۔ مون سون کی بارشوں میں حالات انتہائی خراب ہو گئے تھے۔ ٹائیگرز مضبوط مورچوں میں بیٹھے تھے اور ان کے بنکرز کھلے اور وسیع فائرنگ کے میدان پیش کرتے تھے۔ بھاری مارٹروں کا سامنا کرتے ہوئے، اکثر بغیر کسی پناہ کے، اور وسیع بارودی سرنگوں کے علاقوں میں، فوج بعض اوقات صرف میٹرز کی بجائے دن میں کلومیٹرز آگے بڑھتی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای کے نشانہ بازوں نے اطمینان بخش ہلاکتوں کا شکار کیا کیونکہ مخالف انفنٹری کے پاس چھپنے کی بہت کم جگہ تھی۔ فوج کو اکثر 'بنگلور ٹارپیڈو' استعمال کرنا پڑتا تھا، جو 1912 میں برطانوی ہندوستانی فوج کے ایجاد کردہ ایک مقامی آلہ تھا۔ امریکہ نے افغانستان میں اس کا ایک جدید ورژن (اینٹی پرسنل آبسٹیکل بریچنگ سسٹم) استعمال کیا اور برطانویوں نے 2010 میں ہیلمند میں راکٹ فائر کردہ آلہ پائتھون کو تعینات کیا۔ لیکن ایسی بارودی سرنگوں کی صفائی میں وقت لگتا تھا اور یہ کبھی بھی 90 فیصد سے زیادہ مؤثر نہیں ہوتی تھی۔ آخر کار مانار کے پورے علاقے پر قبضہ کرنے میں نو مہینے لگے۔ اگرچہ فوج چاول کے پیالے میں پھنسی ہوئی تھی، اس نے دوسرے مقامات پر پیش قدمی جاری رکھی اور مشرقی وانی پر حملے کی تیاری پر توجہ مرکوز کی، جو ٹائیگرز کی فوجی طاقت کا حقیقی مرکز تھا۔ ایل ٹی ٹی ای نے اپنی جنگی تدابیر کے لیے شہرت برقرار رکھی، جیسا کہ 9 ستمبر 2008 کو واونیا کے فضائی اڈے پر حملہ کر کے کیا۔ انہوں نے

خودکش بم دھماکے بھی جاری رکھے، جن میں ایک ریٹائرڈ جنرل کا قتل بھی شامل تھا۔ فوج کی زمینی پیش قدمی جاری رہی۔ مانار ضلع سے فوج نے کلینوچی ضلع کی طرف پیش قدمی کی۔ فوج نے شمال مغربی ساحل پر سی ٹائیگرز کے باقی اڈوں پر قبضہ کیا۔ نومبر میں پونریون پر قبضہ کیا گیا۔ ٹائیگرز کے مرکزی علاقے کے وسط میں ایک نئے محاذ کو کھولا گیا جب 17 نومبر کو مانکلوم اور اس کے آس پاس کے علاقے پر قبضہ کیا گیا۔ 200,000 نئے بے گھر افراد کی حالت انسانی المیے میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای نے 2008 کے اوائل میں جنگ بندی کا مطالبہ کیا، لیکن اس کا کولمبو اور بیرون ملک شکوک و شبہات سے سامنا ہوا۔ مغربی حکومتیں اور اہم طور پر بھارت، بڑھتی ہوئی شہری تباہی کے باوجود باضابطہ طور پر مداخلت کی کوشش نہیں کی۔ کولمبو کے لیے بھارت ہمیشہ اس کی سیاسی حکمت عملی کا سب سے اہم جزو رہا ہے۔ بسل اور گوٹابایا راجاپکسا کے علاوہ للت ویراٹونگا اور بھارت کے اہم سکیورٹی وزراء اور مشیروں کی غیر رسمی 'ترویکا' ملاقاتیں 2006 کے اوائل میں قائم کی گئیں۔ پروٹوکول کو نظر انداز کیا گیا اور ترویکا کے اراکین اکثر ایک دوسرے کو رات گئے ذاتی موبائل فونز پر کال کرتے تھے۔ سیاسی آقاؤں کو مسلسل نظر انداز کرنا روایتی ایشیائی سفارتکاری میں انتہائی غیر معمولی تھا۔ حتیٰ کہ 2008 کے آخر تک، بھارتی حکومت نے، جو تمل ناڈو کی حساسیتوں کا ہمیشہ خیال رکھتی تھی، عوامی طور پر کہا کہ کوئی فوجی حل ممکن نہیں ہے۔ تاہم، نجی طور پر، ایک ذہنی ہم آہنگی ظاہر تھی، سوائے

کبھی کبھار تمل حقوق اور مقامی پولیس اختیارات کے معاملات پر۔ اکتوبر 2008 تک، نئی دہلی نے سیاسی حل کی بات کرنا بند کر دی، یہ سمجھتے ہوئے کہ کولمبو مکمل فوجی فتح کے لیے پر عزم تھا۔ راجاپاکسا کی اسٹریٹجک مشین کو نئی دہلی کی طرف سے مستقل سبز روشنی دے دی گئی تھی... یا ایسا ہی لگتا تھا۔ نئی دہلی کی طرف سے دی جانے والی مستقل سبز روشنی... یا ایسا لگ رہا تھا۔ فوج کو ابھی تک وہ کامیابی حاصل کرنی تھی جو سیکرٹری نے بھارتیوں سے وعدہ کی تھی، یعنی وانی کے جنگلات میں فتح، جہاں حتیٰ کہ عظیم بھارتی فوج بھی ناکام ہوئی تھی۔ 2008 کی مہمات میں تین اہم محاذ تھے: پہلا، مانار میں دھان کے کھیتوں سے گزرتا ہوا سست لیکن بالآخر کامیاب مغربی محاذ۔ پھر مرکزی محاذ، جو جون 2008 سے اے 9 شاہراہ کے ساتھ شروع ہوا۔ مدھو چرچ کا علاقہ، جو ہاتھیوں کی پناہ گاہ کے قریب تھا، اپریل کے شروع میں گر گیا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای اس مشہور رومن کیتھولک چرچ کو ایک گودام اور طبی مرکز کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ فوج کو ثقافتی اور مذہبی مقامات کے ارد گرد جان بوجھ کر حملہ کرنے سے ، بچنے کی سخت ہدایات دی گئی تھیں۔ اس کے بجائے، فوج نے چرچ کے ارد گرد سپلائی راستے کاٹ دیے اور ایل ٹی ٹی ای پیچھے ہٹ گئی۔ کیتھولک چرچ نے اس پر شکر گزاری کا اظہار کیا اور جلد ہی عمارت میں ایک خصوصی ماس منایا۔ تیسرا محاذ، جو ملائیٹو کے مشرقی جنگلات سے گزرتا ہوا، جنوری 2008 کے بعد بہت منظم طریقے سے شروع ہوا۔ یہ علاقہ گھنے پرائمری جنگلات پر مشتمل تھا جن میں کچھ کھلی کھیتی

باڑی کے علاقے تھے۔ چھتری نما جنگلات کی موجودگی کے باوجود، آگے بڑھتی ہوئی فوج نے گروپ بندی سے گریز کیا تاکہ ایل ٹی ٹی ای کی توپوں کے اثرات کو محدود کیا جاسکے، حالانکہ بحری ناکہ بندی نے کسی حد تک باغیوں کی فائر پاور کو کم کر دیا تھا۔ جنگ کے اختتام کی طرف گولہ بارود کی تعداد تو کم ہو گئی تھی، لیکن ان کی درستگی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ان کی یہ ضد کہ وہ آخری حد تک اور زیادہ سخت اور قریب سے لڑتے رہیں گے، کم نہیں ہوئی تھی۔ تاہم، چار نئے چینی ریڈار آرٹلری سسٹم، نمی اور بارش کے باوجود جو ان کی درستگی کو متاثر کر سکتے تھے، سری لنکن فوج کے لیے انتہائی مؤثر ثابت ہوئے۔ مشرقی محاذ پر لڑائی میں بڑے دفاعی کمپلیکسز کو شکست دینا شامل تھا، خاص طور پر بدنام زمانہ 'ون فور بیس'، جو کہ آندنکولم کے جنگلاتی علاقے میں ایک وسیع بنکر سسٹم کا ایک بڑا کمپلیکس تھا۔ اسے صاف کرنے میں مہینے لگے۔ تین محاذوں پر پیش قدمی کا سامنا کرتے ہوئے، ایل ٹی ٹی ای زیادہ سے زیادہ مایوس ہو رہی تھی۔ جنگ کی ایک اچھی طرح سے معلومات رکھنے والے ذریعے کے مطابق ٹائیگرز نے مشرقی وانی کی سخت جنگ میں کیمیائی ہتھیاروں کا سہارا لیا۔ فوجی طبی خدمات نے مبینہ طور پر فوجیوں کے لیے 50,000 فوری گیس ماسک تیار کیے۔ کیمیکل کا ذکر کیے بغیر، یہ دعویٰ کیا گیا کہ ایل ٹی ٹی ای نے اپنی مارٹر گولوں میں کیمیائی ایجنٹس کا استعمال کیا تھا۔ فوج کو جلنے سے زخم آئے، لیکن کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔ ایسے غیر روایتی ہتھیاروں کا استعمال کو لمبو کے لیے بڑے پیمانے پر پروپیگنڈا کا

ذریعہ بن سکتا تھا اور ایل ٹی ٹی ای کو عالمی سطح پر بدنام اور شاید تباہ کر دیتا۔ بعد میں حکومت کی لائن یہ تھی کہ کولمبو کی طرف سے معلومات جاری کرنے سے ٹائیگرز کو روکنے میں کوئی فائدہ نہ ہوتا اور اس کا اثر فوج کی بھرتیوں پر پڑتا۔ ایل ٹی ٹی ای نے اس کا جواب دیا کہ فوج کے ماسک حکومت کی طرف سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کا ثبوت تھے۔ لیکن یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ حکومت کیوں ایک کامیاب مہم کے آخری مراحل میں غیر قانونی اور انتہائی متنازعہ ہتھیاروں کا استعمال کرے گی۔ بین الاقوامی انٹیلیجنس کمیونٹی میں، جو کیمیائی ہتھیاروں پر توجہ مرکوز رکھتی تھی، دونوں فریقوں کے ایسے آلات استعمال کرنے کے بارے میں کچھ 'سرگوشیاں' سامنے آئیں، حالانکہ حکومت کیمیائی ہتھیاروں کے کنونشن کی فریق تھی۔ کولمبو نے بعد میں انکشاف کیا کہ اس نے وانی میں ایک زیر زمین تجربہ گاہ کو پکڑا تھا جو زہریلے ہتھیار تیار کر رہی تھی۔ یہ امکان ظاہر کیا گیا کہ ایل ٹی ٹی ای کے تکنیکی ماہرین صنعتی کیمیائی مواد کے ساتھ تجربات کر رہے تھے، نہ کہ روایتی کیمیائی جنگی ایجنٹس کے ساتھ۔ کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے ایک معروف آزاد ماہر، گوین ون فیلڈ، کے مطابق، 'میری بہترین قیاس آرائی یہ ہے کہ کچھ قسم کے سفید فاسفورس کا استعمال ہوا ہو گا — جیسے اسرائیلی (اور دیگر) استعمال کرتے ہیں۔ یہ کیمیائی ہتھیار کے طور پر درجہ بند ہوتا ہے اور دم گھٹنے کا سبب بنتا ہے۔' اقوام متحدہ کے ایک بین الاقوامی ماہر پینل حکومت کے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ

سکا۔ مزید برآں، دونوں فریقوں پر تھرموبارک ہتھیاروں کے استعمال کا الزام لگایا گیا۔ یہ ایسے بم یا راکٹ ہو سکتے ہیں جو ایندھن ہوا کے دھماکہ خیز مواد کا استعمال کرتے ہیں جو دباؤ پیدا کرنے کے قابل ہوتا ہے جو ایٹم بم کے برابر ہوتا ہے۔ کولمبو نے بعد از جنگ ایل ٹی ٹی ای کے پکڑے گئے اسلحے کی فہرست میں کئی تھرموبارک ہتھیار درج کیے۔ روسیوں نے اپنے آرپی او-اے راکٹ سسٹمز کو چیچنیا میں استعمال کیا اور ان پر الزام عائد کیا گیا۔ کولمبو پر الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے ایک برطانوی اسلحہ کمپنی کے ذریعے ان راکٹوں کی کچھ تعداد خریدی تھی۔ سری لنکن افواج پر کلسٹر بم استعمال کرنے کا بھی الزام لگایا گیا۔ بغیر کسی حتمی بین الاقوامی ماہر کی تصدیق کے، یہ ممکن ہے کہ دونوں فریقوں نے غیر قانونی ہتھیاروں، خاص طور پر کیمیائی ایجنٹس، کا تجرباتی بنیادوں پر استعمال کیا ہو، لیکن یہ محض چھوٹے پیمانے پر اور کبھی کبھار تھا، نہ کہ مؤثر عملی سطح پر۔ مشرقی وانی میں ہاتھاپائی کی لڑائی، خندقوں اور بنکروں کی کثرت کے باوجود، اس جنگ کو پہلی عالمی جنگ کی خندقوں کی لڑائی جیسا قرار دینا غلط ہوگا، جہاں مسلسل مسٹرڈ گیس حملے کیے جاتے تھے۔ جنگل کے حالات اور زیادہ متحرک لڑائی کی جنگوں سے واضح طور پر مختلف تھیں۔ تاہم، ایک مماثلت ایل ٹی ٹی ای کی دفاعی 1914–18 تعمیرات، جنہیں "بنڈز" کہا جاتا تھا، میں مہارت تھی۔ فضائیہ نے ان قلعہ بندیوں پر بمباری کی اور بہت سے زمین کھودنے والے آلات کو تباہ کر دیا۔ ایک بنڈ 30 کلومیٹر سے زیادہ طویل تھا، جو ناچیکوداہ

کے ساحل کو اکارایانکولم ٹینک (آبی ذخیرہ) سے اور پھر اے 9 کے پار ایرانامادوٹینک سے جوڑتا تھا۔ شکل کے حصوں میں تعمیر کی گئی تھی، جو کہ ایک L انفنٹری نے اسے 'دیوار چین' کا نام دیا تھا۔ یہ بنڈ بکتر بند حملے کے باوجود جوابی کارروائی کی اجازت دیتا تھا، حتیٰ کہ دیوار کے کسی ایک حصے کو توڑ دیا جاتا۔ فوج نے صرف دیوار کے مشرقی حصے کو توڑنے میں 153 فوجی کھو دیے۔ ایک اور 12 کلومیٹر طویل بنڈ شمال مشرق کی طرف موجود تھی، جس کے سامنے وسیع کھلی فائرنگ کے علاقے تھے۔ فوج کو بنڈ کے قریب پہنچنے کے لیے رات کے حملوں کے لیے خندقیں کھودنی پڑتی تھیں۔ جنگل میں مون سون کی بارش کے دوران قلعہ بند مقامات کے خلاف لڑائی نے بہت نقصان پہنچایا، خاص طور پر ملیریا اور سڑتے ہوئے پاؤں جیسی بیماریوں کے باعث۔ فوجی انجینئرز نے خصوصی کنٹینرز تیار کیے جن میں بڑے ڈرائر تھے تاکہ انفنٹری کبھی کبھار اپنے کپڑے اور جوتے خشک کر سکے۔ جنوب سے تین محاذوں کی پیش قدمی اور خاص طور پر پونریون پر قبضے نے جافنا میں توپ خانے کی فائرنگ اور جافنا کے ساحلی علاقے کے ذریعے دراندازی کے خطرات کو بالآخر ختم کر دیا۔ اس نے جزیرہ نما میں موجود 40,000 فوجیوں میں سے کچھ کو شمال سے پینسر مومنٹ بنانے کے لیے آزاد کر دیا۔ تین جنوبی محاذوں کا بنیادی ہدف ٹائیگرز کا انتظامی دارالحکومت کلینوچچی تھا۔ خصوصی افواج اور کمانڈوز کے طویل فاصلے کے گشتی گروپ تین جنوبی لڑائی کے گروپوں سے آگے نکل گئے۔ پہلے کبھی ایل ٹی ٹی ای کو اتنے محاذوں پر لڑنا

نہیں پڑا تھا، جب کہ ان کے کنٹرول کا علاقہ سکڑ تا جا رہا تھا۔ کلینوچی پر حملہ 23 نومبر 2008 کو شروع ہوا۔ ٹائیگرز نے اپنے اس دارالحکومت کے لیے سخت لڑائی لڑی، جو انہوں نے ایک دہائی سے زیادہ عرصہ قبل قبضے میں لیا تھا۔ دونوں جانب ہلاکتیں تیزی سے بڑھنے لگیں۔ آخر کار فوج نے کلینوچی کو مغلوب کر لیا جب اس نے پارنتھن پر قبضہ کیا، جو ایل ٹی ٹی ای کے مضبوط گڑھ کے شمال میں تھا، اور اس طرح دارالحکومت کو ٹائیگرز کے ایلیفینٹ پاس کے اڈوں سے الگ کر دیا۔ اگلے دن، 2 جنوری 2009 کو، اب ناقابل دفاع دارالحکومت فوج کے حملے کے سامنے گر گیا۔ بچ جانے والے دستے ملائیٹو کے جنگلات میں اپنے آخری ٹھکانوں کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ گوٹابایا اور مہندا راجاپکسا دشمن کے دارالحکومت گئے تاکہ فوجیوں کو مبارکباد دیں۔ صدر نے اسے بے مثال فتح قرار دیا اور ایل ٹی ٹی ای سے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن ایک بار پھر، ملکی سیاست نے صدارتی فتح میں خلل ڈالا۔ 9 جنوری 2009 کو سنڈے لیڈر کے ایڈیٹر، لسنتھا وکرمتنگا، کو انتہائی ظالمانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ دو موٹر سائیکل سواروں نے ان کی گاڑی کو روکنے پر مجبور کیا اور پچھلی نشستوں پر سوار دو افراد نے گاڑی کی کھڑکیوں کو توڑ دیا۔ انہوں نے ایک فولادی آلے کا استعمال کیا، جو پہلے ذبح خانوں میں استعمال ہوتا تھا؛ اس میں ایک تیز دھار کانٹا ہوتا تھا جو ایڈیٹر کے دماغ میں پیوست کر دیا گیا۔ ایک نمایاں اپوزیشن کے حامی صحافی کی موت نے بڑے پیمانے پر شور مچایا۔ ایسا ہوا کہ ایڈیٹر نے حال ہی میں صدر کے ساتھ

خفیہ طور پر صلح کی تھی، لیکن اس سے پہلے وکرمتنگا طویل عرصے سے راجاپاکسا خاندان اور جنگ کے سخت ناقد رہے تھے۔ پارلیمانی دشمنوں نے حکومت پر حملہ کیا اور سرتھ فونیسکا پر اس حملے کا الزام لگایا۔ پارلیمانی استحقاق کا استعمال کرتے ہوئے، اپوزیشن کے ارکان اسمبلی نے فوج کے کمانڈر پر الزام لگایا کہ وہ راجاپاکسا خاندان کے لیے سیاسی قتل اسکواڈ چلانے میں زیادہ وقت صرف کر رہے تھے بجائے اس کے کہ ایل ٹی ٹی ای کے خلاف لڑ رہے ہوتے۔ کہا گیا کہ وہ تو سالویشن آرمی کو چلانے کے بھی قابل نہیں تھے۔ بڑھتی ہوئی فوجی ہلاکتوں پر تنقید کی گئی، اور حالیہ فتوحات کو کم تر پیش کیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ 1993 میں مشرقی علاقے کو صاف کیا گیا تھا، لیکن پھر دوبارہ کھو دیا گیا، اور 1996 میں کلینوچی پر قبضہ کیا گیا تھا، لیکن دو سال بعد واپس لے لیا گیا۔ گوٹابایا راجاپاکسا نے خاص طور پر حکومت کے زیر ملکیت آئی ٹی این نیوز چینل پر میڈیا مہم چلائی۔ انہوں نے اپنے فوجی کمانڈر کی تعریف کی اور فوجی جانی نقصان کا موازنہ پچھلی حکومتوں کی مہمات کے ساتھ کیا۔ اس قسم کے ملکی حملے بین الاقوامی لابیوں کے لیے مددگار ثابت ہوئے جو جنگ کو ختم کرنے یا کم از کم جنگی علاقوں میں پھنسے ہوئے ہزاروں شہریوں کی انسانی صورتحال کو آسان کرنے کے لیے جنگ بندی کا مطالبہ کر رہے تھے۔

حکومت نے جنگ بندی کی درخواستوں کو مسترد کر دیا، لیکن ہتھیار ڈالنے والے باغیوں کے لیے عام معافی کی پیشکش کی۔ پیچھے ہٹنے والے ایل ٹی ٹی ای کے جنگجو پوری شدت سے لڑتے رہے، اور بعد میں

کولمبو پر حملہ کرنے کے لیے دو خود کش طیارے بھیجے۔ یہاں تک کہ جنگ کے اس آخری مرحلے پر بھی، فتح سیاسی یا فوجی محاذوں پر بالکل یقینی نہیں تھی۔ شمال سے ہونے والی پیش قدمی طویل عرصے سے ، تاخیر کا شکار تھی۔ بڑے جافنا ساحلی علاقے اور بحر ہند کے درمیان باریک خشکی کے علاقے میں دونوں افواج محمد الی میں مضبوط قلعہ بند مقامات کے پیچھے خندقوں میں موجود تھیں۔ بھاری توپ خانے کی گولہ باری نے کسی بھی حقیقی نقل و حرکت کی جگہ لے لی تھی۔ دونوں فریقوں نے اس مقامی جمود کو توڑنے کی پوری کوشش کی اور ناکام رہے۔ دونوں کیمپوں میں موجود وہ لوگ جو توہمات پر یقین رکھتے تھے، اور وہ بڑی تعداد میں تھے، محسوس کرتے تھے کہ یہ میدان جنگ بد شگون تھا۔ ایک براہ راست ، حملے سے بچتے ہوئے، اور اس کے بجائے رات کے وقت چھوٹے چھاپہ مار دستے استعمال کرتے ہوئے خندقیں کھودتے اور بنڈز کے خلاف بارودی سرنگیں بچھاتے ہوئے، فوج نے آہستہ آہستہ پیش رفت کی، اور بالآخر ایک ہفتے کی شدید لڑائی کے بعد نومبر 2008 کے آخر میں پہلی دفاعی لائن پر قبضہ کر لیا۔

ایل ٹی ٹی ای کی دوسری دفاعی لائن کو وسیع دراندازی کے طریقوں اور مسلسل تھکاوٹ کے باعث کمزور کر دیا گیا تھا۔ خصوصی افواج نے فوج کے بائیں جانب سے چھوٹی جھیل کو عبور کیا اور ایل ٹی ٹی ای کے پیچھے جا پہنچیں۔ آخر کار تقریباً دس سال بعد، ایل ٹی ٹی ای کی میگنٹ لائن کے برابر دفاعی لائن، جو ایک اطرافی چال کے ذریعے کمزور ہو چکی تھی، جنوری 2009 کے پہلے ہفتے میں گر گئی۔ فوج نے جلد ہی

ایلیفینٹ پاس میں قدم جمالیا، جو ماضی میں خونریزی کا مقام رہا تھا۔ باغیوں نے پورے جافنا جزیرہ نما کو چھوڑ دیا اور وانی کے اندرونی علاقوں میں پناہ لینے کی کوشش کی، جس پر انہوں نے تقریباً پچیس سال تک کنٹرول قائم رکھا تھا۔ اب ایل ٹی ٹی ای کو گھیر لیا گیا تھا اور وہ ملائٹیو ضلع کے جنگلات میں مورچہ بند ہو چکے تھے۔ کبھی کبھار فوج نے اہم سڑکوں، جیسے اے ،نائن کے ذریعے بغیر کسی مزاحمت کے آسانی سے پیش قدمی کی۔ بعض اوقات پیچھے ہٹتے ہوئے ایل ٹی ٹی ای نے بالکل اسی طرح لڑائی لڑی جیسے۔ 1944 میں پیچھے ہٹتے ہوئے جرمن ویہرماخت نے کی تھی، اور پھر جوابی حملے کیے۔ کچھ جگہوں پر شدید لڑائیاں ہوئیں، جیسے دھرمپورم میں، جبکہ دوسری جگہوں پر باغیوں کے اچانک فرار کے آثار واضح تھے۔ مثال کے طور پر، فوج نے ورلڈ فوڈ پروگرام کے بڑے چھوڑے ہوئے خوراک کے ذخائر دریافت کیے۔ 25 جنوری کو ملائٹیو کا اسٹریٹیجک طور پر اہم قصبہ، نسبتاً کم لڑائی کے بعد، فوج کے ہاتھ آ گیا۔ سری لنکا کی اعلیٰ کمانڈ اور ایل ٹی ٹی ای کے حامی دونوں پر ابھاکرن کے متوقع ماسٹر اسٹروک کا انتظار کر رہے تھے۔ کئی بہادرانہ جوابی حملے مقامی سطح پر کیے گئے، لیکن ایل ٹی ٹی ای کی قیادت کی طرف سے کوئی بڑی اسٹریٹجک جوابی کارروائی سامنے نہیں آئی۔ تاہم، ایل ٹی ٹی ای کے جنگجوؤں نے حیران کن حد تک ثابت قدمی دکھائی اور اکثر اپنی محنت اور ذہانت کے ذریعے فوری طور پر ٹیکٹیکل فائدہ حاصل کر لیا۔ 7 سے 9 فروری کے درمیان، ایل ٹی ٹی ای نے پوتھوکوڈیئرپپو اور نندی کاڈل جھیل

کے درمیان کے علاقے میں جوابی حملہ کیا۔ فوج کی 59ویں ڈویژن کو تین دن کی مسلسل لڑائی میں شدید نقصان پہنچا۔ ایل ٹی ٹی ای نے ہر چیز جھونک دی، بشمول خودکش ٹرک جن میں دھماکہ خیز مواد بھرا ہوا تھا اور یہاں تک کہ موٹر سائیکل سوار خودکش بمبار بھی۔ فوج کی 53ویں ڈویژن، جو کہ ریزرو میں تھی، کو فوج کی لائنز کو مضبوط کرنے کے لیے جنگ میں بھیجنا پڑا۔ ساحل پر ایک نیا ٹاسک فورس نندی کاڈل جھیل کے کنارے جنوب سے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اندرون ملک، ٹائیگرز نے کلماڈو کولم ٹینک (آبی ذخیرہ) کی دیواریں اڑا دیں، جس سے پندرہ مربع کلومیٹر کا علاقہ زیر آب آ گیا۔ سری لنکن فوجی اس سیلاب میں پھنس گئے لیکن کئی درختوں پر چڑھ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ باغیوں نے جلدی سے ماہی گیری کی کشتیاں لانچ کیں تاکہ درختوں سے لپٹے کچھ بچ جانے والوں پر فائرنگ کی جا سکے۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ فوج کے پاس بھی اندرون ملک بڑی تعداد میں چھوٹی کشتیاں تھیں۔ جیسے جیسے ٹائیگرز نے شہریوں کو اپنے سکڑتے ہوئے کنٹرول کے علاقے میں دھکیلنا شروع کیا لوگوں نے اپنی سب سے اہم اشیاء اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی۔ وانی کے وسط میں کشتیاں گھسیٹی گئیں اور پھر چھوڑ دی گئیں۔ فوج نے ان کشتیوں کو عارضی غسل خانوں کے طور پر استعمال کیا تھا، لیکن جب کلماڈو کولم کا ڈیم ٹوٹا تو ان میں سے کچھ کشتیوں کو دوبارہ بحری جہازوں کے طور پر استعمال کیا گیا تاکہ درختوں سے چمٹے ہوئے یا دو منزلہ عمارتوں میں پھنسے ہوئے فوجیوں کو بچایا جا سکے۔ ایل ٹی

ٹی ای نے ایرانامادوٹینک کے ڈیم کی دیوار کو تباہ کرنے کا حکم بھی دیا، جو شمال میں سب سے بڑا آبی ذخیرہ تھا۔ اگر یہ ٹوٹ جاتا تو ایک بڑی تباہی کا سبب بنتا۔ حکومت کے انٹیلیجنس ذرائع کے مطابق، اس مشن پر مامور جنگجوؤں نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ یہ ایک نایاب مثال تھی جب تربیت یافتہ باغیوں نے اخلاقی بنیادوں پر ایک بڑے مشن کو انجام دینے سے انکار کیا۔

سب سے مشکل پیش قدمیوں میں سے ایک 55 ویں ڈویژن کے کچھ عناصر کی تھی، جو ویٹلیننکرنی سے پوتھوماٹلان تک تنگ ریتلی پٹی پر تھی۔ یہ تقریباً چالیس کلومیٹر تک پھیلی ہوئی تھی اور اوسطاً صرف ایک کلومیٹر چوڑی تھی۔ فوج کو مختلف آبی گزرگاہوں کو عبور کرنا پڑا، جن میں سے کچھ صرف پچیس میٹر چوڑی تھیں اور ان کی گہرائی کا انحصار سمندری لہروں پر تھا۔ ہمیشہ کی طرح، ٹائیگرز نے متعدد ریت کے بنڈز بنائے تھے۔ فوج نے اپنے 'سٹالن آرگنز' (پاکستان سے ملنے والے ایم بی آر ایل) استعمال کیے اور بنڈز پر براہ راست راکٹ داغے — کبھی کبھار 500 میٹر کی دوری پر۔ سی ٹائیگرز نے اس مرحلے پر بھی پچاس کشتیاں تیار کیں تاکہ 55 ویں ڈویژن کے پیچھے سے چپکے سے حملہ کیا جا سکے۔ ایم بی آر ایل کو دوبارہ مکمل راکٹ سالوو کے ساتھ استعمال کیا گیا تاکہ سی ٹائیگرز کو منتشر کیا جا سکے۔ یہ سی ٹائیگرز کے آخری حملوں میں سے ایک تھا، خاص طور پر اس لیے کہ چالائی میں سی ٹائیگرز کا بڑا اڈہ فروری میں ایک ہفتے کی شدید لڑائی کے بعد قبضے میں آ گیا تھا۔ ٹائیگرز نے تمام مشکلات کے باوجود لڑنا

جاری رکھا، خود بھی نقصان اٹھاتے ہوئے بھاری جانی نقصان پہنچایا۔ مثال کے طور پر، پوتھوماٹلان کے قریب آخری چند کلومیٹر کی لڑائی میں، فوج نے 459 فوجی کھو دیے اور 2,499 زخمی ہوئے۔ 2006 میں، ٹائیگرز نے 15,000 مربع کلومیٹر کا علاقہ اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای کے علاقے کے عروج پر، تحریک نے جزیرے کے تقریباً 2.5 ملین تملوں کا پانچواں حصہ براہ راست کنٹرول کیا تھا۔ جنوری 2009 تک، تقریباً 330,000 شہریوں کو وانی کے شمال مشرقی کونے میں دھکیل دیا گیا تھا، جو لندن کے ایک تہائی کے برابر تھا۔ تین ماہ کے اندر، اگر لندن کی مثال دوبارہ دی جائے تو، ٹائیگرز کو ایک ایسے علاقے میں دھکیل دیا گیا جو ہیمپسٹیڈ ہیتھ سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ جنگ کے آخری چند مہینوں میں، لاکھوں شہریوں کو ایک سکڑتے ہوئے جنگی علاقے میں ہانک دیا گیا: کچھ رضاکارانہ طور پر، لیکن ، زیادہ تر کو انسانی ڈھال یا توپ کا چارہ بنا کر جبری بھرتی کیا گیا۔ نام نہاد 'نو-فائر زونز' کے قیام کے باوجود ہزاروں شہری مارے گئے، کچھ کراس فائر میں، کچھ جان بوجھ کر کی گئی گولہ باری سے یا کبھی کبھار قریب سے ہونے والی بربریت کی وجہ سے۔ 'کیج' میں شہریوں کے ساتھ کیے گئے سلوک نے بین الاقوامی سطح پر ایک تنازعہ کو جنم دیا، جو آج بھی جاری ہے۔

باب سیز داھم

قید خانہ

ایل ٹی ٹی ای کا ہزاروں عام شہریوں کو جنگی علاقوں میں گھیر لینا حکومت کی فوجی کارروائیوں کو بہت زیادہ پیچیدہ بنا رہا تھا۔ کولمبو نے جنگ کے آخری مراحل کو 'انسانی ہمدردی' کی کوشش قرار دیا تاکہ شہریوں کو بچایا جا سکے، حالانکہ اس کا بنیادی مقصد ٹائیگرز کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا تھا۔ 1995 میں جافنا میں، ایل ٹی ٹی ای نے اسی طرح عام شہریوں کو لڑنے والے دستوں کے ساتھ پیچھے ہٹنے پر اصرار کیا تھا۔ اگر آبادی وہیں رہتی اور جنگجو شہری گوریلا جنگ لڑتے، تو یہ فوج کے لیے جنگ کو بہت زیادہ مشکل بنا دیتا۔ ہندوستان کی طرف سے دباؤ ڈالنے سے شاید اس آپریشن کو روکا جا سکتا تھا۔ زیادہ تر تمل آبادی واپس آ گئی، جس کی وجہ سے ایل ٹی ٹی ای نے جزیرہ نما اور اپنی آبادی پر براہ راست کنٹرول کھو دیا۔ ایل ٹی ٹی ای نے مشرق میں سمپور میں بھی یہی غلطی دہرائی، جب اس نے 30,000 سے زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا، حالانکہ زیادہ تر شہری بعد میں حکومت کے زیر کنٹرول علاقوں میں پہنچ گئے۔ ایل ٹی ٹی ای نے منار اور وانی کے جنگلات میں بھی یہی کیا۔ اس سے فوج کے زیر

تسلط علاقوں میں صفائی کے آپریشنز کو بہت آسان بنا دیا- بچ جانے والے ایل ٹی ٹی ای جنگجوؤں کے خلاف لڑائی کم خطرناک تھی کیونکہ عام شہریوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ کم تھا۔ ہندوستان کی طرف کشتیوں کے ذریعے شہریوں کی بڑے پیمانے پر نقل مکانی بھی نہیں ہوئی، جو کہ تمل ناڈو اور نئی دہلی میں سیاسی حساسیت کو ہوا دے سکتی تھی۔ کولمبو نے دعویٰ کیا کہ تمل شہری آبادی صرف ایل ٹی ٹی ای کی دہشت گردی کے ذریعے ہی قابو میں تھی اور کوئی شک نہیں کہ پناہ گزینوں کی اکثریت بہت ہی ہچکچاہٹ کے ساتھ ٹائیگرز کے ساتھ گئی۔ ایل ٹی ٹی ای کے پروپیگنڈا کرنے والوں نے وضاحت کی کہ شہری فوجی دہشت سے بچ رہے تھے اور ٹائیگرز کے ساتھ رہنے کا انتخاب کیا۔ حقیقت یہ بھی تھی کہ ایل ٹی ٹی ای کو بھرتی کے لیے ایک پول کی ضرورت تھی کیونکہ جانی نقصانات نے ان کی تعداد کو کم کر دیا تھا۔ باغیوں کو مزید بہت بڑی تعداد میں مزدوروں کی ضرورت تھی تاکہ وہ بے شمار دفاعی بند تعمیر کر سکیں۔ لیکن بڑے عوامل میں حکومت کے حملوں کو محدود کرنا اور سب سے بڑھ کر بین الاقوامی مداخلت کو یقینی بنانا شامل تھا۔ جنگ کے آخری چند دنوں تک، ایل ٹی ٹی ای کی قیادت کو بین الاقوامی دباؤ کے تحت جنگ بندی یا، آخری حل کے طور پر، ہندوستانی یا مغربی جنگی جہازوں کے ذریعے بچائے ،جانے کی امید تھی۔ اس دوران ایل ٹی ٹی ای ،نے اپنے یرغمالیوں پر سخت کنٹرول نافذ کیا، گولہ باری فائرنگ یا فرار ہونے والوں کو قید کیا۔ بہت سے افراد فوجی لائنوں میں پہنچنے اور پھر دوبارہ آبادکاری

کیمپوں میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم، وہ وہاں بھی محفوظ نہیں تھے۔ 29 فروری 2009 کو ایک بلیک ٹائیگر بمبار نے دھرم پورم آئی ڈی پی کیمپ میں پہنچنے والے 23 تمل باشندوں کو ہلاک کر دیا۔ پھر بھی، جنگ جاری تھی جب جنگجو پیچھے ہٹ رہے تھے۔ انہوں نے وہ استعمال کیا جسے فوج 'پیڈل گنز' کہتی تھی، بحری توپیں جو ٹریلرز پر رکھی جاتی تھیں۔ بڑی کیلبر کی بندوقیں، جو پاؤں سے کنٹرول کی جاتی تھیں، تیز رفتاری سے فائر کرتی تھیں۔ ایراناپالائی میں 4-5 اپریل کو آخری معرکوں میں سے ایک لڑی گئی۔ اس معرکے میں کئی اعلیٰ کمانڈرز مارے گئے، جن میں خواتین جنگجوؤں کی قیادت بھی شامل تھی۔ علاقائی کمانڈر، بریگیڈیئر تھیپان، اپنے دستوں کی قیادت کرتے ہوئے بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ بریگیڈیئر (اصل نام ویلایوتھاپلّے بھیراتھ کمار) ایل ٹی ٹی ای کے شمالی محاذ کے کمانڈر تھے۔ اس جنگ میں ایل ٹی ٹی ای نے اہم توپ خانہ کھو دیا، بشمول تین 130 ملی میٹر بندوقیں۔ وہ پیچھے ہٹتے رہے، سخت لڑتے ہوئے اور اپنے قبضے میں موجود تنگ ساحلی پٹی پر بند باندھتے رہے۔ پوتھوماتھالان کی جھیل کے کنارے بنائے گئے مٹی کے بند کے ارد گرد شدید لڑائی ہوئی۔ فوج نے شہریوں کو بچانے کے لیے بند کو جتنا ممکن ہو چکے سے توڑنے کی کوشش کی۔ فوج نے یرغمالیوں کی صورت حال میں اپنے اسپیشل فورسز ماہرین کو بچانے کی قیادت کرنے کے لیے استعمال کیا، ساتھ ہی شہریوں کو باہر نکلنے کی ترغیب دینے کے لیے پمفلٹ گرا کر اور لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا۔ اس بند کے

گرنے سے پہلے ہی 3,000 تمل شہری سمندر کے ذریعے فرار ہو چکے تھے۔ ہندوستانی صحافیوں نے انہیں لرزتے ہوئے ڈھانچے اور جھاڑو پہنے ہوئے بیان کیا، جو شدید صدمے کی حالت میں تھے۔ دریں اثنا، کمانڈوز اور اسپیشل فورسز کے سپاہی رات کے وقت چھاتی تک جھیل کے پار جا رہے تھے یا درختوں کے تنوں، پلاسٹک کے مارٹر کیسوں اور پائپوں کی عارضی بیڑیاں استعمال کر رہے تھے تاکہ بند کو پیچھے سے گھیر لیں۔ (عارضی انتظامات کا کچھ حصہ فوج اور بحریہ کے درمیان مسلسل اختلافات کی وجہ سے تھا، جو کہ کشتیوں کا بندوبست کر سکتی تھی۔) ایک اور بند توڑنے کے فرار میں تقریباً 33,000 لوگ رات کے وقت 20 اپریل کو فرار ہو گئے۔ یہ منظر کولمبو میں فضائیہ کے ہیڈ کوارٹر میں براہ راست دیکھا گیا۔ صدر راجا پاکسا نے مغربی سفارت کاروں کو مدعو کرنے پر زور دیا تاکہ وہ بغیر پائلٹ ہوائی فیڈز کو دیکھ سکیں اور فرار کی کوششوں کا مشاہدہ کر سکیں۔ 21 اپریل کو ایل ٹی ٹی ای کے دو سینئر افراد، ڈایا ماسٹر اور جارج، نے پیش قدمی کرنے والے دستوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ انہوں نے کہا کہ وہ شہریوں کو فرار ہونے کی کوشش میں گولی مارنے اور نوعمر بچوں کی جبری بھرتی کی وجہ سے تنگ آ کر چھوڑ گئے۔

بیرونی دباؤ، خاص طور پر ہندوستان کی طرف سے، نے حکومت کو جنوری 2009 سے نان فائر زون قائم کرنے پر مجبور کیا، جہاں شہری جمع ہو سکتے تھے۔ اس نے کولمبو کی پی آر مہم میں دنیا کو قائل کرنے کے لیے بڑا کردار ادا کیا کہ جنگ کے آخری مراحل بنیادی طور پر ایک انسانی ہمدردی کی کارروائی تھی۔ لیکن نان فائر زون اتنے ہی غیر موثر ثابت ہوئے جتنے کہ 1990 کی بوسنیا جنگ میں قائم کیے گئے محفوظ پناہ گاہیں'۔ ٹائیگرز نے انہیں نظر انداز کیا اور زون میں موجود کچھ فعال ہسپتالوں کے ارد گرد' بھی موبائل گوریلا توپوں کے ذریعے حملے جاری رکھے۔ نان فائر زون میں موجود چند اقوام متحدہ مبصرین کولمبو کے ساتھ ہسپتالوں کے عین محل وقوع کو اپ ڈیٹ کرنے کے لیے رابطہ میں تھے، لیکن اقوام متحدہ کے مطابق حکومت کی جوابی کارروائیاں جاری رہیں۔ جنگ کے آخری دنوں میں، ایک متضاد صورتحال پیدا ہوئی: پورے ملک میں کوئی گولی نہیں چل رہی تھی، سوائے نان فائر زونز کے۔ باہر کی دنیا نے کئی طریقوں سے مداخلت کی۔ جنگ اور عالمی اقتصادی کساد بازاری نے حکومت کی اقتصادی صورتحال کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ غیر ملکی کرنسی کے ذخائر تیزی سے کم ہو رہے تھے اور کسی کا بھی کولمبو کو پیسے دینے کا ارادہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ واشنگٹن میں سیاسی جوڑ توڑ نے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF) کے 1.9 بلین ڈالر کے اسٹینڈ بائی معاہدے میں پانچ ماہ کی تاخیر کر دی۔ ایک بار پھر جنگ تقریباً رک گئی تھی۔ صدر راجا پاکسا نے ذاتی طور پر کرنل قذافی سے بات کی تاکہ دوطرفہ قرض کا

انتظام کیا جا سکے، اور تہران میں اپنے دوستوں سے بھی رابطہ کیا۔ تیل سے مالا مال اسلامی ملک سے بڑے قرضے کی افواہوں نے سری لنکا کے مالیاتی بحران کو مستحکم کیا۔ ہندوستان نے مالی مدد کی پیشکش کی اور کولمبو نے اسے آئی ایف ایم کی حمایت کو سیاسی رنگ دینے کے طور پر پیش کیا۔ جولائی میں، جب جنگ ختم ہو چکی تھی، کولمبو کو آئی ایف ایم کی سہولت ملی۔ 16 اپریل کو بان کی مون نے اپنے چیف آ، ف اسٹاف کو جنگ بندی کروانے کے لیے بھیجا۔ سیکرٹری جنرل نے اس خیال کو مسترد کر دیا اور یہ بھی کہا کہ ایک اقوام متحدہ کے حقائق جاننے والے مشن کو ایل ٹی ٹی ای کے علاقے میں داخل نہیں ہونے دیا جا سکتا کیونکہ اس کے لیے فوج کو کارروائی روکنی پڑے گی۔ امریکی محکمہ خارجہ نے ایل ٹی ٹی ای سے مطالبہ کیا کہ وہ شہریوں کو یرغمال بنانا بند کرے اور اگر وہ سری لنکا کی افواج کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کرتے ہیں، تو تیسرے فریق کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ کولمبو نے اسے جنگ روکنے کی کوشش کے طور پر دیکھا اور ایل ٹی ٹی ای کے دفاع کو ختم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ بین الاقوامی قیاس آرائیاں بڑھ گئیں کہ مغربی جنگی جہاز پھنسے ہوئے شہریوں کے ساتھ ساتھ پربھاکرن کے آس پاس کے ایل ٹی ٹی ای کی قیادت کو بھی نکالنے میں مدد کر سکتے ہیں۔ کولمبو کے لیے سب سے پریشان کن مداخلت دو یورپی وزرائے خارجہ کی تھی۔ 29 اپریل 2009 کو برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ اور

فرانسیسی وزیر خارجہ برنارڈ کوچنر خونریزی کو روکنے کی کوشش کرنے کے لیے پہنچے۔ گوٹابایاراجاپاکسا ،نے ان سے ملاقات میں صاف گوئی سے کہا کہ جب تک پربھاکرن مر نہیں جاتا یا گرفتار نہیں ہوتا جنگ جاری رہے گی۔ وزیر دفاع نے وضاحت کی کہ 200,000 سے زیادہ شہریوں کو ایل ٹی ٹی ای کی قید سے رہا کرایا گیا تھا۔ سری لنکنز نے ملی بینڈ کو 'بد تمیز اور جارحانہ' پایا، خاص طور پر جب اس نے شکایت کی کہ فوج کی گولہ باری سے شہری ہلاک ہو رہے ہیں۔ گوٹابایاراجاپاکسا نے برطانوی وزیر کو بتایا کہ وہ تمل پروپیگنڈے پر یقین نہ کریں۔ سری لنکن حکام کے مطابق، کوچنر نے تناؤ کو کم کرنے کی کوشش کی اور اپنے زیادہ جذباتی برطانوی ساتھی کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ اگر حکومت جنگ بندی کی اجازت نہ دیتی، تو کوچنر، جو کئی جنگی علاقوں کے تجربہ کار تھے اور ایک سابق انسانی حقوق کے مہم جو اور ایم ایس ایف کے شریک بانی تھے، نے پربھاکرن سے خود بات کرنے کے لیے محصور علاقے میں جانے کی پیشکش کی۔ سیکرٹری نے فرانسیسی شخص کی بہادری کو تسلیم کیا لیکن وضاحت کی کہ اگر وہ ایل ٹی ٹی ای کے رہنما تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو گئے، تو انہیں یرغمال بنایا جا سکتا ہے۔ ان دونوں غیر ملکی وی آئی پیز نے وانی کی جنگ سے بے گھر ہونے والے افراد کو دیکھنے کی درخواست کی۔ انہیں واونیہ میں حال ہی میں قائم کیے گئے کیمپوں کا دورہ کرایا گیا اور پھر صدر سے ملاقات کے لیے امبلیپیٹیہ میں واقع ایک گیسٹ ہاؤس میں لے جایا گیا۔ وہاں جھیل کے قریب ایک درخت کے نیچے

میز لگائی گئی تھی۔ لالیتھ ویراتونگا کے ساتھ میری انٹرویو کے مطابق، جو ہمیشہ کی طرح صدر کے ساتھ تھے، ملاقات خوشگوار نہیں تھی۔

'ملی بینڈ نے زور دے کر کہا، 'اس قتل عام کو فوری طور پر روکنے کی ضرورت ہے۔

اس پر، صدر نے عوام میں اپنے غصے کے ایک نایاب لمحے میں جواب دیا، 'ہم ان لوگوں کو ایل ٹی ٹی ای سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔'

پھر صدر نے لیبر پارٹی کے سیاستدان پر سری لنکا کے ساتھ متکبرانہ رویے کا الزام لگایا۔ صدر نے سخت لہجے میں کہا، 'کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اب بھی آپ کی کالونی ہیں؟'

ایک بار پھر، کوچنر نے مصالحت کی کوشش کی۔ 'ہم آپ کے دوست ہیں، 'انہوں نے کہا۔ 'ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔'

'پھر بھی غصے میں، صدر راجاپاکسا نے جواب دیا، 'مجھے پتا ہے کہ میرے دوست اور دشمن کون ہیں۔

یہ حقیقت کہ کوچنر کو سری لنکا آنے سے پہلے پریس میں یہ بات کہی گئی تھی کہ برطانوی اور فرانسیسی جنگی جہاز 'دی کیج' میں پھنسے ہوئے شہریوں کو نکالنے میں مدد کر سکتے ہیں، کولمبو میں اچھا نہیں سمجھی گئی۔

یہ انڈوں پر ناچنے کا عمل 23 اپریل 2009 کو شام 5 بجے اپنے عروج پر پہنچا، جب گوٹابایا راجاپاکسا کو ان کے ذاتی موبائل فون پر شیو شنکر مینن، جو کہ خارجہ امور کے سیکرٹری تھے، کی کال موصول ہوئی۔

"انہوں نے کہا، "گوٹا، تمل ناڈو کا مسئلہ گرم ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں صورتحال بہت حساس ہے۔

"سیکرٹری نے جواب دیا: "ٹھیک ہے، میں آپ کو واپس کال کرتا ہوں۔

گوٹابایا نے فوراً مہندا راجاپاکسا کو کال کی۔ صدر نے مختصر جواب دیا: "انہیں کل صبح ناشتہ کے لیے "بلاؤ۔

یہ وہ لمحات تھے جب صدر کو اپنے ذاتی مزار میں پناہ لینے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اپنے رہائش گاہ کی پہلی منزل پر، چمکتی ہوئی سفید دروازے کے پیچھے، جہاں ان کے تین بیٹوں کے رنگین کارناموں کی تصاویر رکھی تھیں، مہندا راجاپاکسا اپنی چپلیں اتار کر سکون کی تلاش کرتے۔ اس درمیانے سائز کے کمرے میں، انہوں نے شاید پچاس کے قریب بدھا کے مجسمے جمع کر رکھے تھے، بڑے اور چھوٹے، کچھ قیمتی دھاتوں میں۔ اس کے علاوہ، کمرے کے ایک حصے میں ہندو دیوتاؤں کا ایک چھوٹا مجموعہ بھی

ترتیب سے رکھا ہوا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ روزانہ کم از کم بیس منٹ تک مراقبہ کرتے تھے اور خاص کر بحران کے لمحات میں۔ یہ یقیناً ایسا ہی ایک وقت تھا۔ ہندوستانی ابھی بھی ان کی جنگ ختم کرنے کی خواہشات کو تباہ کر سکتے تھے۔ اُسی رات ہندوستان کی اعلیٰ سکیورٹی ٹرائیکا ایک خاص چارٹرڈ طیارے میں پہنچی۔ اگلی صبح، 9 بجے، اہم شخصیات ٹمپل ٹریس میں ملاقات کے لیے جمع ہوئیں۔ ہندوستانی ہائی کمیشن کی موجودگی میں دونوں ٹرائیکا نے مذاکرات کا آغاز کیا۔ ہندوستانیوں نے مختصر گفتگو کی: تمل ناڈو کے لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کے بھائی قتل کیے جا رہے ہیں۔ گوٹابایا اور مہندا راجا پاکسا نے غور سے سنا، ساتھ ہی صدر کے آدمی، للت ویرا ٹونگا بھی موجود تھے۔ سری لنکنز نے وضاحت دینے کی کوشش کی، لیکن ہندوستانی مکمل طور پر قائل نہیں تھے۔ ہندوستانیوں کو کوئی سیاسی یقین دہانی چاہیے تھی۔

صدر نے مضبوطی سے کہا، "یہاں تک کہ اگر آپ میرے ملک پر حملہ کریں، میں اسے نہیں روکوں گا۔ ہم چند ہفتے دور ہیں دہشت گردی کو ختم کرنے سے۔"

انہوں نے سابقہ ہندوستانی مداخلت کا بھی حوالہ دیا، جس کی وجہ سے شمال میں شدید لڑائی ہوئی اور بیس سال کی ترقی کا نقصان "ہوا۔"

کمرے میں موجود ایک مبصر کے مطابق، ہندوستانی وفد 'مایوس' تھا۔ "انہیں لگا کہ ان کا مشن ناکام ہو گیا ہے۔"

صدر نے پھر بغیر کسی مشورے کے، ہندوستانی قومی سلامتی کے سربراہ کی طرف جھک کر، نرمی سے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا اور بہت آہستگی سے کہا، "دیکھو میرے دوست، اس معاملے کو روکے بغیر، آپ چاہتے ہیں کہ میں کیا کروں؟"

ہندوستانی سکیورٹی ماہر نے جواب دیا، "کم از کم آپ بھاری توپخانے کا استعمال روک سکتے ہیں—بھاری توپیں اور فضائی حملے۔"

صدر نے اتفاق کیا اور ہندوستانیوں نے واضح طور پر سکون کا سانس لیا۔ ہندوستانیوں نے کہا کہ وہ فوجی طاقت کے استعمال کو محدود کرنے کے عوامی وعدے کو قبول کریں گے، خاص طور پر بھاری توپخانے اور فضائی طاقت کے استعمال پر۔ (بحری توپخانے پر بات نہیں کی گئی، حالانکہ یہ بعد میں ایل ٹی ٹی ای کے پروپیگنڈے کا موضوع بنا۔ بحریہ فوج کی مدد بحری توپوں سے نہیں کر رہی تھی۔)

صدر نے کہا، "میں پیر کو نیشنل سکیورٹی کونسل کی خصوصی میٹنگ میں اس کی منظوری لوں گا۔" یہ عام طور پر بدھ کو ملتی تھی، لیکن انہوں نے ہنگامی اجلاس بلانے کا کہا۔

ہندوستانی عوامی بیان مبہم تھا۔ یہ 24 اپریل کو جاری کیا گیا۔

صدر راجاپاکسا نے اپنے قریبی ساتھیوں سے اعتراف کیا کہ انہیں حال ہی میں پربھاکرن کی قریب الوقوع موت کا پیشگی احساس ہوا تھا۔ دونوں مرکزی حریف کبھی نہیں ملے تھے-اور نہ ہی ملتے۔

ایل ٹی ٹی ای نے اپنے بچ جانے والے دو کلومیٹر کے محاذ پر لڑنا جاری رکھا۔ یہ ایک بے پناہ اور مایوس کن آخری مزاحمت تھی جس کا ایل ٹی ٹی ای کے ہمدرد اسپارٹنز کی 480 قبل مسیح میں تھیرموپائیلی کی لڑائی سے موازنہ کر سکتے ہیں۔ فرق یہ تھا کہ یونانی اس مقامی شکست کے بعد فتح یاب ہوئے، کیونکہ وہ اپنے دیوتاؤں پر یقین رکھتے تھے۔ پوپ، جو اپنی جگہ پر فائز تھے، نے مقدس زمین کے دورے سے اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا۔ ویٹیکن واحد بڑا ادارہ تھا جس نے صدام حسین کی پھانسی کی مخالفت کی تھی، تو پھر پربھاکرن کا کیا؟ ایل ٹی ٹی ای کا رہنما شاید بین الاقوامی یا خدائی مداخلت کا انتظار بے سود کر

رہا تھا۔ اب صرف ہندوستان ہی اسے بچا سکتا تھا۔ سری لنکن فوج، جو اب تعداد میں بہت زیادہ برتری رکھتی تھی، مسلسل تازہ دستے بھیج سکتی تھی اور اس طرح چوبیس گھنٹے لڑائی کا سلسلہ برقرار رکھ سکتی تھی۔ ٹائیگرز نے کبھی اپنے ہی نہ ختم ہونے والے حملے کی حکمت عملی کا ایسا مقابلہ نہیں کیا تھا۔

نندی کدل کے لگون کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا تمل ناڈو میں بڑی شدت سے اور تفصیل سے مطالعہ کیا جا رہا تھا۔ مرکزی حکومت اب تمل سیاست دانوں کو قابو میں نہیں رکھ پا رہی تھی۔ 27 اپریل کو، سرکاری بیان کے تین دن بعد، تمل ناڈو کے وزیر اعلیٰ متھو ویل کرونانیدھی نے فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان کی بات نہیں مانی گئی تو وہ بھوک ہڑتال کریں گے۔ وزیر اعلیٰ کی عمر پچاسی برس تھی، حالانکہ وہ یوگا کے معمولات اور شاید اپنی کم عمر خواتین سے شادیوں کی وجہ سے اچھی صحت میں تھے۔ کرونانیدھی ایسا شخص نہیں تھا جسے نظر انداز کیا جا سکے۔ وہ اپنی طویل فلم ساز، مصنف اور سماجی اصلاحات کی جدوجہد کے دوران خود کو منوانے میں ماہر ثابت ہوئے تھے۔ وہ مختلف میڈیا اداروں سے بھی جڑے ہوئے تھے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ ڈی ایم کے پارٹی کے سربراہ اور دراوڑی تحریک کے رہنما ہونے کے ناطے قومی پارلیمنٹ میں ایک چھوٹے لیکن فیصلہ کن گروپ کے کنٹرول میں تھے؛ وہ 1957 سے تمل ناڈو اسمبلی کے رکن بھی تھے۔ وہ طویل عرصے سے

ایل ٹی ٹی ای کے ساتھ بھی وابستہ رہے تھے۔ اگرچہ انہوں نے راجیو گاندھی کے قتل کی مذمت کی تھی، لیکن کروناندھی اکثر اور علانیہ طور پر پربھاکرن کو اپنا "دوست" کہتے رہے تھے۔ مزید برآں تمل ناڈو میں قومی انتخابات کے علاقائی مرحلے کا وقت مئی کے وسط میں تھا۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی ڈرامائی احتجاج کو بہترین وقت پر رکھا تھا تاکہ نئی دہلی کی حکومت اور کولمبو میں راجاپاکسا خاندان کو زیادہ سے زیادہ شرمندہ کیا جاسکے۔ اس خطرناک صورتحال کے پیش نظر سری لنکا کی نیشنل سیکیورٹی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا تاکہ بھارتی درخواست پر اسلحے کی طاقت کو محدود کرنے پر غور کیا جاسکے۔ بھارتی ہائی کمشنر، الوک پرساد، لالیت ویراٹونگا کے سادہ لیکن آرام دہ دفتر کے باہر ٹہل رہے تھے۔ ایسے حالات میں سری لنکنز نے اتفاق کرلیا کہ وہ اب بھی ٹائیگرز کو شکست دیں گے لیکن چھوٹے ہتھیاروں کے ساتھ۔ ویراٹونگا کے دفتر سے پرساد نے نیشنل سیکیورٹی کونسل کا میمو نئی دہلی میں وزارت خارجہ کو پڑھ کر سنایا، جسے فوری طور پر تمل ناڈو کے بھوک ہڑتال کرنے والے وزیر اعلیٰ تک پہنچایا گیا۔ یہ سری لنکا کی حکومت کے لیے ایک تاریخی فوجی فتح کے قریب پہنچنے کے لمحات تھے۔

سری لنکا اور بھارت کا مشترکہ بیان 27 اپریل کو جاری ہوا:

سری لنکا کی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے اور سری لنکن سیکیورٹی فورسز کو حکم دیا" گیا ہے کہ وہ بھاری ہتھیار، لڑاکا طیارے اور فضائی اسلحہ کا استعمال ختم کریں جو شہری ہلاکتوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ سری لنکن افواج اب صرف ان شہریوں کو بچانے کی کوشش کریں گی جو باقی رہ گئے ہیں اور انہیں بچانے کو اولین ترجیح دیں گی۔" اس بیان سے فوج کو کئی دہائیوں کی جنگ ختم کرنے کا موقع فراہم ہوا۔ فوج کے شمال اور جنوب سے گھیرے اور مشرق میں سمندر کی سخت نگرانی کے باعث، فرار کا واحد راستہ پانچ کلومیٹر چوڑے لگون کے پار تھا۔ فوج کو اپنی پھیلی ہوئی لکیروں کے پار دراندازی اور ممکنہ بڑے پیمانے پر فرار کی فکر تھی، شاید لگون کے پار۔ کچھ چھوٹے گروہ ٹائیگرز کے ابھی تک اندرون ملک زندہ تھے، جن کے پاس ہتھیار اور خوراک موجود تھی، تاکہ فرار ہونے والا گروہ ان سے مل سکے۔ فوج نے کئی مقامات پر دفاعی لکیریں قائم کر رکھی تھیں۔ شہری بھی فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے، کچھ لوگ لگون کے پار پانی میں چلتے یا تیرتے ہوئے پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فوج کو حکم دیا گیا کہ وہ شہریوں کو صرف دن کے وقت ہی قبول کرے، کیونکہ ایک رات کو مردوں کا ایک گروہ، جو خود کو شہری ظاہر کر رہا تھا، مسلح ایل ٹی ٹی ای کے درانداز نکلے۔ کچھ درانداز فوجی یونیفارم پہن

کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ایل ٹی ٹی ای کی چھوٹی کشتیاں کبھی کبھار لگون عبور کر کے دفاعی حدود کا امتحان لیتی رہیں۔ یہ لگ رہا تھا کہ 17 مئی کو طویل عرصے سے متوقع فرار ہونے والا ہے۔ کشتیاں بلیک ٹائیگرز کے ساتھ آئیں اور دو فوجی بنکرز کو اڑا دیا، جس سے اندر موجود تمام فوجی ہلاک ہو گئے۔ تقریباً 120 ٹائیگرز نے اس دراڑ میں داخل ہونے کی کوشش کی، لیکن وہ دو 12.7 ملی میٹر کی گنوں کے درمیان پھنس گئے اور سب مارے گئے۔ ان کے ڈاگ ٹیگز پر موجود نمبروں سے ظاہر ہوا کہ وہ کچھ سینئر اہلکار تھے۔ محاصرے کے آخری دنوں میں، زیادہ تر جنگجوؤں نے شدید مزاحمت کی، کچھ نے ہتھیار ڈال دیے اور کچھ نے سائینائیڈ کیپسول کھا لیے یا کبھی کبھار خود کو دھماکے سے اڑا لیا۔ اسی رات، 17 مئی کو یہ خبر ملی کہ پربھاکرن اور پٹو امن اپنے محافظوں کے ساتھ 53 ویں ڈویژن کی لائن کو توڑ کر فرار ہو گئے تھے اور ایک فوجی ایمبولینس پر قبضہ کر لیا تھا۔ گاڑی کو بھاری فائرنگ اور آر پی جی سے روکا گیا۔ ابتدائی طور پر یہ سمجھا گیا کہ دونوں ایل ٹی ٹی ای رہنما فائرنگ سے ،مارے گئے اور جلتی ہوئی گاڑی میں جل کر ہلاک ہو گئے۔ جب یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی تو فوجی کمانڈر سارا تھ فونسیکا، جو چین میں اسلحہ ساز کمپنی کے دورے سے واپس آئے تھے، نے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ٹائیگر رہنما کو فرار ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ پربھاکرن کے بارے میں افواہ تھی کہ اس کے کئی ہم شکل تھے، اس لیے اعلیٰ افسران اصلی ٹائیگر رہنما کو تلاش کرنے میں شدید

اضطراب کا شکار تھے۔ انہیں اس بات پر بھی شرمندگی تھی کہ رہنما کی مبینہ موت کا میڈیا میں افشا ہو جانا ایک غلطی تھی۔ اس کی (قبل از وقت) موت 18 مئی کو بھارتی پارلیمنٹ میں بھی اعلان کر دی گئی تھی۔ عظیم بچ جانے والا ابھی تک زندہ تھا، لیکن اب وہ محصور ہو چکا تھا۔ پیادہ، فوج نے خیموں گاڑیوں، کھودے گئے مورچوں، مرے اور زخمی شہریوں اور کارکنوں کے ملبے کی تلاشی لی۔ منظر کسی طوفانی ہوا میں برپا شیطانی دعوت کی طرح لگ رہا تھا۔ 19 مئی کو صبح کے وقت 4ویں وجے بابٹالین کی ایک گشتی ٹیم نے آخری نامعلوم علاقے کی چھان بین کی – ایک 800 میٹر لمبی اور بیس میٹر چوڑی مینگروز کی پٹی، جو بالکل جھیل کے کنارے پر تھی۔ تقریباً بیس سے تیس ہتھیاروں کی آواز مینگروز سے سنی گئی جب فوجیوں نے قریبی نظر آنے والے ایل ٹی ٹی ای کے ایک چھوٹے سے گروپ سے مقابلہ کیا۔ دو مزید آٹھ آدمیوں کی خصوصی پیادہ فوجی ٹیموں کو مینگروز کی دلدل میں بھیجا گیا۔ تین آدمیوں کو پکڑا گیا اور جلد ہی انہوں نے اعتراف کیا کہ پربھاکرن تقریباً تیس باڈی گارڈز کے ساتھ وہاں چھپا ہوا تھا۔ فوج نے دلدل پر گولیوں کی بوچھاڑ کی یہاں تک کہ وہاں سے فائرنگ بند ہو گئی۔ جلد ہی ایک ٹیم لیڈر نے پربھاکرن کی لاش کو ڈھونڈ نکالا۔ اس کی ٹھوڑی پر ہلکی سفید داڑھی کے بال یہ ظاہر کرتے تھے کہ اس نے اس صبح شیو کرنے کا وقت نہیں پایا، حالانکہ وہ اپنی صبح کی صفائی کے معمولات میں بہت محتاط تھا۔ آخر کار، وہ شاید 100,000 مسلح افراد کے تعاقب میں تھا۔ اس کی لاش

کو4ویں وجے باکے فوجیوں نے اپنے کندھوں پر اٹھالیااور پھر سینئر افسران نے اس کا معائنہ کیا۔ اس کی شناختی کارڈ پر نمبر 001 لکھا تھا، اور اس کی وردی کی جیب میں ذیابیطس کی دوا کا واٹر پروف کنٹینر تھا۔ کولمبو میں موجود ایل ٹی ٹی ای کے سابق رہنماؤں، جن میں کرنل کرونا بھی شامل تھے، کو لاش کی شناخت کے لیے بلایا گیا۔ اس کے دو مرے ہوئے بیٹوں سے موازنہ کے نمونوں کے ساتھ ڈی این اے ٹیسٹنگ تیزی سے مکمل کی گئی تا کہ یقین دہانی ہو سکے۔ 19 مئی 2009 کو صبح 9:30 بجے صدر راجاپاکسا نے قوم سے خطاب کیا اور ایل ٹی ٹی ای کی شکست کا اعلان کیا۔ چند گھنٹے بعد ایل ٹی ٹی ای کے رہنما کی موت کی تصدیق کا اعزاز جنرل فون سیکا کو دیا گیا۔ وہ یہ بیان دینے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھے لیکن وزیر دفاع نے اصرار کیا کہ یہ صدر کی واضح خواہش تھی۔ کچھ دیر بعد مردہ باغی رہنما کی خون آلود تصویریں سری لنکن ٹی وی پر دکھائی گئیں۔ اہم تصویر، جس میں پربھاکرن کی پیشانی پر گولی کے زخم کا قریب سے لیا گیا منظر تھا، دنیا بھر میں پھیل گئی۔ سرکاری موقف یہ تھا کہ اسے ایک گولی کا زخم لگا تھا جو شک کی حد تک ایک جان بوجھ کر قریب سے مارے جانے والے سر پر فائر کی طرح دکھتا تھا۔ اس کے چھوٹے بیٹے، بالاچندرن کی موت کو بھی ایل ٹی ٹی ای کے میڈیا نے قریب سے سر پر گولی) مارنے کا نتیجہ کہا تھا، اگرچہ تصویروں میں واضح سر کے زخم نہیں دکھتے تھے۔) فوج کی وضاحت یہ تھی کہ پربھاکرن کے سر کا زخم اس وجہ سے تھا کہ وہ اور اس کے آدمی گردن تک پانی میں ڈوبے ہوئے

تھے اور گشتی ٹیم نے صبح کی دھند میں تیرتے سروں پر فائر کیا تھا۔ میں نے اس فوجی کرنل سے تفصیلی بات چیت کی جس نے لاش کا کنٹرول سنبھالا تھا اور جسے اس کے آخری انتظامات سے پہلے اس کا معائنہ کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے اس واقعے کے بارے میں بات کرنے کی اجازت دی گئی اور کرنل نے تصدیق کی کہ پسلیوں کے ارد گرد بھی تین زخم تھے، جو غالباً فوجی رائفل سے لگے تھے۔ یہ اس وضاحت کے مطابق تھا کہ فوج نے مینگرووز کی گھنی دلدل میں گولیاں برسائیں تھیں، جسے میں نے بھی دیکھا تھا۔ ایک ہفتہ لگا کہ ایل ٹی ٹی ای کا بیرونی میڈیا نیٹ ورک اس کی موت کو تسلیم کرے۔ اسامہ بن لادن کی طرح، کوئی شہید کی قبر کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کی لاش کو نذر آتش کیا گیا اور اس کی راکھ کو وسیع پیمانے پر اور خفیہ طور پر بکھیر دیا گیا۔ پربھاکرن کی بیوی اور بیٹی شاید کیج کے آخری مراحل میں مارے گئے۔ اس کا بڑا بیٹا، چارلس انتھونی، بھی آخری لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے والدین، جو ستر کی دہائی میں تھے، بعد میں ایک بے گھر افراد کے کیمپ میں پائے گئے، اور حکومت نے بہت عوامی یقین دہانیاں کروائیں کہ انہیں کسی بھی طرح سے پوچھ گچھ یا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ حکومت کی سیکیورٹی فورسز نے فوجی ذرائع سے ایک داخلی بغاوت کو شکست دینے میں منفرد فتح حاصل کی۔ تاہم، جنگ ختم نہیں ہوئی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای کی جسمانی تباہی نے ایک بین الاقوامی طوفان کو جنم دیا اور اس کے بعد کئی سالوں تک ایک پروپیگنڈا جنگ جاری رہی۔ ٹائیگر بین الاقوامی نیٹ ورک

خاص طور پر اس کا میڈیا ونگ، تقریباً مکمل طور پر برقرار رہا۔ اس کے علاوہ، مقامی تملوں کو، جو ایل ٹی ٹی ای کے حامی تھے، سیاسی عمل میں شامل کیا جانا تھا۔ لاکھوں لوگوں کو ان کے سابقہ گھروں میں دوبارہ آباد کرنا تھا، اس کے بعد ایک پیچیدہ عمل جس میں جانچ اور بارودی سرنگوں کی صفائی شامل تھی۔ اس کے علاوہ، تنازعے کے اقتصادی اور سماجی اخراجات کو بھی حل کرنا تھا۔ ابھی بھی بہت کچھ باقی تھا کرنے کے لیے۔

باب چاردا ھم

فائرنگ کے بعد کی جنگ

طویل پروپیگنڈا جنگ

پربھاکرن نے امید کی تھی کہ اسے نام نہاد 'سی این این ایفیکٹ' کے ذریعے ایک آخری نجات کا موقع ملے گا۔ صدام حسین نے 1991 کی خلیجی جنگ میں اسی غلط حکمت عملی کو اپنایا تھا۔ سی این این اور بعد میں الجزیرہ کی طاقت، خاص طور پر مرنے اور مرتے ہوئے شہریوں کی تصاویر، بعض اوقات مغربی سیاست دانوں پر اثر ڈال سکتی ہیں اگر وہاں پالیسی کا خلا ہو۔ شمالی عراق میں برف میں کردوں کے بھاگنے کا منظر برطانوی وزیر اعظم جان میجر کو متاثر کر گیا، جس کے بعد انہوں نے جلدی سے ایک نو فلائی زون کا منصوبہ بنایا۔ لیکن صدام کی بعض اوقات شہریوں کی بمباری کی من گھڑت تصاویر اگلی خلیجی جنگ میں پینٹاگون کو متاثر نہ کر سکیں۔ ایک قوم جو واضح حکمت عملی پر کاربند ہو وہ میڈیا کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرے گی، نہ کہ اس کے زیر اثر آئے گی۔ عام طور پر ٹی وی تصاویر ضدی یا

پر عزم رہنماؤں کو قائل نہیں کرتیں۔ اس کے باوجود، ایل ٹی ٹی ای کے رہنما اس بات پر پر اعتماد تھے ، کہ انہیں پہلے بین الاقوامی مداخلت، جس کی قیادت بھارت کرے گا، اور پھر آخر میں برطانوی فرانسیسی یا امریکی جنگی جہازوں کے ذریعے آخری لمحے میں نکال لیا جائے گا۔ پربھاکرن نے یہ بھی توقع کی تھی کہ دنیا سری لنکن فوج کو روک دے گی۔ اس لیے قید خانے میں بند تملوں کی تکالیف کو ظاہر کرنے والی زبردست پروپیگنڈا مہم چلائی گئی۔ پربھاکرن نے اپنا داؤ ہار دیا اور مارا گیا۔ ایل ٹی ٹی ای کے آخری لمحات نے ایک نہ ختم ہونے والی سیاسی بحث کو جنم دیا کہ کتنے شہری پھنسے ہوئے تھے، کتنے زخمی یا ہلاک ہوئے، اور وہ کیسے ہلاک ہوئے–ایل ٹی ٹی ای کی فائرنگ سے یا حکومت کی فائرنگ سے؟ اور کتنے شہری دونوں جانب سے جان بوجھ کر مارے گئے؟ شہری ہلاکتوں کی تعداد اور نوعیت–جو ایل ٹی ٹی ای کے مارے گئے جنگجوؤں سے مختلف ہے–کا کبھی مکمل جواب نہیں دیا گیا۔ نندی کدل کے تالاب میں ہونے والے واقعات کے بارے میں جنگی جرائم کے الزامات آج بھی موجود ہیں۔ فوج کے لیے شہریوں کو مارنے کا کوئی حربی–یا اخلاقی–جواز نہیں تھا، جبکہ ایل ٹی ٹی ای کا ایک واضح اور بے حس مقصد تھا کہ شہری ہلاکتوں کو اپنی پروپیگنڈا جنگیں جیتنے اور فوجی پیش قدمی کو روکنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ دوسری طرف، میڈیا اور اقوام متحدہ کے مبصرین پر پابندیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کولمبو کے پاس کچھ چھپانے کے لیے تھا۔ قید خانے میں مرنے والے شہریوں کی تعداد پر بار بار بحث کی گئی ہے۔

حکومت نے اصرار کیا کہ زیادہ سے زیادہ تعداد 3,000 تھی، جو کہ دونوں طرف سے استعمال ہونے والی زبردست فائر پاور کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر معقول لگتی ہے۔ نقادوں جیسے کہ گورڈن ویز نے اپنی کتاب "دی کیج" میں یہ تعداد 10,000 سے 40,000 کے درمیان بتائی، جو برطانیہ کے چینل فور نیوز کی ایک سیریز کی دستاویزی فلموں میں استعمال ہونے والی ایک بہت وسیع تخمینی تعداد ہے۔ یہ اقوام متحدہ اور ریڈ کراس کی جانب سے پیش کردہ کم تعداد سے متصادم ہے۔ کچھ آزاد ہندوستانی صحافیوں نے اندازہ لگایا کہ جنوری سے مئی کے دوران ہلاک ہونے والے شہریوں کی تعداد تقریباً 18,000 سے 25,000 کے درمیان تھی۔ حکومتی ماہرین نے اعداد و شمار کا بغور جائزہ لیا، بے گھر افراد کے ساتھ تفصیلی انٹرویوز کیے اور یہ معلوم کیا کہ اس علاقے میں پہلے کتنے لوگ موجود تھے۔ انہوں نے، کچھ جواز کے ساتھ، کچھ بیرونی تنظیموں کے تخمینوں کی غلطیوں کو اجاگر کیا۔ کولمبو اکثر ان پانچ تمل ڈاکٹروں کے مبالغہ آرائی پر مبنی اعداد و شمار کا حوالہ دیتا تھا جو قید خانے کے آخری اسپتالوں میں کام کر رہے تھے، جنہوں نے بعد میں اعتراف کیا کہ انہیں ایل ٹی ٹی ای نے اعداد و شمار گھڑنے پر مجبور کیا تھا۔ فائر بندی کے علاقوں کے استعمال اور پوزیشننگ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ ویز نے دو بڑے علاقوں کے بارے میں لکھا، جبکہ حکومت نے بھارتی دباؤ کے تحت پانچ ایسے علاقوں کا یکطرفہ اعلان کیا تھا۔ ویز نے فوج پر ان علاقوں میں توپ خانے سے فائرنگ اور شہریوں کو مارنے کا الزام لگایا، یہاں تک کہ

جب اقوام متحدہ کی تنصیبات اور اسپتالوں کے مقامات فراہم کیے گئے تھے۔ دوسری طرف، ان علاقوں، خاص طور پر اسپتالوں کے قریب، سے ٹائیگرز کے فائرنگ کے شواہد کافی تھے۔ ویز نے دعویٰ کیا کہ قید خانے میں زیادہ سے زیادہ 1,500 سخت جان ٹائیگر جنگجو بچ گئے تھے اور محاصرے میں موجود دیگر جنگجو زیادہ تر جبری بھرتی شدہ بچے یا بالکل نئے گوریلا تھے۔ یہ سچ ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے تو وہ قانونی یا جائز ہدف تھے۔ مزید برآں، ویز نے حکومت پر "توپ خانے کے بے تحاشا استعمال" کا الزام لگایا، لیکن ساتھ ہی انہوں نے اس بات کی تفصیل سے وضاحت کی کہ بہت سے عام فوجیوں نے اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر تمملوں کو ایل ٹی ٹی ای سے بچنے میں مدد کی۔ ویز نے لکھا، "محاذ پر لڑنے والے فوجیوں نے خوفزدہ شہریوں کو اپنے راشن دیے، جو مکمل طور پر توقع کر رہے تھے کہ انہیں فاتح سنہالی فوجیوں کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا۔" ویز نے آخری صورتحال کا خلاصہ اس طرح پیش کیا: 2009 کے پہلے پانچ مہینوں کے دوران تقریباً 160,000 فوجی، ملاح اور ،فضائیہ کے اہلکار 2,000 سے 5,000 ٹائیگر جنگجوؤں کے ایک بنیادی دستے کے خلاف صف آراء تھے جو تقریباً 330,000 شہریوں کے درمیان چھپے ہوئے تھے۔ 16 ہفتے کے اس محاصرے میں 10,000 سے 40,000 افراد ہلاک ہوئے۔ اگر سری لنکا کے اس معاملے کا غزہ کے ساتھ موازنہ کیا جائے اور اعداد و شمار کو اس نقطہ نظر سے بڑھایا جائے، تو فلسطینی آبادی میں اسی طرح کا جانی نقصان 50,000

سے 200,000 افراد کے درمیان ہوتا۔ ان حالات اور اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ ٹائیگر قیادت زمین اور سمندر کی سخت ناکہ بندی میں پھنس چکی تھی، ویز نے سوال کیا کہ کیا مسلح افواج کے مکمل بمباری' کے متبادل میں کوئی کم مہنگا راستہ ہو سکتا تھا؟ حکومت کا واضح جواب یہ ہوتا کہ اگر آخری' لمحے میں کسی طرح انسانی ہمدردی پر مبنی جنگ بندی کی جا سکتی، تو ایل ٹی ٹی ای کی قیادت فرار ہونے اور پھر اپنی مہم کو دوبارہ زندہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی، چاہے جلاوطنی سے ہی کیوں نہ ہو۔ کولمبو نے ایک بار ہمیشہ کے لیے فوجی خطرے کو ختم کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ کچھ انخلا تو ہوا، مثال کے طور پر آئی سی آر سی کے ذریعے ساحل سے آخری فائر زون سے 18,000 بیمار اور زخمیوں کو سمندری راستے سے نکالا گیا۔ اس لیے شاید مزید اقدامات کیے جا سکتے تھے، لیکن ممکنہ طور پر کولمبو پر کامیکاز ہوائی حملے ایل ٹی ٹی ای کی سوچ کی زیادہ عکاسی کرتے تھے بجائے اس کے کہ تامل شہریوں کو بچانے کی کوئی کوشش ہو۔ کولمبو بھی ضدی ہو سکتا تھا۔ ویز، کے مطابق، اس نے سویڈن کی ثالثی کی کوششوں کو مسترد کر دیا جب اس نے معروف سابق وزیر اعظم کارل بلڈٹ کو ملک میں داخلے سے روک دیا۔ حکومت نے باضابطہ طور پر اس بات کو مسترد کر دیا کہ وہ کیج میں بھاری ہتھیار استعمال کر رہی تھی۔ ویز کا اصرار تھا کہ حکومت نے آخری مرحلے میں 'ہوائی حملے، توپ خانہ اور کثیر بیرل راکٹ' کا استعمال کیا، جو 2004 کے سونامی کے بعد بین الاقوامی تنظیموں کے ذریعے تعمیر کیے گئے ایک درجن مضبوط گھروں کے

جھرمٹ میں تھا۔ لیکن اگر حکومت اس کے استعمال کو تسلیم بھی کرتی، تو اس کا ڈرون اور جدید چینی انسداد بیٹری ٹیکنالوجی بالکل درست ہوتی اور بچ جانے والی ٹائیگر بھاری توپوں کو خاموش کرنے کے لیے کوئی 'بلنڈربس' نہ ہوتی۔ جنرل فون سیکا نے 'دنیا کی سب سے بڑی یرغمال بچاؤ آپریشن' کا حوالہ دیا۔ سیکرٹری، جو ہمیشہ اسرائیلی فوجی انداز کے مداح تھے، کا ماننا تھا کہ سری لنکا 1976 میں یوگنڈا کے انٹیبے ہوائی اڈے پر تقریباً بغیر خونریزی کے ہونے والے ریسکیو کو دہرا سکتا ہے۔ محاذ پر سری لنکن فوجیوں نے شہریوں کی مدد کے لیے بہت کچھ کیا، جن میں سے بہت سے ایسے تھے جنہوں نے شاید اس سے پہلے کبھی سنہالیوں سے ملاقات نہیں کی تھی اور ان کا برین واش کیا گیا تھا کہ انہیں فوراً قتل یا عصمت دری کر دی جائے گی۔ شہریوں کو، ہتھیاروں اور ٹائیگر کے ساتھ تعلقات کے لیے اسکریننگ کے بعد، دوبارہ آبادکاری کے کیمپوں میں لے جایا گیا۔ حکومت نے ابتدا میں اقوام متحدہ اور ریڈ کراس کی امداد کو مسترد کر دیا، لیکن آخر کار جب تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو کولمبو نے مدد قبول کر لی۔ جبکہ زیادہ تر ٹائیگر رہنما آخری دم تک لڑے، کئی سینئر سول رہنماؤں، جن میں ناڈیسن اور پلو دیون شامل تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سیٹلائٹ فون کا استعمال کرتے ہوئے ہتھیار ڈالنے کی کوشش کی۔ بین الاقوامی ثالثوں اور تامل نیشنل الائنس کے ارکان پارلیمنٹ کی مدد سے، انہوں نے 18 مئی کی صبح ایک سفید جھنڈے کے ساتھ ہتھیار ڈالنے کا انتظام کیا۔ ایک درجن مرد اور خواتین فوجی افسران سے ملنے کے

لیے مقررہ مقام پر آگے بڑھے۔ ویز کے مطابق، فوج نے انہیں بے دردی سے گولی مار دی۔ ناڈیسن کی بیوی، جو کہ ایک سنہالی تھی، نے اپنی مادری زبان میں فوج سے چیخ کر کہا، 'وہ ہتھیار ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے اور تم اسے گولی مار رہے ہو۔' سفید جھنڈے سے ہتھیار ڈالنے کے ناکام معاہدے کا تنازعہ ستم ظریفی یہ ہے کہ جنرل سارتھ فون سیکا نے اپنی ناکام سیاسی مہم میں اپنے سابق کمانڈر ان چیف کو برطرف کرنے کے لیے اٹھایا تھا۔ فون سیکا اس پوری کہانی میں سب سے دلچسپ کرداروں میں سے ایک تھے۔ وہ 1970 میں 20 سال کی عمر میں امن کے زمانے میں فوج میں شامل ہوئے۔ ان کی ذاتی بہادری کو بارہا بہادری کے ایوارڈز سے نوازا گیا۔ اپنے ساتھی کرنل، اور بعد میں اپنے دشمن، گوٹابایا راجاپاکسا کے ساتھ، انہوں نے 1993 میں جافنا قلعے کا محاصرہ ختم کیا۔ سیکرٹری دفاع کی درخواست پر وہ دسمبر 2005 میں آرمی کمانڈر بنے اور زمینی طور پر ایل ٹی ٹی ای کو کچلنے کی نگرانی کی۔ انہیں نہ صرف ایل ٹی ٹی ای کے خلاف بے رحمانہ کارروائی بلکہ اپنی ہی فوج میں ایک سخت ڈسپلنری کی حیثیت سے شہرت ملی۔ انہیں اپنے جوانوں کی طرف سے یکساں طور پر محبت اور خوف کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک معروف مثال انفنٹری کے جوانوں میں استعمال ہونے والا مشہور جملہ ہے، 'بہتر جانی سے فونی'۔ فونی کمانڈر کا عرفی نام تھا؛ 'جانی' بارودی سرنگ کا عام نام تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ آگے بڑھ کر بارودی سرنگ سے موت کا خطرہ مول لینا بہتر ہے بجائے اس کے کہ پیش قدمی نہ کرنے پر کمانڈر کے غضب کا

سامنا کرنا پڑے۔ ان کی فوجی مہارتیں ہمیشہ ان کے ذاتی تعلقات کی مہارتوں سے ہم آہنگ نہیں تھیں: 'فونی' ایک مشکل آدمی تھے، اور وہ عداوت پالنے کے عادی تھے۔ اپنے پرانے اسکول کے دوست وسنتھا کرنانا گودا، جو بعد میں بحریہ کے کمانڈر بنے، کے ساتھ ان کا طویل جھگڑا قومی سلامتی کونسل میں ایک مستقل مسئلہ تھا۔ بحریہ کے کمانڈر ٹائیگر کے کبوتروں کے جہازوں کو تباہ کرنے کے لیے نیلے پانی کی حکمت عملی سمیت کئی جدتوں کے ذمہ دار تھے۔ لیکن دونوں مرد حکمت عملی کے معاملات پر متفق نہیں تھے اور یہاں تک کہ فوج اور بحریہ کے درمیان بنیادی رابطہ کاری بھی اس کا شکار ہوئی۔ آخری سخت جنگ میں فوج کی بحری چھوٹی کشتیوں کی مدد لینے میں ناکامی یا انکار اس کی ایک مثال ہے۔ فونسیکا نے اپنے کچھ سابقہ فوجی حمایتیوں کو بھی ناراض کیا۔ جنگ کے بالکل آخری مرحلے میں اس نے کمانڈ کے عہدے تبدیل کر دیے - جو لوگ 2006 سے محاذ پر اپنی یونٹوں کی کمان کر رہے تھے، انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں فتح کے آخری دنوں میں اپنے آدمیوں کی قیادت سے محروم کر دیا ، گیا تھا۔ فونسیکا نے انہیں اپنے پسندیدہ افسران سے بدل دیا۔ یہاں تک کہ جنگ کے خاتمے سے پہلے نیشنل انٹیلیجنس کے سربراہ، کپیلا ہنداویتھرانا نے نجی طور پر صدر کو خبردار کیا تھا کہ انہیں لگتا ہے کہ فونسیکا خطرناک ہے، اور یہ کہ وہ شاید راجاپاکسا کو ہٹانے کے لیے بغاوت منظم کر سکتے ہیں۔ ابتدائی طور پر، فونسیکا کو حکومت نے مطمئن کیا—وہ پہلے حاضر سروس افسر بن گئے جنہیں چار ستاروں کا رینک ملا اور

پھر انہیں چیف آف ڈیفنس اسٹاف بنا دیا گیا۔ انہوں نے اسے درست طور پر تنزلی سمجھا کیونکہ وہ اب ،فوج پر براہ راست اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔ ابھی وردی میں ہی، راجاپاکسا کے واقعات کے مطابق فونسیکا نے "کیج" میں کچھ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر تنقید کی، بشمول وائٹ فلیگ واقعے کے۔ فونسیکا نے ایل ٹی ٹی ای کو محفوظ راستہ دینے کے معاہدے سے لاعلمی کا دعوی کیا، اور پھر گوٹابایا راجاپاکسا پر فائرنگ کا حکم دینے کا الزام لگایا۔ سیکریٹری نے الزام کی تردید کی اور بعد میں مجھے بتایا کہ فونسیکا کی بغاوت، اگرچہ جنرل کے سیاسی مخالفین کی طرف سے افواہیں پھیلائی گئی تھیں، ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ 'صدر کو بغاوت کا خوف نہیں تھا کیونکہ میں وہاں تھا۔ وہ صدر اور وزیر دفاع تھے - اگلا قدم میں تھا۔ یہ 1962 کی بغاوت کی کوشش سے بالکل مختلف تھا۔' معاملات اس وقت بگڑ گئے جب فونسیکا نے اعلان کیا کہ وہ 2010 کی صدارتی مہم میں مہندا راجاپاکسا کے اہم حریف کے طور پر کھڑے ہوں گے۔ حالانکہ سابق جنرل نے دعویٰ کیا کہ وہ کسی پارٹی سے وابستہ سیاستدان کے طور پر کھڑے ہو رہے ہیں، وہ اپوزیشن جماعتوں کے ایک عجیب امتزاج، بشمول یونائیٹڈ نیشنل پارٹی اور جے وی پی کے مشترکہ امیدوار بن گئے۔ یہاں تک کہ تامل نیشنل الائنس (ٹی این اے) نے بھی بے دلی سے اس شخص کو فرنٹ مین کے طور پر قبول کر لیا جسے عام طور پر "ٹائیگرز کا ہتھوڑا" سمجھا جاتا تھا۔ اس عجیب تضاد کو تسلیم کرتے ہوئے، ٹی این اے کے پارٹی رہنما نے کہا: 'اس صورت میں، یہ وہ شیطان ہے جسے

ہم نہیں جانتے۔' پرانے اسکول کے دوست - اسکول اکثر پیشہ ورانہ اور سیاسی اتحادوں کا مرکز ہوتے تھے - فونسیکا سے دوبارہ غور کرنے کی التجا کرتے ہوئے جانتے تھے کہ راجاپاکسا خاندان سجے ہوئے افسر کی سیاسی پیش قدمی کو حتمی غداری سمجھے گا۔ شامل ہونے والے ایک پرانے اسکول دوست نے سادگی سے کہا، 'وہ ایک عظیم فوجی تھا لیکن یہ اس کے سر میں چلا گیا۔' انہیں واشنگٹن سمیت اعلیٰ سفارتی عہدوں کا انتخاب بھی پیش کیا گیا تھا۔ فونسیکا نے انکار کر دیا، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اپوزیشن جماعتوں کے ساتھ ان کا اتحاد اور جنگ جیتنے والے شخص کے طور پر ان کی بے پناہ عوامی مقبولیت انہیں سیاسی فتح دلائے گی تاکہ ان کی فوجی فتح کا تاج پہنایا جا سکے۔ 1945 کے عام انتخابات میں ونسٹن چرچل کی طرح وہ غلط ثابت ہوئے۔ ملک کی تاریخ کے سب سے زیادہ زہریلے انتخابات میں سے ایک میں وہ بری طرح ہار گئے۔ جنوری 2010 میں مہندا راجاپاکسا نے صدارتی مہم بڑے مارجن سے جیتی، حالانکہ فونسیکا نے نتائج کو مسترد کر دیا۔ اپریل 2010 میں، راجاپاکسا کی حکمران جماعت نے پارلیمانی انتخابات میں بھی بھاری اکثریت حاصل کی۔ اسی پارلیمنٹ نے بعد میں ایک آئینی ترمیم کے حق میں ووٹ دیا جس سے صدر کو غیر معینہ مدت تک عہدہ رکھنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔ راجاپاکسا خاندان نے خود کو ایک ناقابل تسخیر پوزیشن میں ڈال دیا تھا۔ پھر فونسیکا کے دشمن آگے بڑھے۔ سابق اتحادیوں کے درمیان بدھ مت کی ہمدردی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ فونسیکا نے دھاندلی پر سخت آواز میں شکایت

کی، اور کہا، ' یہاں کوئی جمہوریت نہیں ہے۔ یہ حکومت قاتلوں کی طرح برتاؤ کر رہی ہے۔ ' انہوں نے مزید کہا کہ راجاپاکسا نے ان کے قتل کی منصوبہ بندی کی تھی۔ صدر کے اتحادیوں نے مہندا راجاپاکسا اور ان کی اہلیہ شیرانتی کو قتل کرنے کی فونسیکا کی مبینہ سازش کے الزامات ظاہر کر کے جوابی کارروائی کی۔ فونسیکا کو سول جرائم (اسلحہ کی خریداری میں کرپشن) اور فوجی قانون کی خلاف ورزیوں (وردی میں رہتے ہوئے فوج کے بارے میں منفی افواہیں پھیلانے) کے الزامات میں مجرم قرار دیا گیا۔ انہیں تین سال قید کی سزا سنائی گئی، اور وہ مئی 2012 میں رہا ہوئے۔ ملک کے بہت سے لوگ انہیں ایک سیاسی قیدی سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ الزامات جھوٹے تھے۔ 2009 کی جیتنے والی 'خوابوں کی ٹیم 'کا ٹوٹنا بچ جانے والی ایل ٹی ٹی ای کی بین الاقوامی پروپیگنڈا مشین کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا۔ ایل ٹی ٹی ای کچھ وقت کے لیے انکار میں تھا، یہاں تک کہ یہ تجویز کرنے تک کہ ان کا رہنما زندہ بچ گیا تھا۔ ڈائسپورا کے کارکنوں میں اس بات پر تقسیم تھی کہ آیا مسلح جدوجہد کو جاری رکھا جائے یا پرامن سیاسی راستہ اختیار کیا جائے۔ ایل ٹی ٹی ای کے خزانے میں موجود لاکھوں امریکی ڈالر مایوس ایلام حامیوں نے ہڑپ لیے۔ کچھ نے جلاوطنی میں ایک پارلیمنٹ اور حکومت تشکیل دی اور مہم جاری رکھی، مؤثر طریقے سے، کیونکہ سری لنکا کی حکومت کو بین الاقوامی انسانی حقوق کے مہم چلانے والوں نے نمایاں کیا۔

ڈیسمنڈ ٹوٹو، جمی کارٹر اور کوفی عنان جیسے مشہور شخصیات نے کہا کہ سری لنکن انسانی حقوق کے کارکنوں، صحافیوں اور سیاسی مخالفین کے ساتھ ہونے والی ظلم و ستم اور گمشدگی 'واقعی خوفناک' ہے۔ ٹوٹو نے 'عالمی سطح پر بہری خاموشی' کی بات کی۔ بین الاقوامی ناقدین نے دعویٰ کیا کہ شمال اور مشرق میں شکست خوردہ تملوں کے حقوق کو نظر انداز کیا جارہا ہے، خاص طور پر جب کہ فوجی اڈے اور سنہالی بولنے والے بستیوں کو سابق ٹائیگر علاقوں میں حکمت عملی کے تحت آباد کیا جارہا ہے۔ ویس نے اسرائیلی کے بجائے یوگوسلاوی طرز کی نسلی صفائی' کے بارے میں لکھا، لیکن بین الاقوامی دنیا کی' آنکھیں سری لنکا کی سازشوں سے اندھی تھیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ کولمبو کی ناقص جمہوریت ایک اشرافیہ خاندان کی حکومت بن گئی تھی، جو سنہالی بالادستی کے عقیدے اور بدھ مت کے بنیاد پرستی سے متاثر تھی۔ یورپی یونین نے خبردار کیا تھا کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے الزامات کی بنا پر ملک کی ترجیحی تجارتی حیثیت معطل کر دی جائے گی۔ اپریل 2011 میں اقوام متحدہ نے ایک رپورٹ جاری کی جس میں شہریوں کے خلاف مظالم کے لیے خانہ جنگی کے دونوں فریقوں کی مذمت کی گئی اور ممکنہ جنگی جرائم کی بین الاقوامی تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ جیتنے کی خوشی کے بعد، نو منتخب راجاپاکسا حکومت بین الاقوامی مذمت سے واقعی حیران تھی اور خاص طور پر دولت مشترکہ میں ملک کے کردار کو کم کرنے کی کوششوں سے حساس تھی۔ صدر نے اپنا کیریئر ایک انسانی

حقوق کے وکیل کے طور پر شروع کیا تھا، سری لنکا اور بیرون ملک دونوں میں۔ اس لیے فلسطینی حقوق کے لیے ان کی ابتدائی حمایت، حالانکہ ان کی حکومت بعد میں اسرائیلی فوج کے ساتھ تعلقات میں چلی گئی تھی۔ انہیں بالآخر اقوام متحدہ اور دولت مشترکہ کے دیگر رہنماؤں کے ساتھ ذاتی طور پر اپنے انسانی حقوق کے ریکارڈ کا دفاع کرنا پڑا۔ صدر اکثر اپنے قریبی لوگوں سے شکایت کرتے تھے کہ داخلی اقتصادی ترقی پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے، جلاوطنی سے بین الاقوامی سطح پر الزامات اور اقوام متحدہ کی تنقید ان کا زیادہ تر وقت لے لیتی ہے۔ حکومت خاص طور پر لندن میں چینل فور نیوز کی طرف سے نشر ہونے والی رپورٹس کی سیریز سے ناراض تھی جو دیگر میڈیا میں، خاص طور پر آسٹریلیا اور کینیڈا جیسے دولت مشترکہ ممالک میں بھی نمایاں ہوئیں۔ حکومت نے عام اقدامات کیے۔ اس نے اپنی شبیہ کو بہتر بنانے کے لیے مغرب میں ایک مہنگی پی آر کمپنی، بیل پوٹنگر کی خدمات حاصل کیں۔ لیکن یہ اس وقت الٹا پڑ گیا جب برطانوی قومی اخبارات میں اس معاہدے کی تفصیلات شائع ہوئیں۔ کولمبو نے اپنے گھر کو بھی ترتیب دینے کی کوشش کی۔ ٹائیگرز پر فتح کی پہلی سالگرہ کے موقع پر، حکومت نے 'اسباب اور مفاہمت کے اسباق کمیشن' (ایل ایل آر سی) کے قیام کا اعلان کیا۔ اسے جزوی طور پر اندرونی دباؤ کی وجہ سے، لیکن اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی مستقل مصروفیت کے نتیجے میں بھی قائم کیا گیا تھا۔

میڈیا کی گہما گہمی کے درمیان، زمینی صورتحال میں اصل میں کیا ہو رہا تھا، خاص طور پر ان تمل شہریوں کے ساتھ جو 'کیج' سے بچ گئے تھے؟ اتنی زیادہ جنگ کے بعد، امن کے فروغ کے لیے کیا کیا جا رہا تھا؟

باب پانزداھم

امن کی تعمیر

نندیکادل لگون کے ڈرامے کے بعد باقی مسلح گروپوں کو قابو کرنا بہت تیزی سے مکمل ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے گروپس نے جنگل کے الگ تھلگ علاقوں میں ایک ماہ سے بھی کم وقت تک لڑائی کی۔ ان کی جنونیت کے باوجود، ٹائیگرز نے جاپانیوں کی طرح جنگ کے بعد مزاحمت نہیں کی جیسا کہ 1945 میں ان کی شکست کے بعد ہوا تھا۔ اس کے بعد، کولمبو کے مطابق، ایک بھی قابل ذکر فوجی واقعہ پیش نہیں آیا، جو اتنے طویل اور خونریز تصادم کے بعد بہت غیر معمولی بات تھی۔ اتحادیوں کو مئی 1945 کے بعد جرمن 'ویروولفز' کی طرف سے بہت زیادہ سرگرمی کی توقع تھی، لیکن مسلح مزاحمت زیادہ سامنے نہ آسکی۔ القاعدہ جیسے ڈھیلے تنظیمی ڈھانچے کے برعکس، ایل ٹی ٹی ای (لبریشن ٹائیگرز آف تمل ایلام) بہت زیادہ مرکزی اور منظم تھی۔ جب اس کی قیادت تقریباً مکمل طور پر تباہ ہوگئی تو کچھ تاملوں نے بے دلی سے نیا رہنما تسلیم کیا، جس کی وجہ سے شمال میں نالاں تامل اپنی شکایات اور جھگڑوں کے حل کے لیے فوج کی طرف رجوع کرنے لگے۔ بعض اوقات پچھلی ذہن سازی نئے نظام کے ساتھ مطابقت پیدا

کرنے میں مدد کر سکتی ہے۔ جنگ کے بعد دہشت گردی کی عدم موجودگی کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ 'کلیئرڈ ایریاز' اور کولمبو میں بڑی تعداد میں سیکیورٹی کی موجودگی بہت مستعد تھی۔ ٹائیگرز کا بین الاقوامی نیٹ ورک بیرون ملک زندہ رہا، اگرچہ اس میں قیادت کے حوالے سے مختلف دعوے کیے گئے کہ پربھاکرن کے بعد کون اقتدار سنبھالے گا اور آیا مسلح جدوجہد کو بالآخر ترک کر دیا جائے یا نہیں۔ کے پی (کومنداپتی) جو کوالالمپور میں مقیم تھا، نے قیادت کا دعویٰ کیا، لیکن اسے ان سخت گیر لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جو جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے۔ 5 اگست 2009 کو انہیں ملائشیا سے گرفتار کیا گیا اور سری لنکن انٹیلیجنس ٹیم کے ذریعے عارضی طور پر بینکاک لے جایا گیا۔ وہ پرواز کے دوران ہتھکڑیوں میں جکڑے اور آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے تھے اور اس دوران بدترین انجام کی توقع کر رہے تھے۔ 6 اگست کی رات دیر گئے انہیں کولمبو میں گوتابایا راجاپاکسا کے نجی گھر میں اتارا گیا، جو ان کے بدترین دشمن تھے۔ وزیر دفاع کے مضبوط قلعہ نما گھر کے داخلی راستے پر ایک چھوٹا سا بدھ مت کا مندر بنا ہوا تھا جس نے کے پی کے خوف کو کم کر دیا۔ انہوں نے دل ہی دل میں کہا، "یہ ایک مذہبی آدمی ہے؛ یہ مجھے نہیں مارے گا۔" ابتدائی ناگواری کے بعد دونوں افراد نے تقریباً دو گھنٹے تک انگلش زبان میں جنگ کے بارے میں خوشگوار گفتگو کی، اس کے بعد کے پی کو آرام دہ نظر بندی میں رکھا گیا۔ ،ان کے مرکزی انٹیلیجنس اہلکار، جنہوں نے اگلے دو سالوں میں ٹائیگر لیڈر سے پسندیدگی پیدا کرلی

کے باوجود کے پی سے ان کی چھپائی ہوئی دولت کے راز نہ حاصل کر سکے۔ معاشرتی اور اقتصادی نقصانات کا ازالہ بہت بڑا کام تھا۔ کچھ تخمینوں کے مطابق جنگ میں 100,000 افراد کی ہلاکت ہوئی تھی، جن میں مرد، عورتیں، بچے، فوجی، مسلح گروپوں کے کارکن اور عام شہری شامل تھے۔ اس میں سے زیادہ ٹائیگرز اور 23,327 حکومتی فوجی اور پولیس اہلکار شامل تھے جو 1981 سے مارے 27,000 گئے تھے۔ بھارتی فوجیوں کی ہلاکتوں کی تعداد 1,155 تھی۔ ایلام جنگ چاروم کے آخری مرحلے میں سکیورٹی اہلکار، جن میں 190 افسران شامل تھے، ہلاک ہوئے۔ ٹائیگرز کی ہلاکتوں کی تعداد 5,224 تقریباً 22,000 اور 9,000 کو قید کیا گیا۔ جنگ کے آخری پانچ ماہ میں شہریوں کی ہلاکتوں کی تعداد پر تنازع ہے۔ حکومتی اعداد و شمار کے مطابق 1983 سے جنگ کے خاتمے تک، ایل ٹی ای نے شہریوں کو نشانہ بناتے ہوئے 200 بڑے حملے کیے، جن میں 4,000 سے زائد شہری مارے گئے۔ اب سری لنکن بغیر کسی خوف کے بسوں اور ٹرینوں پر سفر کر سکتے تھے۔ پہلے یہ معمول تھا کہ میاں بیوی الگ الگ سفر کریں تاکہ کسی حملے کی صورت میں کم از کم ایک زندہ بچ جائے اور بچوں کا خیال رکھ سکے۔ ملک بھر میں، خاص طور پر کولمبو میں، عام لوگ بحیثیت خاندان سفر کرنے کے موقع سے خوش تھے۔ یہ فوری طور پر امن کا ایک انعام تھا۔

جنگ کی اقتصادی قیمتوں کے حوالے سے مختلف تخمینے ہیں، لیکن ایک سری لنکن اندازے کے مطابق کل لاگت 4.2 بلین ڈالر تھی۔ یہ تخمینہ کچھ کم معلوم ہوتا ہے۔ ایک اور زیادہ مستند مقامی بینکنگ ذرائع کے مطابق، حکومت نے 2006-09 کے دوران دفاع پر جی ڈی پی کا 4 فیصد، تقریباً 5.5 بلین ڈالر خرچ کیے۔ مغربی دفاعی ماہرین نے اس سے بھی زیادہ یعنی حکومت کے کل اخراجات کا 20 فیصد تک کا تخمینہ لگایا۔ جب میں نے سیکرٹری سے جنگ کی لاگت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے تفصیلات کے بارے میں محتاط انداز اپنایا۔ "برطانیہ کو اپنی دوسری جنگ عظیم کے قرضے ادا کرنے میں پچاس سال سے زیادہ کا وقت لگا، تمہیں اپنے قرضے ادا کرنے میں کتنا وقت لگے گا؟"

گوٹابایا راجاپاکسا نے دفاعی انداز میں ہنستے ہوئے کہا، "بہت زیادہ وقت۔" امن کا سب سے بڑا فوری مسئلہ مہاجرین کا بحران تھا۔ اس بحران سے نمٹنے کے لیے ایک 'صدارتی ٹاسک فورس' تشکیل دی گئی تھی، لیکن زیادہ تر بھاری کام فوج نے بین الاقوامی تنظیموں کے ساتھ مل کر کیا۔ لڑائی کے آخری مرحلے میں 300,000 سے زائد افراد بے گھر ہو گئے تھے۔ ان میں سے کئی کو واوونیا ضلع میں منتقل کیا گیا۔ کولمبو کے ناقدین کے مطابق انہیں ان کی مرضی کے خلاف رکھا گیا تھا اور اکثر حالات بھی ناقص تھے۔ حکومت نے جواب دیا کہ انہیں جنگجوؤں اور بے گناہ شہریوں کو الگ کرنا تھا اور بہت سے لوگوں

کو ان کے دیہاتوں میں واپس نہیں بھیجا جا سکتا تھا کیونکہ ٹائیگرز نے بے ترتیب جگہوں پر بارودی سرنگیں بچھا رکھی تھیں۔ کولمبو نے وعدہ کیا کہ وانی کی لڑائی سے بے گھر ہونے والے 300,000 افراد میں سے اکثریت اور پچھلی لڑائیوں سے 70,000 دیگر افراد کو 180 دن کے اندر ان کے آبائی علاقوں میں واپس بھیج دیا جائے گا۔ حیرت انگیز طور پر حکومت نے تقریباً اپنا وعدہ پورا کر لیا۔ 2011 کے آخر تک صرف چند ہزار افراد کیمپوں اور نام نہاد 'فلاحی بستیوں' میں رہ رہے تھے، اور ان میں سے بیشتر مولاٹیو ضلع سے تھے جو سب سے زیادہ بارودی سرنگوں کا شکار تھا۔ ایشیا اور افریقہ میں زیادہ تر مہاجر کیمپ مستقل بدحالی کا شکار ہو جاتے ہیں، لیکن کولمبو کا فوجی آبادکاری پروگرام شاید اتنا ہی مؤثر تھا جتنا کہ اس کی جنگی کارکردگی۔ یہ تجزیہ انٹرنلی ڈسپلیسڈ پیپل (آئی ڈی ایف) کیمپوں اور سابق جنگجوؤں کے بحالی مراکز کے میرے دوروں پر مبنی ہے۔ میں نے گال کے قریب ایک جیل کا بھی دورہ کیا جہاں ایل ٹی ٹی ای کے سخت گیر فوجی شہری عدالت کے مقدمات کا انتظار کر رہے تھے۔ (سری لنکا میں سزائے موت نہیں ہے، لیکن عمر قید برطانیہ کے مقابلے میں اتنی مختصر نہیں ہے۔ بوسا جیل مختصر مدت کے سیاسی قیدیوں کے لیے تھی؛ یہاں سگریٹ نوشی، شراب اور ٹی وی کی اجازت نہیں تھی، جو کسی بھی برطانوی جیل میں فسادات کا سبب بن سکتی تھی۔) تامل رہنماؤں نے ٹائیگرز کے جنگی قیدیوں کے لیے عام معافی کا مطالبہ کیا، لیکن پولیس نے 2012 کے اوائل میں تقریباً 1,500 جنگجوؤں کو حراست

میں رکھا ہوا تھا۔(2005 سے 2010 کے دوران سول عدالتوں اور کورٹ مارشل میں 16 سری لنکن فوجی اہلکاروں کو ریپ، قتل اور دیگر جرائم کے مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ کم تعداد فوجی نظم وضبط اور انسانی حقوق کی تربیت کی کامیابی کی نشاندہی کرتی ہے یا قانون کے نفاذ میں نرمی کی، یہ ایک کھلا سوال ہے۔) میں نے بارودی سرنگوں کی صفائی کی سرگرمیاں بھی دیکھیں، اور اکثر مقامات کا انتخاب میں نے اچانک کیا تاکہ کسی 'بناوٹی منظر' میں نہ پھنس جاؤں۔ جنگ سے انسانی ہمدردی کی کارروائیوں میں منتقلی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے، جو جدید نیٹو افواج کے لیے تو مانوس ہوتا ہے لیکن ترقی پذیر ممالک کی افواج کے لیے بہت کم رائج ہوتا ہے۔ فوج میں ایک تیز رفتار اور مختصر مدت کی تربیتی پروگرام نافذ کیا گیا، جس کے دوران کچھ فوجیوں نے سوال کیا کہ انہیں لڑنے کی تربیت دی گئی تھی، اب وہ شہری تعمیراتی کاموں میں کیوں وقت صرف کر رہے ہیں۔ فوج کو عارضی مہاجرین کے لیے رہائش کی بڑی تعداد میں ضرورت کا سامنا کرنا پڑا، جس میں ابتدا میں خیمے اور پھر صحت وصفائی کی ضروریات شامل تھیں۔ کولمبو نے این جی اوز، بشمول انٹرنیشنل ریڈ کراس (آئی آر سی ایس)، کی مدد سے خاندانوں کو دوبارہ ملانے ایس کے گروپ کے مسائل کا حل نکالا۔ فوج نے جانچ پڑتال کے بعد 11,664 جنگجوؤں کو آئی ڈی پی سے الگ کیا۔ ان میں سے 594 بچے جنگجو تھے، 2,033 خواتین اور 9,037 مرد شامل تھے۔ انہیں چوبیس مراکز میں رکھا گیا جہاں ان کی تربیت میں مذہبی، تعلیمی اور فنی پروگرام شامل تھے۔ ایک سال

اور چھ ماہ کے اندر تقریباً 70 فیصد سابق جنگجوؤں کو ان کی اصل کمیونٹیز میں دوبارہ شامل کر دیا گیا۔ اسپیشل برانچ کے افسران کو ہدایت کی گئی کہ وہ ان علاقوں میں بھیجے گئے تمام سابق جنگجوؤں پر نظر رکھیں۔ یونیسف کی مدد سے فوج نے بچوں پر خاص توجہ دی، جن میں سے نصف نے اپنی تعلیم جاری رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بچوں میں سے 231 لڑکیاں تھیں۔ کچھ کو کولمبو کے ایک معروف تامل اسکول میں بھیجا گیا اور دیگر واوونیا کے ایک ٹیکنیکل کالج میں گئیں۔ میں نے چند نوجوان سخت گیر خواتین ٹائیگرز سے انٹرویو کیے– فوج کے مطابق وہ 'برین واش' تھیں۔ کچھ نے اپنے فنی کورس، خاص طور پر کپڑے بنانے کی تربیت، سے بور ہونے کی شکایت کی، لیکن کسی بدسلوکی کی نہیں۔ زخمی جنگجوؤں کو وسیع طبی دیکھ بھال فراہم کی گئی، جس میں وہیل چیئرز اور مصنوعی اعضا شامل تھے۔ بہت سے ٹائیگرز نے اپنی قانونی اور تعلیمی دستاویزات کھو دی تھیں؛ ان کی جگہ نئی دستاویزات فراہم کی گئیں اور انہیں شہری زندگی میں دوبارہ شامل ہونے کے لیے مختلف امداد دی گئی۔ فوج نے جافنا جیسے علاقوں میں چھوٹے آزاد گھر تعمیر کرنے کا پروگرام بھی شروع کیا۔ جب میں نے ان میں سے کچھ گھروں کا دورہ کیا تو خاندان اپنے نئے گھروں سے کافی خوش نظر آئے، اگرچہ فوج کی موجودگی اور ترجمے کے مسائل نے انٹرویو کے حالات کو شاید مکمل طور پر بہتر طور پر پیش نہ کیا ہو۔ زیادہ تر غیر جنگجو آئی ڈی پی کیمپوں کے قیدیوں کے لیے ابتدائی استقبال بے ترتیب تھا کیونکہ تعداد بہت زیادہ تھی، حالانکہ فوج نے بین

الاقوامی قوانین کی پاسداری کرنے کی کوشش کی، جس کے تحت خواتین اور بچوں کے معاملات میں صرف خواتین فوجی شامل تھیں۔ فوجی طبی عملے کی ابتدائی اسکریننگ کے بعد زخمیوں کو ملک کے مختلف شہری اسپتالوں میں بھیجا گیا؛ ہنگامی کیسز کو اکثر ہیلی کاپٹر کے ذریعے منتقل کیا گیا۔ بنیادی پناہ گاہ، صحت کی سہولیات، خوراک اور پانی کے علاوہ، بہت سے صدمہ زدہ پناہ گزین اپنے خاندانوں سے دوبارہ ملنے کے خواہاں تھے، جو کہ قابل فہم تھا۔ آئی سی آر سی کی مدد سے فوج نے چھ ہفتوں میں 35,000 آئی ڈی پیز کو ان کے خاندانوں سے دوبارہ ملا دیا۔ کیمپوں میں عارضی مذہبی مراکز، کوول (مندر)، مساجد اور گرجا گھر قائم کیے گئے۔ تعلیمی اور پیشہ ورانہ تربیت فراہم کی گئی؛ دوبارہ آبادکاری کے الاؤنس اور زرعی سبسڈیز دی گئیں تاکہ وہ جلد سے جلد اپنے دیہاتوں کو واپس جا سکیں جہاں بارودی سرنگوں کو صاف کر دیا گیا تھا۔ کپڑے اور دیگر بنیادی ضروریات کی اشیاء ملک بھر کی فلاحی تنظیموں کی طرف سے فراہم کی گئیں، جس میں تامل اور سنگھالی دونوں شامل تھے۔ تجارتی کمپنیوں نے بھی تعمیر نو میں مدد کی۔ مثال کے طور پر، بینک آف سیلون نے شمال اور مشرق میں چھوٹے بینک قائم کیے تاکہ واپسی کرنے والے افراد اکاؤنٹ کھول سکیں۔ روایتی طور پر، بہت سی نچلی ذات کی تامل خواتین اپنا زیور یا نقدی اپنے پاس رکھتی تھیں۔ ایک سینئر بینکر نے طنزیہ انداز میں اعتراف کیا کہ وہ 'حقیقی طور پر پیسے کی صفائی' میں ملوث تھے، کیونکہ بہت سے نوٹ دراصل صاف اور استری کیے گئے تھے، اور پھر نئے

اکاؤنٹس میں جمع کروائے گئے تھے۔ آہستہ آہستہ مقامی لوگوں کو یقین ہو گیا کہ بینک محفوظ ہیں، خاص طور پر جب انہیں بیرون ملک سے اپنے رشتہ داروں کی طرف سے رقم ملنے لگی۔ شہری زندگی کی طرف واپسی کے حصے کے طور پر، حکومت نے سابقہ ایل ٹی ای زونز میں پولیس افسران کی تربیت کے لیے 5,000 تامل نوجوانوں کو بھرتی کیا۔ اس کے باوجود، 'سول ملٹری تعاون' کے نام سے معروف اصطلاح – یعنی شہری آبادی کو فوجی امداد – کے باوجود، کچھ افسران نے تسلیم کیا کہ تامل اکثریتی علاقے جافنا میں بہت سے مقامی لوگ سری لنکن فوج کو ایک قابض قوت کے طور پر دیکھتے تھے۔ ایک بہت سینئر افسر نے جافنا میں قیام کے دوران بتایا، "تمام ایل ٹی ای رہنما جافنا سے آئے تھے اور ان کا جنوبی علاقوں کے خلاف ایک ذہنیت تھی۔ آج، صرف غصہ نہیں بلکہ شکست کا احساس بھی ہے۔" یہ غصہ دوبارہ بھڑک سکتا تھا، خاص طور پر جب فوج جنگ کے دوران چھپائے گئے اسلحہ کے ذخائر برآمد کر رہی تھی۔ گھروں کی تعمیر اور بینک سب کچھ ٹھیک تھا، لیکن یہاں تک کہ فوجیوں کی طرف سے بڑے پیمانے پر خون کا عطیہ دینے جیسے ڈرامائی اقدامات (کیونکہ مقامی تامل مختلف ذات کے گروہوں کے لیے خون عطیہ کرنے کے بارے میں حساس تھے) شاید مقبول نہ ہوں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شاید ان کے منظم پس منظر کی وجہ سے، دوبارہ آباد ہونے والے سابق جنگجو اور دیگر سابق ایل ٹی ای حامی اکثر شکایات اور ذاتی تنازعات فوج کے پاس لے جاتے تھے، نہ کہ پولیس یا شہری حکام کے پاس۔

انہوں نے فوج پر اعتماد ظاہر کیا کہ وہ فیصلہ کن اور ممکنہ طور پر منصفانہ فیصلہ دے گی۔ سیاست سے قطع نظر، جافنا کے علاقے کے بہت سے کاروباری افراد نے پیسہ کمانے کا موقع حاصل کرنے کا خیر مقدم کیا۔ ان کا رویہ حقیقت پسندانہ تھا۔ ایک نے کہا: "ایل ٹی ٹی ای ہم سے پیسہ وصول کرتی تھی، اب حکومت وہی کرتی ہے، لیکن وہ اسے ٹیکس کہتے ہیں۔" اقوام متحدہ کے ماہرین نے حکومت کی انسانی امداد کے بارے میں ایک بالکل مختلف نقطہ نظر اختیار کیا۔ اپنے بااثر مارچ 2011 کی رپورٹ میں اس نے کئی سنگین الزامات کی فہرست دی، جبکہ ایل ٹی ٹی ای پر بھی تنقید کی۔ رپورٹ میں نو فائر زونز میں شہریوں پر گولہ باری کی مذمت کی گئی، جبکہ حکومت نے اشارہ کیا تھا کہ وہ اب بھاری ہتھیار استعمال نہیں کرے گی۔ رپورٹ نے خاص طور پر اقوام متحدہ کے 'ہب' اور خوراک کی تقسیم کے نظام پر فوج کی گولہ باری پر تنقید کی۔ اس نے حکومت پر اسپتالوں پر 'منظم' گولہ باری کا الزام لگایا، حالانکہ ان کے مقامات فوج کو اچھی طرح معلوم تھے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد کہا گیا کہ بچ جانے والے افراد کو خوفناک حالات 'میں کیمپوں میں رکھا گیا۔ کچھ ایل ٹی ٹی ای کے مشتبہ افراد کو 'بلاجواز پھانسی' دی گئی' اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا؛ کچھ خواتین کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو سکتی ہے۔ حکومت پر میڈیا اور راجاپاکسا کے ناقدین کے خلاف انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا بھی الزام لگایا گیا۔ مزید برآں، اقوام متحدہ کے ماہرین نے سبق سیکھنے اور مفاہمتی کمیشن کو مؤثر احتساب کے طریقہ کار کے لیے بین الاقوامی معیار پر

پورا نہ اترنے والا قرار دیا۔ یہ 'انتہائی ناقص' تھا اور مؤثر احتساب کے لیے بین الاقوامی معیارات پر پورا نہیں اترتا تھا۔ رپورٹ کولمبو کے لیے صاف ستھرا بل نہیں تھی۔ حکومت اقوام متحدہ کے ماہرین کو باہر کے افراد کے طور پر مسترد کر سکتی تھی، لیکن یونیورسٹی ٹیچرز فار ہیومن رائٹس (جافنا) کی رپورٹس نے اندر سے ہولناک عینی شاہدین کے بیانات فراہم کیے۔ خاص طور پر، اس کی دسمبر 2009 کی خصوصی رپورٹ نے ایل ٹی ٹی ای کی بربریت کی مثالیں بیان کیں، جیسے کہ برین واش کیے گئے بچے جو قیدیوں کو عام طور پر گولی مار رہے تھے، اور ساتھ ہی آئی ڈی پی کیمپوں میں تاملوں کے ساتھ بدسلوکی، خاص طور پر بدمعاشی اور بھتہ خوری کی کارروائیاں۔ تاہم، حکومت نے اصرار کیا کہ وہ جنگ سے ہونے والے نقصان کی مرمت کے لیے عملی کاموں میں مصروف ہے۔ سب سے خطرناک اور محنت طلب چیلنجوں 'میں سے ایک اندازاً 1.6 ملین بارودی سرنگوں کی صفائی تھی۔ فوج نے مانار ضلع کے 'چاول کے پیالے کے علاقے سے آغاز کیا، جہاں شدید لڑائی ہوئی تھی۔ چند ہفتوں میں، 39 مربع کلومیٹر کے علاقے سے ایل ٹی ٹی ای کی اینٹی پرسنل بارودی سرنگیں ہٹا دی گئیں اور 1,500 دیگر نا پھٹے ہوئے آلات 7,000 کو ناکارہ بنایا گیا۔ اس سے فوری طور پر ملک کی چاول کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ اگلی ترجیح کیلیونچی، تھی جہاں آبادی کا تناسب سب سے زیادہ تھا۔ اس تحریر کے وقت، تقریباً 1.2 ملین بارودی سرنگیں باقی تھیں۔ یہ جزوی طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ تقریباً 5,000 آئی ڈی پیز ابھی بھی کیمپوں

میں کیوں موجود تھے - وہ اپنے مولائی تیویو کے دیہاتوں میں سپاہیوں کے کام مکمل کرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ عمل سست تھا کیونکہ نصف اینٹی پرسنل بارودی سرنگیں تامل ٹائیگرز کی جانب سے گھریلو طور پر تیار کی گئی تھیں (باقی سنگاپور، چین اور پاکستان سے آئی تھیں)۔ بارودی سرنگوں کے میدانوں کے نقشے تقریباًنہ ہونے کے برابر تھے، اور تقریباً10 فیصد بارودی سرنگیں بوبی ٹریپ تھیں تاکہ انہیں ناکارہ نہ کیا جاسکے۔ فوجی انجینئرز میں زخمی ہونے کی شرح بہت زیادہ تھی، کم از کم ہاتھ ضائع ہونے تک۔ مسلح افواج کو جنگ کے وقت کی طاقت پر برقرار رکھا گیا تھا، حالانکہ قدرتی نقصانات کی جگہ کو پورا نہیں کیا جارہا تھا۔ سیاست میں جانے سے پہلے، جنرل فونسیکا نے متنازعہ طور پر تجویز پیش کی کہ فوج کو 350,000 تک بڑھایا جانا چاہیے۔ اس کی ایک وجہ ابتدائی سیکیورٹی خدشات تھے تاکہ زمینی نگرانی کو برقرار رکھا جاسکے؛ پھر فوج جنگ کے بعد بڑے پیمانے پر انفراسٹرکچر کی تعمیر نو کے کام میں شامل ہو گئی۔ انجینئرز فطری طور پر چیزیں تعمیر کرنے پر خوش تھے، خاص طور پر پل، لیکن کچھ عام پیادہ فوجی نئے سڑکوں پر مزدوروں کے طور پر تعینات ہونے پر شکایت کرتے تھے۔ اگست 2011 میں کولمبو نے اعلان کیا کہ وہ ہنگامی حالت کے قوانین کو ختم کردے گا جو چالیس سال سے نافذ تھے۔ تاہم، حکومت کو جنگ سے تھکے ہوئے عوام کے لیے زیادہ ٹھوس امن کے ثمرات فراہم کرنے کی ضرورت تھی۔ تاملوں کو ضلعی، صدارتی اور پارلیمانی انتخابات میں حصہ لینے کی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ، ان کے

لیے اقتصادی اور سیاسی مفاہمتی کوششوں میں حصہ لینا بھی ضروری تھا۔ شمال اور مشرق کو دوبارہ بحال کرنا ضروری تھا۔ قومی سطح پر، اقتصادی مستقبل روشن نظر آ رہا تھا۔ 7–8 فیصد کی شرح نمو مغربی دنیا کے لیے حسد کا باعث تھی جو کہ نہ ختم ہونے والے کساد بازاری میں پھنسی ہوئی تھی۔ ملک طویل عرصے تک جنگ سے پیدا ہونے والی کٹھنائیوں کا شکار رہا تھا، اب وہ بڑے پیمانے پر عوامی منصوبوں کی صورت میں ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ افراط زر اور بے روزگاری نسبتاً کم تھی۔ سیاحت کی بحالی کے علاوہ کولمبو غیر ملکی سرمایہ کاری کو بھی فروغ دینا چاہتا تھا، خاص طور پر ایک ایسے ملک میں جہاں خواندگی کی شرح بہت زیادہ تھی اور تعلیمی نظام اچھا تھا، جس میں بڑی تعداد میں انگریزی بولنے والے لوگ موجود تھے۔ خاص طور پر آئی ٹی کمپنیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ تاہم، سب کچھ خوشگوار نہیں تھا۔ 2012 میں ملک ہڑتالوں کی زد میں تھا۔ تعمیرات میں فوج کے اثر و رسوخ نے بڑے پیمانے پر سرپرستی کی راہیں ہموار کیں، اور کچھ تاجروں نے وسیع پیمانے پر بدعنوانی کی شکایت کی۔ کولمبو کے سیاسی مبصرین نے پاکستان کے ساتھ واضح موازنہ کیا، خاص طور پر سیاست کی مبینہ فوجی کاری کے حوالے سے۔ اور جنگ کی بنیادی وجہ مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی۔ مقامی تامل رہنماؤں نے شمال میں فوجی جبر کی شکایت کی۔ تامل نیشنل الائنس، جس نے 2010 کے قومی پارلیمانی انتخابات میں سولہ نشستیں جیتی تھیں، نے شمال میں مقامی انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل کی، جس سے صدر کی

جماعت پیچھے رہ گئی۔ لیکن سری لنکا کی سیاست، چاہے کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو، شاید دوبارہ جنگ کی طرف جانے سے بہتر تھی، جو کہ انتہائی ناممکن تھا۔ تاہم، ایک بڑے پیمانے پر امن کے وقت کی فوج کو برقرار رکھنے اور یہاں تک کہ انٹیلیجنس اور انسداد دہشت گردی کی افواج کو وسعت دینے کے کچھ مثبت پہلو ہو سکتے ہیں۔ یہ کوئی اتفاق نہیں تھا کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ملک کو ٹائیگر تشدد کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ مزید برآں، عالمی دہشت گردی – جو تامل علیحدگی پسندی سے غیر متعلق تھی – میں اضافہ ہوا تھا، خاص طور پر سائبر خطرات کی شکل میں۔ کچھ سیکیورٹی ماہرین نے بدعنوانی کے باوجود شہری تعمیر نو کے لیے کولمبو کے فوجی طریقہ کار کو دیگر جنگ زدہ ممالک کے لیے ایک نمونہ قرار دیا۔ مثال کے طور پر، 2003 میں تقریباً پوری عراقی فوج کو برخاست کرنا وہاں ہونے والے قتل عام کی ایک بڑی وجہ تھی۔ جیسا کہ ایک امریکی ترقیاتی ماہر نے مشاہدہ کیا: "اپنی فوج کے حجم کو کم کرنے کے لیے بین الاقوامی دباؤ کا مقابلہ کرتے ہوئے، سری لنکا نے اس ممکنہ خطرے سے بچا لیا کہ دسیوں ہزار ہتھیاروں سے تربیت یافتہ اور جنگ میں سخت فوجیوں کو شہری زندگی کی عام روٹین میں دوبارہ شامل کیا جاتا، جہاں ان کی فوجی پنشن کی قوت خرید افراط زر سے کم ہو جاتی۔" صدر راجاپاکسا ایک خاندانی سیاستدان تھے، جیسے کہ امریکہ میں کینیڈی اور بش خاندان تھے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ وہ نجومیوں سے مشاورت میں اتنے ہی دلچسپی رکھتے تھے جتنی کہ نینسی ریگن تھیں۔ یقیناً، بڑی عمر کی نسل کے سنگھالی

اپنے زائچے کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ اب وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کے ستارے عروج پر ہیں۔

ایل ٹی ٹی ای کا نیٹ ورک، بین الاقوامی سطح پر مؤثر احتجاج کی صلاحیت کے باوجود، اس وقت تک اپنی اثر ورسوخ کھوتا رہے گا جب تک کہ جزیرے پر موجود تامل یہ محسوس کرتے ہیں کہ انہیں بہتر مواقع فراہم کیے جا رہے ہیں۔ خانہ جنگی کا بہت بڑا اور غیر ضروری سانحہ دونوں فریقین کے لیے کبھی نہیں بھلایا جاسکے گا، لیکن اگر معاشی خوشحالی کو منصفانہ طریقے سے بانٹا گیا تو یہ شفایابی کے عمل کا حصہ بن سکتی ہے۔ سری لنکا کے بارے میں خوش امیدی رکھنے والے افراد کو بدھ مت کا یہ قول یاد ہو سکتا ہے: جسے کیڑا دنیا کا خاتمہ سمجھتا ہے، اُسے استاد تتلی کہتا ہے۔"

باب شانزداهم

نتائج

حکومت نے تمام توقعات کے خلاف اور دنیا بھر کے فوجی ماہرین کی پیشین گوئیوں کے برعکس ایک فوجی فتح حاصل کی۔ یہ کیسے ہوا؟ یہ محض بے رحم نئی حکمت عملیوں کا اطلاق یا غیر ملکی تنقید کو نظر انداز کرنے کا عزم نہیں تھا۔ ایل ٹی ٹی ای کی شکست داخلی اور خارجی عوامل کے مجموعی اثرات کا نتیجہ تھی۔ اور، جیسا کہ تمام جنگوں میں ہوتا ہے، قسمت نے بھی ایک کردار ادا کیا۔ پربھاکرن کئی مواقع پر پکڑے جانے کے قریب تھا۔ اس کی بے رحم کرشماتی شخصیت کے بغیر، ایک طویل بغاوت شاید گہری شکایات کے گرد منظم نہ ہو پاتی۔ گوٹابایا اور مہندا راجاپکسا آسانی سے راجیو گاندھی کی طرح حالات کا شکار ہو سکتے تھے۔ جیٹ لائنر جہاز کو تباہ کیا جا سکتا تھا، جس سے حکومت کی جنگی کوششیں تباہ ہو جاتیں۔ دونوں ،طرف سے کئی غلطیاں ہوئیں۔ جنگ کی فن اکثر ایک غیر فعال ہنر ہو سکتی ہے – جیسا کہ نپولین نے کہا اپنے دشمن کو اس وقت نہ روکنا جب وہ غلطیاں کر رہا ہو۔ تاہم، اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کون سا فریق فعال طور پر درست وقت پر درست قدم اٹھاتا ہے تاکہ جنگ جیت سکے۔ راجاپکساوں

نے آگ کا جواب آگ سے دیا۔ ماؤ کی حکمت عملی کو اپناتے ہوئے، انہوں نے دکھایا کہ ان میں جنگ جیتنے کی سیاسی مرضی موجود ہے۔ انہوں نے ایک پختہ قیادت کا مظاہرہ کیا جو پہلے کی حکومتوں میں غیر موجود تھی۔ جنگ کو قومی سلامتی کونسل میں مؤثر طریقے سے مربوط کیا گیا اور — روایتی بین الخدمتی رقابت سے متاثر ہو کر — نیچے کی سطح پر اکثر تعاون بہتر کام کرتا تھا، خاص طور پر مشترکہ آپریشنز میں۔ فوجی رہنماؤں کا انتخاب عام طور پر اچھا تھا اور اعلیٰ سیاسی قیادت اکثر آپریشنل معاملات میں مداخلت نہیں کرتی تھی۔ مثال کے طور پر، فاک لینڈز جنگ میں مسز تھیچر کی طرح کوئی 'لانگ سکریو ڈرائیور' سیاسی مداخلت کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ یہ سکریٹری کی ذاتی اثر ورسوخ کی بدولت حاصل ہوا خاص طور پر اپنے بھائیوں کے ساتھ معاملات میں اور اپنے سینئر کمانڈروں کے ساتھ ذاتی تعلقات کی بنا پر۔ فوج کو گوٹابایا راجا پاکسا چلا رہے تھے، جبکہ ان کے بھائی مہندا سیاست کے معاملات سنبھال رہے تھے۔ سب سے پہلے، داخلی طور پر: صدر نے کابینہ، پارلیمنٹ اور عوام کو جنگی کوششوں کے پیچھے کھڑا رکھنے کے لیے سخت محنت کی۔ دوسری طرف، بین الاقوامی سطح پر: حکومت نے اہم لمحات میں مغرب کی مداخلت کو روکا، جبکہ ہندوستان کو ترویکا انتظامات کے ذریعے ساتھ رکھا، اور ساتھ ہی ساتھ بھارت کے روایتی دشمنوں، چین اور پاکستان کے ساتھ بھی اچھے تعلقات برقرار رکھے۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان رقابت کو مہارت سے استعمال کرتے ہوئے، کولمبو نے دونوں ممالک سے بڑے

ہتھیاروں کے معاہدے حاصل کیے۔ اور چین کی بحر ہند میں 'موتیوں کی مالا' کی حکمت عملی کو اپناتے ہوئے — ایک بندرگاہ کی تعمیر کا منصوبہ جس کا مقصد بھارت کو گھیرنا تھا — نہ صرف بیجنگ سے راجا پاکسا خاندان کے آبائی علاقے ہیمبنٹوٹا میں ایک بڑی جنوبی بندرگاہ کے لیے مالی امداد حاصل کی بلکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں چین کی حمایت بھی حاصل کی، جو واحد ادارہ تھا جو فوج کی فتح کو روک سکتا تھا۔ حکومت کے ہتھیاروں کی سپلائی شاذ و نادر ہی سنجیدگی سے متاثر ہوئی، جبکہ بین الاقوامی بحری ناکہ بندیوں نے ٹائیگرز کے زیادہ تر ہتھیاروں کو روک دیا، جس میں اکثر ہندوستانی انٹیلی جنس کا شکریہ شامل تھا۔ سفارتی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، خاص طور پر پنجرے سے پیدا ہونے والے بین الاقوامی تنازعے کے دوران۔ کولمبو نے میڈیا پر سخت کنٹرول رکھا، خاص طور پر غیر ملکی نامہ نگاروں پر۔ ملکی میڈیا اکثر شور مچاتا تھا، لیکن محافظوں کو شاذ و نادر ہی کاٹنے کی اجازت دی گئی۔ کولمبو نے ایک کامیاب گھریلو میڈیا مہم چلائی تاکہ فوج میں مسلسل بھرتیاں جاری رہیں اور سنہالی اکثریت کو یہ باور کرایا جائے کہ جنگ جیتی جاسکتی ہے اور یہ کہ شہری دہشت گردی، جنگ کے میدان میں ہونے والے جانی نقصان اور معاشی دباؤ کے باوجود جیتنے کے قابل ہے۔ یہ فتح کے لیے حکمت عملی کا فریم ورک تھا۔ آپریشنل اور تاکتیکی سطح پر، فوج اور بحریہ نے اکثر چھوٹے یونٹوں کے ذریعے ٹائیگرز کو شکست دی اور اپنی وولف پیکس تیار کیں تاکہ سمندری ٹائیگرز کو ان کی اپنی حکمت عملی سے شکست دی جاسکے۔ ٹائیگرز

نے ایک شاندار بغاوت کی، لیکن وہ ہار گئے۔ کیوں؟ ایل ٹی ٹی ای کے پاس کوئی مربوط سرحدی پناہ گاہ نہیں تھی، جسے اکثر پچھلی ایشیائی جنگوں میں ایک ضروری شرط قرار دیا جاتا ہے، سب سے واضح طور پر ویتنام میں۔ تاہم، بھارت طویل عرصے تک ایک مؤثر پناہ گاہ تھا، جو پالک اسٹریٹ کے پار چند کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ ٹائیگرز نے بھارت میں تربیت حاصل کی اور ایک طویل عرصے تک نئی دہلی سے مدد حاصل کی۔ یہ سب راجیو گاندھی کے قتل کے بعد ختم ہو گیا۔ 11/9 سے پہلے ٹائیگرز کی ہوشیار بین الاقوامی پروپیگنڈہ مہم نے کئی مغربی سیاست دانوں کو قائل کیا کہ وہ ایک ظالم حکومت کے خلاف مزاحمت کرنے والے آزادی پسند ہیں۔ ہوشیار میڈیا مہمات نے بڑی اور اکثر خوشحال تمل ڈائیسپورا کی حمایت حاصل کی جس نے بدلے میں کینیڈا اور برطانیہ جیسے ممالک میں سیاسی اثر ورسوخ حاصل کیا۔ ناروے جیسے ممالک بھی جنگ کے کئی مراحل پر ایل ٹی ٹی ای کی مدد کے لیے مداخلت کرتے رہے۔ بین الاقوامی ٹائیگر نیٹ ورک نہ صرف سیاسی اور میڈیا کی حمایت منظم کرنے میں بہت مؤثر تھا بلکہ جدید ہتھیاروں کا ایک ذخیرہ فراہم کرنے میں بھی کامیاب رہا۔ تمل اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور نہ صرف بیرون ملک اچھے پروپیگنڈسٹ ثابت ہوئے بلکہ ملکی سطح پر ہتھیاروں کی تیاری اور ان میں جدت لانے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ایل ٹی ٹی ای منظم اور انتہائی نظم وضبط کے حامل تھے اور جنگ میں اکثر جنونی نظر آتے تھے۔ ان کا شہادت کا عقیدہ پیشہ ور رضاکار فوج کے لیے لڑنا مشکل بنا دیتا

تھا۔ اور، غیر معمولی طور پر، سری لنکن حکومت نے جنگ کے زیادہ تر ادوار میں ٹائیگرز کے زیر کنٹرول علاقوں میں زیادہ تر آبادی کے لیے انتظامی ضروریات، بشمول خوراک اور ادویات، فراہم کیں۔ ماویل آرو کے بند کی بندش سے پہلے، ٹائیگرز تقریباً ناقابل شکست نظر آتے تھے۔ (کچھ ٹائیگرز کے رہنما، جو پربھاکرن کی سننے کی حد میں نہیں تھے، مذاق کرتے تھے کہ جس شخص نے پانی کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا تھا، اسے دوبارہ نلکا بند کرنے کی بھی اجازت نہیں دینی چاہیے۔) بین الاقوامی ماہرین کا یہ فیصلہ کہ کولمبو کی جنگ جیتی نہیں جا سکتی، جائز معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت تک، اگر پربھاکرن نے ڈھیلے وفاقی یا خود مختار معاہدے کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہوتا، تو شاید وہ آخر کار اپنا آزاد تمل ایلم ، حاصل کر لیتا۔ تاہم، جیسے فلسطین / اسرائیل میں دو ریاستی حل کی طرح، جتنی طویل جنگ جاری رہتی سیاسی تصفیہ اتنا ہی مشکل ہوتا جاتا۔ اس لحاظ سے پربھاکرن کی مطلق العنانیت کا عزم ایک لعنت بھی تھا اور ایک نعمت بھی۔ اس کے جنونی جذبے نے ایک طویل بغاوت کو جنم دیا، لیکن اس نے اسے اس وقت اپنے فائدے کو سمیٹنے سے بھی اندھا کر دیا جب اسے موقع ملا تھا۔ اس کے بجائے، اس نے سب کچھ کھو دیا، اور جن لوگوں کی وہ حفاظت کرنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ ایک بھیانک جنگ اور مکمل ، شکست کا شکار ہو گئے۔ ابتدائی طور پر، ایل ٹی ٹی ای کے رہنما نے اپنے قدرتی فوائد سے فائدہ اٹھایا خاص طور پر تمل ناڈو کے سیاست دانوں کے تقریباً اضطراری حفاظتی جذبے سے۔ لیکن یہ سب راجیو

گاندھی کے قتل کے ساتھ ہی بے وقوفی سے ختم ہو گیا۔ پربھاکرن کی تقریباً اسٹالن جیسی شخصیت پرستی کا مطلب یہ تھا کہ اسے اپنے قریبی گروہ میں بہت کم مخالفت کا سامنا تھا، جو زیادہ تر طویل مدتی ساتھیوں اور دوستوں پر مشتمل تھا، جن میں سے بہت سے اس کے اسکول اور جوانی کے دنوں کے ساتھی تھے۔ کے پی ایک مثال تھا۔ جب اس نے پربھاکرن کو آزادانہ مشورہ دیا تو اسے مؤثر طریقے سے کچھ عرصے کے لیے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ رہنما کی انتہائی بے رحمی نے مخالف، اکثر زیادہ معتدل تمل رہنماؤں کو ،ہٹا دیا۔ اس کے کچھ فوجی کمانڈروں نے مشورہ دیا کہ ہٹ اینڈ رن گوریلا جنگ کی طرف واپس جائیں بجائے اس کے کہ ایک بہتر روایتی دشمن سے جامد جنگ میں برتری حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ایل ٹی ٹی ای اپنے ماؤنواز نظریات کے ساتھ وفادار رہتا، تو وہ اپنی جنگی حکمت عملی میں انقلاب لا سکتا تھا، اور اپنی روایتی مزاحمت میں چالبازی شامل کر سکتا تھا۔ اس طرح وہ حکومت کو ایک طویل جنگ میں تھکا سکتا تھا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ پربھاکرن کی فوجی خود پسندی اس پر حاوی ہو گئی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اپنی تمام علاقائی فتوحات کو برقرار رکھ سکتا ہے، لیکن 'وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہا کہ اس کا دشمن ذہنی اور جسمانی طور پر تبدیل ہو چکا ہے۔ اس نے سیاسی غلطیاں بھی کیں، مثلاً تملوں کو صدارتی مہم میں ووٹ نہ دینے کی ہدایت دی، جس سے مہندا راجا پاکسا کو غیر متوقع طور پر معمولی اکثریت حاصل ہوئی۔ پربھاکرن نے 11/ 9 کے بعد کی عالمی سیاست میں ہونے والی بڑی تبدیلیوں کو بھی نظر انداز کر

دیا، اور تمام دہشت گردی مخالف جذبات کو نظر انداز کیا، جو کولمبو کے حق میں تھے۔ پربھاکرن کے پیروکار اسے "سورج دیوتا" سے تشبیہ دیتے تھے، اور وہ خود بھی اس پر یقین کرنے لگا۔ اور دیگر تمام ، آمروں کی طرح، اس نے کسی جانشین کا تقرر نہیں کیا۔ 2004 میں کرنل کرونا کی بغاوت کے بعد اس کے سامنے کوئی چیلنج کرنے والا باقی نہیں بچا تھا۔ اس کی بے رحم جنگی حکمت عملی کی وجہ سے ابتدائی ایک خاندان سے ایک فرد" کی بھرتی پالیسی کو بڑے پیمانے پر جبری بھرتیوں سے بدل دیا گیا، خاص" طور پر 2009 کے اوائل میں۔ اس کے ابتدائی طور پر مخلص پیروکار، جو اس کی بربریت سے دلبر داشتہ ہو چکے تھے، خاص طور پر جبری مشقت، بچوں کو سپاہی بنانے اور خودکش حملوں کے استعمال کی وجہ سے، ملک چھوڑ کر چلے گئے یا حکومت کے زیر کنٹرول علاقوں میں پناہ لے لی۔ اسی لیے اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ جیسے جیسے فوج آگے بڑھ رہی تھی، وہ تملوں کو مزید چھوٹے چھوٹے علاقوں میں جمع کرے۔ زیادہ تر مطلق العنان رہنماؤں کی طرح، وہ بھی اقتدار میں بہت زیادہ عرصہ رہا۔ وہ اپنے ابتدائی مساوات پسندانہ سوشلسٹ ایلم کے نظریات کو اپنی ذاتی خواہشات سے الگ نہ کر سکا، اور اس کے ارد گرد کوئی بھی اس کی مخالفت کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ تنظیم اور بغاوت میں اس کی مہارت، جس میں کوئی شک نہیں تھا، نے اسے 2005 تک بہت سی کامیابیاں دلائیں۔ اسے ہندوستان کی مدد سے کوئی معاہدہ کر لینا چاہیے تھا۔ لیکن اس نے فوجی فتح پر یقین کرنا جاری رکھا اور اپنے وسائل کو

بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اپنے نئے مخالفین، راجا پکساؤں، کو کم تر سمجھا۔ مختصراً، اس کی ابتدائی فوجی کامیابیوں نے اسے ایک حقیقی سیاسی معاہدے کے امکان سے اندھا کر دیا۔ مداخلت، خاص طور پر اقوام متحدہ کی افواج کی طرف سے، جنگوں کو طول دینے کا سبب بنتی ہے، جنہیں فوجی فتح جلد ختم کر سکتی تھی۔ افریقہ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ تاہم، مقامی حکومتی افواج کے ہاتھوں ایک بغاوت کی حتمی شکست نایاب ہوتی ہے۔ سری لنکا ایک نسلی خانہ جنگی تھی اور ساتھ ہی ایک بغاوت تھی، جس میں کلاسیکی گوریلا حکمت عملیوں، نیم روایتی موبائل جنگ اور شہری دہشت گردی کی مہمات کا مرکب شامل تھا۔ یہ ماؤنواز حکمت عملیوں کا ہوشیار استعمال تھا۔ ایل ٹی ٹی ای نے لڑائی اور مذاکرات کیے اور شمالی ویتنامیوں کی طرح جیتنے کی توقع کی۔ اس تنازعے کی درست نوعیت پر بحث میں الجھے بغیر، یہ واضح ہونا چاہیے کہ حکومت نے جنگ کیسے جیتی، یہ مطالعہ ان تمام لوگوں کے لیے اہم ہے جو جنگوں اور ان کے خاتمے کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مرکزی سبق واضح ہے: حکومت نے بغاوت کے خلاف کچھ ماؤنواز ،اصولوں کا اطلاق کیا—ارادہ، جگہ اور وقت کا مظاہرہ کیا۔ راجا پکسا ٹیم نے یقینی طور پر ارادہ ظاہر کیا ایل ٹی ٹی ای سے جگہ کو بتدریج چھینا اور سری لنکا کے تناظر میں ایک طویل جنگ لڑی: ایک رولر جس نے باغیوں کو کچل دیا۔

بہت سے معاملات میں، حکومت نے ٹائیگرز کو ان کی اپنی حکمت عملی سے شکست دی۔

کیا ان اسباق کا اطلاق دوسری جگہوں پر بھی کیا جا سکتا ہے؟ باغی اور انسداد بغاوت کرنے والی دونوں افواج کے لیے اہم جنگجوؤں کے تجربات سے سیکھنا مفید ہو سکتا ہے۔ ایل ٹی ٹی ای نے خودکش حملوں کی حکمت عملی کو سب سے پہلے متعارف کرایا، جسے بعد میں دیگر جگہوں پر نقل کیا گیا، خاص طور پر ان کے دھماکہ خیز جیکٹوں کی تیاری کو۔ القاعدہ کا ہوائی جہاز بم دھماکوں کا جنون ٹائیگرز کی چھوٹے فضائی دستے کے کامیکازی حملوں کے آغاز سے پہلے کا ہے۔ البتہ، سمندری جنگ میں ٹائیگرز کی حکمت عملی بلا شبہ اختراعی تھی اور مستقبل میں بڑے بحری طاقتوں کے خلاف چھوٹی کشتیوں کے خطرے کی مثال بن سکتی ہے۔ ایران ایک واضح مثال ہو سکتا ہے۔ فریقین کے جنگی طریقوں کی ممکنہ نقل کے حوالے سے ایک مکمل کتاب لکھی جا سکتی ہے، لیکن اس کتاب میں جو زیر بحث آیا ہے وہ ایک ریاست کی اپنی سرزمین پر باغیوں کے خلاف طاقت کے استعمال کا معاملہ ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادی حالیہ برسوں میں افغانستان اور عراق میں انسداد بغاوت اور انسداد دہشت گردی کی جنگیں لڑ چکے ہیں۔ ان جنگوں میں تکنیکی ترقی کے باوجود، یہ روایتی معنوں میں جیتی نہیں جا سکتی تھیں، کیونکہ مغربی افواج اپنی

،سرزمین پر نہیں لڑ رہی تھیں۔ فرانسیسیوں نے الجزائر کو فرانسیسی سرزمین قرار دینے کی کوشش کی لیکن اپنی بے رحم جنگ ہار گئے۔ برطانوی فوج نے زیادہ علاقائی جواز کے ساتھ یورپ میں سب سے طویل بغاوت، یعنی السٹر میں لڑی، جس کا اختتام تین دہائیوں بعد امن معاہدے پر ہوا۔ جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت، جس کے پاس افریقہ کی سب سے طاقتور فوج اور جوہری ہتھیار تھے، آخر کار ایک معاہدے پر پہنچی اور امن و مصالحت کے عمل میں شامل ہوئی، جو افریقہ کے دیگر حصوں میں بھی نقل کیا گیا۔ سری لنکا کو کبھی بھی بیلفاسٹ معاہدہ نہیں ملا، جو شمالی آئرلینڈ کا ماڈل تھا۔ اگر ایل ٹی ٹی ای کی قیادت زیادہ عملی ہوتی اور 2004-2005 کے دوران کسی معاہدے پر پہنچ جاتی، تو کیا یہ ایک پرامن، خوشحال اور جمہوری دو ریاستی حل میں تبدیل ہو جاتا یا تمل ایلم شمال- جنوبی سوڈان کی طرح یا بہترین صورت میں ایک منقسم قبرص کی طرح ہوتا؟ یا پھر، زیادہ خوشگوار حالات میں، شاید یہ دوسرا کیوبیک یا شاید ایک اور اسکاٹ لینڈ بن جاتا؟ پھر بھی، جب جنگ کا آخری مرحلہ اتنی کامیابی سے چل رہا تھا، تو سنہالی اکثریت کو اس خطرے کو لینے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک معروف بھارتی صحافی، جو سری لنکا کے قریبی مبصر تھے، نے مجھ سے کہا: "نہ تمل اور نہ سنہالی سمجھتے ہیں کہ جمہوریت کا کیا مطلب ہے۔ دونوں سیاست میں بڑے آدمی کی طرف مائل ہیں۔" شاید ان دونوں کو جمہوری اقدار سیکھنی ہوں گی اگر فوجی فتح کے ذریعے امن کا عمل طویل عرصے تک کامیاب ہونا ہے۔ یہ سچ ہے کہ فوجی فتح

اپنی خالص فوجی شرائط میں متاثر کن تھی، اور بے گھر افراد کی تیزی سے آباد کاری بھی۔ تاہم، اخلاقی مسائل باقی ہیں۔ اکثر اوقات امن جنگ سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی حکومت جو اپنے بڑے اقلیتی گروپ کے خلاف مستقل امتیازی سلوک کرتی ہے، خود کو مستقل عدم استحکام کا شکار بنا لیتی ہے۔ جزیرے کی آزادی کے پہلے سالوں میں، اکثریت نے اقلیت کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کیا۔ تعلیم، روزگار اور زبان کے لحاظ سے ہونے والا امتیاز غصے کو جمع کرنے اور تنازعہ اور نقل مکانی کا باعث بننے والا تھا۔ نتیجے کے طور پر، تمل آبادی، جو تقریباً 20 فیصد تھی، 10 فیصد سے کم ہو گئی ہے۔ امن کی کامیابی اور سری لنکا کے "ابھرتے ہوئے ایشیائی عجوبے" کے دعوے پر پورا اترنے کے لیے، حکومت کو جنوبی افریقہ کے خامیوں سے بھرپور سچ اور مصالحت کے عمل سے بھی بہتر کام کرنا ہو گا۔ اسے اپنے تمل شہریوں کو مکمل طور پر کشادہ دلی اور برابری کے ساتھ اپنانا ہو گا۔ تاہم، اس بات میں وقت لگ سکتا ہے کہ ڈائیسپورا تمل ایلم کے خواب کو کب چھوڑتا ہے۔ یہ عمل کتنی دیر تک چلے گا، اس کا انحصار سنہالی اکثریت کی نیک نیتی پر ہو گا۔ قدیم جنگجو بادشاہوں کی کہانیوں اور نو آبادیاتی دور کے بعد کی جدوجہد کے باوجود، جزیرے کی کچھ رنگین تاریخ کے دوران، یہ مختلف نسلی اور مذہبی گروہوں کا ایک کامیاب امتزاج رہا ہے۔ ممکن ہے کہ دوبارہ ایسا ہو۔

PEN & SWORD MILITARY BOOKS

2009 میں سری لنکن حکومت کی فورسز نے 26 سال کی طویل اور خونی خانہ جنگی کے بعد تامل ٹائیگرز کی بغاوت کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی حکومت نے ایک طویل مدتی مقامی بغاوت کو طاقت کے ذریعے شکست دی ہو۔ اس جنگ کی کہانی خود میں نہایت دلچسپ ہے، علاوہ اس کے کہ اس کے دنیا بھر میں 'دہشت گردی' اور بغاوتوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ بہت سے ممالک نے اس جنگ میں خود کو ملوث کیا، چاہے وہ جنگجوؤں کو اسلحہ فراہم کرنے کے لیے ہو (چین، پاکستان، بھارت، شمالی کوریا اور اسرائیل) یا امن لانے کے لیے (امریکہ، فرانس، برطانیہ، ناروے)۔

اس کام کی تحقیق کرتے ہوئے پروفیسر مورکرافٹ، جو ایک معزز علمی جنگی صحافی اور مصنف ہیں، کو سری لنکا کے سیاستدانوں (بشمول صدر اور ان کے بھائی، مستقل دفاعی سیکرٹری)، سینئر جنرلز، انٹیلیجنس سربراہان، سول سرونٹس، اقوام متحدہ کے حکام، سفارت کاروں اور غیر سرکاری تنظیموں تک غیر معمولی رسائی دی گئی۔ انہوں نے تامل ٹائیگرز کے زندہ بچ جانے والے رہنما کا بھی انٹرویو لیا۔

نتیجہ ایک متاثر کن بیان ہے جس میں حکمت عملی، ہتھکنڈے، سفارت کاری اور اس میں ملوث انسانی سانحات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مصنف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح میڈیا اور غیر ملکی ثالث حکومت کے اس عزم سے مایوس تھے کہ تامل ٹائیگرز کی مزاحمت کو ہر ممکن طریقے سے ختم کیا جائے۔

جون ولنکسن

ISBN 178159304-3

9 781781 593042

UK £12.99
US $24.95

www.pen-and-sword.co.uk